مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

کی

دینی و علمی خدمات کا تحقیقی مطالعہ

﴿مقالہ برائے پی ایچ ڈی﴾

محقق

محمد اسعد تھانوی

نگران

پروفیسر ڈاکٹر عبدالرشید

شعبة القرآن والسنة

کلیۂ معارف اسلامیہ جامعہ کراچی

۳۰ ستمبر ۲۰۰۵ء

Phone: 9243220
9243131-

FACULTY OF ISLAMIC STUDIES
UNIVERSITY OF KARACHI
KAR.-75270

DEAN
PROF. DR. ABDUL RASHID

Dated Nov. 2

تصدیق نامہ

تصدیق کی جاتی ہے کہ محمد اسعد تھانوی نے میری نگرانی میں ''مولانا محمد قاسم نانوتوی کی دینی وعلمی خدمات کا تحقیقی مطالعہ'' کے موضوع پر تحقیق مکمل کرلی ہے۔

اس تحقیقی کام کو پی ایچ۔ڈی کی سند کے لئے جمع کرانے کی اجازت مرحمت کی جاتی ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر عبدالرشید

نگران مقالہ

فہرست موضوعات

فہرست موضوعات

مقدمہ

مقدمہ:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللّٰہ رب العلمین والعاقبۃ للمتقین والصلوۃ والسلام علی سیدالانبیاء والمرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد:

ابھی غزوہ بالاکوٹ ختم ہوئے دوسال ہوئے تھے۔ قوت علم اور قوت عمل کے عظیم ورفیع علمبردار حق کی حمایت میں اپنی جان کی بازی لگا کر اور خاک وخون میں لوٹ کر جنت الفردوس کی طرف رخصت ہو چکے تھے۔ فضائے ہند میں ایک سنساہٹ تھی غم وحزن کی لہریں مسلم ہندی کے قلب میں رہ رہ کے اٹھ رہی تھیں۔ اس کے چہرے اور آنکھوں کے آنسو کہہ رہے تھے کہ یا اللہ! اب اسلام اور مسلمانوں کی بقا ترقی کی کیا صورت بنے گی؟ تقدیر نے کہا گھبراؤ نہیں، تم پر کوہ غم تو ضرور ٹوٹا ہے مگر رحمت خداوندی سے مایوس نہ ہونا چاہیے۔ ان مجاہدین کی آواز حق کی بازگشت اپنا رنگ لائے گی۔ ان کی قربانیاں کتنوں کو متحرک کریں گی۔ کتنی روحوں کو گرما دیں گی۔ اتنے میں دوآبے کی ایک گمنام بستی نانوتہ کی سرزمین سے یہ خبر مشہور ہوئی کہ شیخ اسد علی صدیقی کے یہاں ایک فرزند پیدا ہوا ہے۔ اس کا اصل نام محمد قاسم ہے تاریخی نام خورشید حسین ہے۔ اس کی پیشانی بتا رہی تھی کہ اسد علی کا یہ بچہ آگے چل کر حجۃ الاسلام ثابت ہوگا، علوم و معارف کو تقسیم کرے گا۔ تعلیمات محمدیہ رائج کرنے کے لیے اس کی ذات ایک مستقل دارالعلوم ہوگی۔ آفتاب نصف النہار ہو کر چمکے گا۔ دینی قوت عمل سے اپنی مختصر سی زندگی میں ایک ہلچل ڈال دے گا۔

روشنی کی کرن:

اللہ اللہ! کتنے خوش قسمت تھے شیخ اسد علی مرحوم جن کا نور نظر اور لخت جگر یہ پیدائشی باکمال انسان تھا۔ جس نے پورے خاندان کو مشہور کردیا، پورے علاقے کو جگمگا دیا، پورے ملک میں اسلام کی لاج رکھدی۔ جو

عالم بھی تھا اور صوفی بھی، مجاہد بھی تھا اور مناظر بھی، حافظ بھی تھا اور مفسر بھی، فقیہہ بھی تھا اور محدث بھی، جس کا خط دیدہ زیب جس کی تقریر دل پذیر جس کی تحریر آب حیات، جس نے اپنے زمانے کی ضرورتوں کو مدنظر رکھ کر ایک نئے علم کلام کی بنیاد ڈالی۔ جس نے علوم اسلامیہ کو زندہ رکھنے کے لیے ایک مرکز قائم کیا۔ جس نے ولی اللہی اور عزیزی فلسفہ وحکمت کو رائج کیا، جس نے توحید کا ڈنکا فضائے ہند میں نہیں بلکہ پورے عالم میں بجایا۔ یہ فرزند توحید کچھ زیادہ عمر لیکر نہیں آیا تھا صرف انچاس سال کی عمر ہوئی مگر اتنا کام کیا کہ سو سال میں بھی مشکل سے ہوسکتا ہے۔ پوری زندگی اتباع سنت، خدمت اسلام و مسلمین اور انسانیت کی خیر خواہی میں نہایت گمنامی اور سادگی کے ساتھ گذاری۔ اپنے کمالات کو بے انتہا چھپایا، اپنی زندگی کو شہرت کے ذرائع سے کوسوں دور رکھا، مگر کوئی باکمال چھپا رہ سکتا ہے؟ پھول پتوں میں نہاں ہوکر بھی پوشیدہ نہیں ہوتا۔ آج اس دنیا سے رخصت ہوئے اس کامل انسان کو سالہا سال ہوگئے مگر جتنا زمانہ گذرتا جارہا ہے اس کے کمالات واضح تر ہوتے جارہے ہیں۔

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ فرماتے تھے کہ ''اسے علم نے روکا وگرنہ اپنی وضع کو ایسا خاک میں ملاتا کہ کوئی بھی نہ جانتا۔ میں کہتا ہوں اس شہرت پر بھی کسی نے کیا جانا جو کمالات تھے وہ کس قدر تھے، کیا ان میں سے ظاہر ہوئے؟ اور آخر سب کو خاک میں ہی ملا دیا اپنا کہنا کر دکھلایا''۔

یہ تھے مولانا محمد قاسم نانوتوی جنہوں نے ہند وپاک میں علم کی شمع کو نہ صرف یہ کہ روشن کیا بلکہ ماہتاب آفتاب بن کر چمکے۔ انگریز نے ہندوستان میں اپنے قدم جمانے کے بعد اپنی تمام کوششیں اس بات پر صرف کردی تھیں کہ مسلمانوں کو ان کے دین سے دور کردیا جائے تاکہ وہ کبھی بھی انگریز کے مقابلہ پر کھڑے نہ ہوسکیں۔ عسائیوں کی دیکھا دیکھی ہندوں نے بھی سپر پرزے نکالنے شروع کردیے۔ گاؤں اور دیہات کے بھولے بھالے مسلمانوں کو بہکانا شروع کردیے۔ انگریز حکومت نے مسلمانوں کی راہیں بند کردیں تمام کی پوسٹوں کے لئے انگریزی تعلیم لازمی قرار دیدی گئی۔ اور ہندووں کو ترجیح دیجانے لگی۔ ایسے

حالات میں ایک ایسے رہبر و رہنما کی اشد ضرورت تھی جو مسلمانوں کی اس ڈوبتی ناؤ کو پار لگائے۔ اللہ پاک نے اس کام کے لئے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کو منتخب فرمایا۔ آپ مسلمانوں کے سب سے بڑے محسن ہیں کہ برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کے دینی تشخص کو برقرار رکھنے کے لئے آپ نے عظیم درسگاہ دارالعلوم دیوبند قائم کیا۔

تحریک آزادی میں انگریزوں سے نبرد آزما ہوئے اور عیسائیوں اور ہندوؤں سے علمی مناظرے کر کے اسلام کی حقانیت کو ثابت کیا۔ مولانا ان ہی خوبیوں کی وجہ سے اشد ضرورت تھی کہ مولانا کی دینی و علمی خدمات پر ایک تحقیقی مقالہ قلم بند کیا جائے۔ چنانچہ میں نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ کے لئے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کا انتخاب کیا۔ اس سلسلہ میں محترم جناب پروفیسر ڈاکٹر عبدالرشید صاحب سے مشورہ کیا تو آپ نے میری اس رائے سے مکمل اتفاق کیا۔ میں نے ''مولانا محمد قاسم نانوتوی کی دینی و علمی خدمات کا تحقیقی مطالعہ'' کے عنوان سے ایک خطہ یونیورسٹی کی مجلس علمی میں ابتدائی منظوری کے لئے پیش کیا۔ جو منظور کر لیا گیا اور محترم جناب پروفیسر ڈاکٹر عبدالرشید صاحب کو میرا نگران مقرر کیا گیا۔ آپ کی رہنمائی اور نگرانی پر اپنے مقالہ کی جو ترتیب میں نے قائم کی ہے وہ کچھ اس طرح ہے۔ میرا یہ مقالہ ایک مقدمہ چھ ابواب اور خاتمہ پر مشتمل ہے۔

مقدمہ:

اس میں اس موضوع پر مقالہ لکھنے کی وجہ اور ضرورت و اہمیت کو ذکر کیا ہے۔

باب اول: مولانا قاسم نانوتوی کے حالات زندگی کا تحقیقی مطالعہ:

اس باب میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے خاندان کا تذکرہ آپکی پیدائش ابتدائی تعلیم و تربیت

قرآن وحدیث کی تعلیم کی تکمیل کو بیان کرنے کے بعد آپکی تدریسی خدمات کا ذکر ہے تصوف میں آپ نے کن اکابرین سے کسب فیض کیا اسکو ذکر کرنے کے بعد آپ کی اہم علمی ودینی خدمات کا تذکرہ ہے۔

تحریک آزادی میں آپ کے کردار کو واضح کیا گیا۔ آپ کے سفر حج کو بیان کیا ہے آپکی تدریسی خدمات کو بھی اسی باب میں ذکر کیا ہے مذاہب کانفرنس میں آپکی شرکت اور میرٹھ دورکی میں آپکی دفاعی خدمات کا تذکرہ بھی اسی باب میں ہے اس باب کے مطالعہ سے اجمالی طور پر مولانا کی زندگی کے ہر پہلو سے واقف ہوجاتا ہے۔

باب دوم: مولانا محمد قاسم نانوتوی کے ہم عصر علماء:

انسان کی شناخت اور پہچان اسکے معاصرین سے ہوتی ہے۔ کہ وہ کس درجہ کے لوگ ہیں اور ان میں اسکا کیا مرتبہ ہے اس لئے میں نے اس باب پر اختصار کے ساتھ مولانا کے چند مشہور معاصرین کا تذکرہ کیا ہے جن میں حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی، مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی اور مولانا محمد مظہر نانوتوی کے علاوہ چند دیگر معاصرین کے سے تھوڑا بہت واقف ہوجائے۔

باب سوم: تصانیف مولانا محمد قاسم نانوتوی:

اس باب میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی چند تصانیف کا تعارف پیش کیا گیا ہے مولانا کی تصانیف کا مکمل تعارف پیش کرنے کے لیے تو ایک عظیم دفتر بھی ناکافی ہے یہاں انتہائی اختصار کے ساتھ تعارف پیش کیا گیا ہے کہ مالا یدرک کلہ لایترک کلہ کا مصداق ہوجائے آخر میں مولانا کی کتابوں کا ایک جدول بھی پیش کردیا ہے تاکہ اگر کوئی مولانا پر مزید تحقیقی کام کرنا چاہے تو یہ اس کے لیے مشعل راہ ہو۔

باب چہارم: حضرت مولانا قاسم نانوتوی کا کارنامہ بنائے دارالعلوم:

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی تصنیفی وتالیفی خدمات ہوں یا اصلاحی وتبلیغی خدمات سب کا دائرہ کار انتہائی وسیع ہے لیکن آپ کا سب سے بڑا کارنامہ جامعہ دارالعلوم دیوبند کا قیام ہے کہ اسکی وجہ سے برصغیر ہندوپاک قرآن وحدیث کا علم محفوظ رہا اس ادارے سے تعلیم حاصل کرنے والے حضرات نے ہر میدان میں گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ اورعلوم دینیہ کو نہ صرف برصغیر ہندوپاک میں ہرجگہ پہچایا بلکہ یورپ، امریکہ، افریقہ، برطانیہ، سعودی عرب، کینڈا، جاپان، فرانس غرض دنیا کے کونے کونے پہچایا۔ اور ساری دنیا میں دارالعلوم کے فارغین نے اسی طرز پر ہزاروں مدارس قائم کیئے۔ اس لئے میں نے اس باب کو تفصیل سے لکھا ہے اور اس کو چار فصولوں میں تقسیم کردیا ہے۔

فصل اول۔ قیام دارالعلوم اوراسکا پس منظر:

اس فصل میں بتایا گیا ہے کہ اس مدرسہ کے قیام کی ضرورت کیوں پیش آئی۔ اور قیام مدرسہ کے وقت ہندوستان میں کیا حالت تھی کن ناساعد حالات میں یہ مدرسہ قائم کیا گیا ابتداء میں کیا مشکلات پیش آئیں۔ سب سے پہلا مدرس کون تھا پہلا شاگرد کون تھا سب سے پہلے کن لوگوں نے سند فراغت حاصل کی۔ مدرسہ کی ابتدائی تعمیر کہاں اور کیسی تھی۔ اور دارالعلوم دیوبند کیا اصول ومقاصد کیا ہیں وغیرہ وغیرہ۔

فصل۔ دوم نصاب ونظام تعلیم:

اس فصل میں دارالعلوم دیوبند میں پڑھائے جانے نصاب کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے کہ وہ کتنے سال پر مشتمل ہے اور اس میں کیا کتابیں پڑھائی جاتی ہیں دورہ حدیث تک تعلیم کتنے عرصہ پر مکمل ہوتی ہے

درجہ حفظ و ناظرہ کی تعلیم کے علاوہ ابتدائی اردو فارسی ریاضی وغیرہ کی تعلیم کا کیا نصاب ہے۔نیز یہ بھی بتایا گیا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کے اکابرین کو تین طبقات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

فصل سوم۔ خدمات دارالعلوم دیوبند کا ایک محققانہ جائزہ:

اس فصل میں دارالعلوم دیوبند کی علمی سیاسی فکری اصلاحی خدمات کو تفصیل سے ذکر کیا ہے مدارس کا قیام کا مقصد، دارالعلوم کا سیاسی نظریہ، مدرسہ عربیہ سے دارالعلوم تک کے حالات، دارالعلوم کی علمی و تصنیفی خدمات کا تذکرہ، تحریکات میں دارالعلوم کا کردار، فتنوں کے سدباب۔دارالعلوم کی کاوشوں، اور دارالعلوم کے عالمی روابط کا تذکرہ کیا ہے۔

فصل چہارم۔ دارالعلوم دیوبند ایک ادارہ ایک تحریک:

اس فصل میں اس بات کو واضح کیا ہے کہ دارالعلوم دیوبند صرف ایک ادارہ ہی نہیں بلکہ وہ عظیم تحریک ہے جس نے ہر میدان میں اپنے جھنڈے گاڑ ے ہیں اور جہاد دانگ عالم میں علوم نبوی ﷺ کی روشنی کو پھیلانا ہے۔مولانا محمد الیاس کی تبلیغی خدمات بھی اصل میں دارالعلوم ہی کا فیض ہے۔ دین اسلام میں دارالعلوم کی طرز کے جو مدارس اسکے فضلا نے قائم کیے وہ ایک تحریک کی حیثیت رکھتے ہیں عربی، اردو، فارسی ہر زبان میں دارلعلوم کا فیض جاری ہے۔اکابرین دارالعلوم دیوبند صرف پڑھنے اور پڑھانے تک محدود ہی نہیں رہے بلکہ تحریک ریشمی رومال ہو یا جنگ بلیقان یا تحریک خلافت یا تحریک پاکستان ہو ہر آپکو دارالعلوم دیوبند کے فضلا بر سر بیکار نظر نہیں آئیں گے جہاد بالسیف ہو یا جہاد بالقلم فضلائے دارالعلوم ہر جگہ صف اول میں نظر آتے ہیں میدان صحافت ہو یا میدان جنگ، درسگاہ ہو یا خانقاہ، ہر جگہ فضلائے دارالعلوم ایک تحریک

کی صورت پر جلوہ فروز ہیں اس فصل میں اسی بات کو تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

باب پنجم: مولانا محمد قاسم نانوتوی کی خدمات تصوف:

مولانا محمد قاسم نانوتوی مصنف، محقق، مدرس، مناظر، مجاہد اور عالم ہی نہیں تھے بلکہ میدان تصوف میں بھی آپ کو درجہ کمال حاصل تھا۔ اس زمانہ کے مشہور صوفیائے سے آپ نے سیکھا۔ جن میں حضرت مولانا مظہر حسین کاندھلوی اور شیخ العرب والعجم مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ یہ حضرات اپنے فن کے امام تھے مولانا قاسم صاحب نے ان حضرات سے فن تصوف میں بھی کمال حاصل کیا۔

باب ششم: مناظرات مولانا محمد قاسم نانوتوی:

اشاعت اسلام کے لئے علماء نے جو خدمات سرانجام دی ہیں ان میں درس وتدریس، تصنیف وتالیف کے ساتھ باطل فرقان کے اہل علم سے مناظروت کا بھی ایک عظیم سلسلہ ہے۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی اس میدان میں بھی سب سے آگئے نظر آتے ہیں۔ عیسائی پادری ہوں یا ہندو پنڈت آپ ان کے ساتھ مناظروں میں برسر بیکار نظر آتے ہیں کبھی شیعوں سے مناظرہ ہو رہا ہے اور کبھی ہندوؤں اور عیسائیوں سے۔ آپ دلائل عقلیہ نقلیہ سے اسلام کی حقانیت کو ثابت فرماتے اور دشمنوں کے دانت کھٹے کر دیتے حتی کہ بارہا ایسا ہوا کہ مولانا کا نام ہی سنکر بڑے بڑے عیسائی پادری اور ہندو پنڈت میدان سے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں اس باب میں میں نے ایسے ہی مناظروں کا ذکر کیا ہے۔ یہ میرے مقالہ کا آخری باب ہے اس کے بعد میں نے مولانا قاسم نانوتوی کی تحریر کے چند عکوس اور چند کتابوں کے ٹائیٹل کا عکس بھی لگا دیا ہے آخر میں کتابیات کے عنوان سے Biblio gsafhy ذکر کی گئی ہے۔

اس مقالہ کی تیاری میں جن حباب نے میرے ساتھ خصوصی تعاون کیا میں انکا شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔سب سے پہلے میں اپنے نگران پروفیسر ڈاکٹر عبدالرشید صاحب رئیس کلیہ معارف اسلامیہ جامعہ کراچی کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ ڈاکٹر صاحب نے صرف یہ کہ مجھے اس کام کے کرنے پر آمادہ کیا بلکہ اس مقالہ کی ترتیب اور فصول کے قائم کرنے میں میری مکمل راہنمائی فرمائی۔ڈاکٹر صاحب کی خصوصی توجہ اور عنایت ہی کی وجہ سے میں اس مقالہ کو مکمل کرنے میں کامیاب ہوا۔ڈاکٹر صاحب نے میرے اس مقالہ کو از اول تا آخر مکمل طور پر پڑھا۔اور جگہ جگہ علیکر مشوروں سے نوازا۔آپکی راہنمائی میں میں نے ان مقامات میں تغیر وتبدیل کیا میری دعا ہے کہ اللہ تعالی نے ان کو اسکی جزائے خیر عطا فرمائے۔آمین

میں اپنے برادر عزیز مولانا ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی استاد جامعہ دارالعلوم اسلامیہ لاہور کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ عزیزم مسلمہ نے اپنی مصروفیتوں کے باوجود اس سلسلہ میں اصل مراجع تک پہنچنے میں میری راہنمائی فرمائی۔اور بہت مفید معلومات مجھے بہم پہنچائیں میری دعا ہے کہ اللہ تعالی نے ان کو مزید علمی ترقیات سے سرفراز فرمائے۔آمین

اس سلسلہ میں ان تمام اکابر علماء اور لائبریرین حضرات کا بھی میں تہہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے کسی قسم کی بھی معلومات مجھے بہم پہنچائیں ۔ اللہ تعالی ان سب حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔آمین

میری اس خدمت کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔آمین

محمد اسعد تھانوی

امیدوار برائے پی۔ایچ۔ڈی

شعبہ القرآن والسنۃ

کلیہ معارف اسلامیہ جامعہ کراچی

باب اول:

مولانا محمد قاسم نانوتوی کے حالات زندگی کا تحقیقی مطالعہ

باب اول:

ابتدائی حالات اور تعلیم وتربیت

عہد ساز شخصیت:

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی ذات گرامی اپنے عہد کی ممتاز ترین اور تاریخ ساز شخصیت تھی۔ جب انکی ولادت ہوئی تو ہندوستان میں مسلمانوں کا سات سو سالہ حاکمانہ اقتدار عالم نزع کی کیفیت میں تھا۔ ایسٹ انڈیا کی مٹھی بھر فوج نے سارے ہندوستان میں غارت گری ڈال رکھی تھی۔

مغل سلطنت کے خاتمہ کے بعد اسلام دشمن تحریکیں عیسائیت، شیعیت اور ہندومت کی شکل میں ڈرے سہمے مسلمانوں کو اپنے جال میں پھانس لینے کی منظم اور بھرپور کوششوں میں مصروف تھیں۔ ان حالات میں حضرت نانوتوی ہی کی شخصیت تھی جنھوں نے مسلمانوں کو سنبھالا دیا۔ اور اسلام کے دفاع اور تحفظ کو یقینی بنایا آپ نے اپنی بے پناہ علمی صلاحیتوں، اپنے بہادرانہ عزائم اور اپنے خلوص وللّٰہیت، ورع وتقویٰ، سادگی وشرافت کے ذریعے اسلام کے خلاف ہونے والی ہر سازش کو ناکام بنایا۔ آپ نے اسلامی معاشرے میں پیدا ہونے والی بدعات وخرافات کا خاتمہ کیا اور اسلامی زندگی کا صحیح عملی نمونہ پیش کیا۔ اور دارالعلوم دیوبند کی صورت میں ایک مینارہ نور قائم کر کے صحیح اسلامی فکر کی حفاظت کا انتظام فرمایا۔

ایسی قابل قدر شخصیات نہ کبھی فناء ہوتی ہیں اور نہ ہی ان کے روشن اور تابندہ کارناموں سے انکار کیا جاسکتا ہے۔ بلکہ تاریخ کے اوراق اور لوگوں کے سینوں میں ان کی یاد ہمیشہ باقی رہتی ہے۔

وطن:

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا وطن قصبہ نانوتہ ہے جو ضلع سہارنپور میں واقع ہے۔ قصبہ نانوتہ دہلی سے شمال کی جانب ۶۰ میل گنگوہ سے مشرق کی طرف ۹ میل۔ سہارنپور سے جانب جنوب ۱۵ میل اور دیوبند سے مغربی سمت میں ۱۲ میل کی مسافت پر ہے۔

نانوتہ ایک چھوٹا سا قصبہ تھا لیکن علم وفضل، رشد وہدایت، تصوف وطریقت کی فضاء عام تھی۔ اکابر علماء مشائخ کی یہاں برابر آمد ورفت جاری تھی۔ سید احمد شہید اپنی تحریک اصلاح کے سلسلہ میں گنگوہ۔ تھانہ بھون اور نانوتہ تشریف لائے تھے۔

مشہور شیخ طریقت حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کا اصل وطن تو تھانہ بھون تھا مگر نانوتہ میں ان کی عزیز داری تھی۔ آپ کی ایک بہن بھی نانوتہ میں بیاہی تھیں۔ اس لیے آپ بھی اکثر نانوتہ تشریف لایا کرتے تھے۔

ان عوامل کیوجہ سے نانوتہ کی فضاء میں دینی شعور، تصوف وسلوک جوش جہاد کے رجحانات پوری قوت کے ساتھ موجود تھے۔ اس ماحول میں حضرت نانوتوی کی ولادت ہوئی۔ (۱)

خاندان:

حضرت نانوتویؒ کا سلسلہ نسب محمد قاسم بن اسد علی بن غلام شاہ بن محمد بخش بن علاؤالدین بن محمد فتح محمد مفتی بن عبدالسمیع بن مولوی محمد ہاشم ۴۴ واسطوں سے سیدنا ابوبکر صدیقؓ سے ملتا ہے۔ اس اعتبار سے آپ صدیقی ہیں۔ یہاں کے صدیقی شیوخ کے مورث اعلیٰ مولوی محمد ہاشم ہیں جو شاہجہاں کے عہد حکومت میں بلخ سے ہندوستان آئے اور قصبہ نانوتہ کو اپنا وطن بنایا۔ ہندوستان میں ضلع سہارنپور کے قصبہ نانوتہ میں شعبان

یا رمضان المبارک ۱۲۴۸ھ میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام خورشید حسین تھا۔ قصبہ نانوتہ دیوبند سے بارہ کوس مغرب میں سہارنپور سے پندرہ کوس جنوب میں اور گنگوہ سے نوکوس مشرق میں اور دہلی سے ساٹھ کوس شمال میں واقع ہے۔

ابتدائی کتابیں مولانا مہتاب علی صاحب سے دیوبند میں ان کے مکتب میں پڑھیں اس کے بعد سہارنپور تشریف لے گئے۔ اور مولانا محمد نواز سہارنپوری سے فارسی اور عربی کی کچھ کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد ذوالحجہ ۱۲۵۵ھ میں دھلی روانہ ہوئے حضرت مولانا مملوک العلی صاحب سے نانوتوی سے کافیہ شروع کی اور فلسفہ اور معقول کی کتابیں صدرا لشمیس بازغہ سے میرزاہد اور قاضی وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ مولانا خورشید احمد گنگوہی دونوں نے دورہ حدیث شریف حضرت شاہ عبدالغنی صاحب سے پڑھا۔ اور اس کے بعد دونوں نے حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ سے بیعت کی اور سلوک شروع کیا۔

حضرت مولانا مملوک العلی صاحب ۱۱ ذالحجہ ۱۲۶۷ کو وفات پاگئے اور مولانا نانوتوی نے مطبع رحمدی میں مزدوری پر تصحیح کتب کا سلسلہ شروع کیا۔ حضرت والا نے دو سال رمضان المبارک میں قرآن مجید حفظ کیا۔ یعنی نصف ایک سال اور دوسرا نصف دوسرے سال مکمل کیا۔ (۲)

ولادت اور بچپن:

مولانا نانوتوی کی ولادت نانوتہ ضلع سہارنپور کے ایک معزز صدیقی خاندان میں ہوئی۔

تاریخ ولادت شعبان یا رمضان ۱۲۴۸ھ بمطابق جنوری ۱۸۳۳ء ہے آپکا تاریخی نام خورشید حسین رکھا گیا۔ آپکے والد کا نام شیخ اسد علی صدیقی تھا جو اس صدیقی خاندان کے مورث اعلی مولوی محمد ہاشم کی ساتویں پشت میں تھے۔

آپکے والدین:

آپکے والد شیخ اسد علی اگرچہ عالم نہیں تھے لیکن اس دور کے لحاظ سے تعلیم یافتہ تھے۔ اس دور میں فارسی زبان کا بہت رواج تھا اور سرکاری دفتروں اور محکموں میں فارسی زبان رائج تھی۔ اور فارسی کا منتہائے نصاب شاہنامہ فردوسی تھا۔ آپکے والد شیخ اسد علی کی تعلیم شاہنامہ تک تھی، آپکے والد نے ملازمت کے بجائے زراعت کو ترجیح دی اور کاشتکاری کو مستقل ذریعہ معاش بنایا، آپکی والدہ سہارنپور کے مشہور وکیل شیخ وجیہ الدین کی صاحبزادی تھیں آپکے نانا بہت رئیسانہ زندگی بسر کرتے تھے انہوں نے وکالت کو اپنا ذریعہ معاش بنا رکھا تھا۔ (۳)

ابتدائی تعلیم:

آپنے ابتدائی تعلیم نانوتہ میں حاصل کی۔ اور بہت کم عمری میں قرآن پاک ختم کیا۔ اسکے ساتھ ساتھ آپنے خوش نویسی بھی سیکھی۔ اپنے ساتھیوں میں بہت ممتاز شمار ہوتے تھے۔

دیوبند آمد:

آپنے فارسی کی ابتدائی تعلیم نانوتہ میں حاصل کی اور اسکے بعد نو سال کی عمر میں کچھ مصلحتوں کیوجہ سے آپکو دیوبند بھیج دیا گیا یہاں آپ شیخ کرامت حسین کے گھر قیام پذیر ہوئے۔ شیخ کرامت حسین آپکے خاندان کے ایک بزرگ تھے۔ انکا بہت عالیشان محل تھا جو اس وقت محلہ دیوان کے نام سے مشہور تھا۔ یہی شیخ کرامت حسین بعد میں مولانا نانوتویؒ کے خسر بھی ہوئے۔ شیخ کرامت حسین کی حویلی کے ایک حصہ میں دیوبند کے ایک عالم مولوی مہتاب علی طلبہ کو پڑھاتے تھے۔ حضرت نانوتوی نے یہاں آکر میزان، منشعب

وغیرہ پڑھنی شروع کیں۔اس دور میں فارسی کا نصاب کئی سالوں میں پورا ہوتا تھا مگر حضرت نانوتویؒ نے بہت جلد نصاب مکمل کرلیا۔آپکے استاد کو آپکی ذہانت پر بہت خوشی ہوئی۔ چنانچہ آپکے استاد آپکو ازراہ مذاق ''علم کی بکری'' کہا کرتے تھے۔(۴)

دیوبند سے سہارنپور:

آپنے دیوبند میں رہتے ہوئے نحو میر، پنج گنج، تک کتب پڑھی تھیں کہ اپکے گھر والوں نے فیصلہ کیا کہ آپکو سہارنپور اپنے نانا کے پاس بھیج دیا جائے۔ چنانچہ آپ سہارنپور اپنے نانا کے پاس چلے گئے اور ہدایۃ النحو وغیرہ کتب شروع کیں۔ آپ ایک سال سہارنپور میں رہے اور اسی دوران آپکے نانا کا انتقال ہوگیا۔ اسوجہ سے آپ واپس نانوتہ آگئے اس وقت آپکی عمر بارہ سال تھی۔

عربک کالج دہلی:

محرم ۱۲۶۰ھ مطابق ۱۸۴۴ء کو مولانا مملوک علی نانوتوی مولانا قاسم نانوتوی کو اپنے ہمراہ دہلی لے گئے اور انہیں اپنے بیٹے مولانا محمد یعقوب نانوتوی کے ہمراہ عربک کالج دہلی میں داخل کروادیا۔ یہ کالج۔ پہلے غازی الدین خاں کا مدرسہ کہلاتا تھا، جو کہ بیرون اجمیری گیٹ پر واقع تھا۔اس مدرسہ کے تمام اخراجات نواب غازی الدین خان پورے کرتے تھے۔ جب ایسٹ انڈیا کمپنی نے دہلی پر اپنا قبضہ جمایا تو ۱۸۲۵ء میں اسکو مدرسہ دہلی کا نام دے کر اپنی تحویل میں لے لیا۔اس کالج میں انگریزی اور عربی زبانوں کے الگ الگ شعبے تھے عربی شعبہ میں اسلامی علوم وفنون پڑھائے جاتے تھے اسلیئے مسلمانوں کا اونچا طبقہ اپنی اولاد کو عربی تعلیم کیلیئے اسی مدرسہ میں بھیجتا تھا۔ چنانچہ مولانا قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی اور سرسیّد احمد خان جیسے حضرات اسی کالج سے پڑھے تھے۔

مولانا قاسم نانوتویؒ کی شہرت:

مولانا قاسم نانوتویؒ کی ذات میں قدرت نے جو پوشیدہ صلاحتیں رکھی تھیں انکا ظہور اسی کالج سے ہوگیا طلبہ کے علاوہ اساتذہ کی مجالس میں بھی آپکی ذہانت کا تذکرہ ہونے لگا۔ مولانا مملوک علی صاحب جو کہ ایک انتہائی قابل استاد سمجھے جاتے تھے ایک مرتبہ طلبہ نے مولانا مملوک علی سے شکایت کی کہ یہ قاسم جب کتاب کی عبارت پڑھتے ہیں تو کچھ سمجھتے بھی ہیں یا نہیں۔ کیونکہ یہ عبارت پڑھتے وقت ترجمہ بہت کم کرتے ہیں جب کہیں کوئی پیراگراف ختم ہوتا ہے تو دو چار لفظ پڑھ کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ جس سے دوسرے طلبہ پریشان ہوتے ہیں کہ انکے پلّے کچھ نہیں پڑا، اس شکایت پر استاذ الکل مولانا مملوک علی صاحب نے فرمایا کہ میرے سامنے کوئی طالب علم بغیر کتاب سمجھے چل نہیں سکتا۔

علوم وفنون کی تکمیل:

مولانا نانوتوی نے تقریباً تمام علوم وفنون کی کتابیں مولانا مملوک علی سے پڑھی تھیں۔ البتہ چند کتب دہلی کے دوسرے اساتذہ سے بھی پڑھی تھیں۔ جن میں مولانا مفتی صدرالدین صاحب کا نام بھی شامل ہے جو کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کے مشہور تلمیذ اور انکے خاندان کے خاص عقیدت مندوں میں تھے۔

کالج سے علیحدگی:

حضرت نانوتویؒ نے تمام فنون کی کتابیں مولانا مملوک علی صاحب سے انکے گھر پر پڑھی تھیں لیکن آپکا نام کالج میں ہمیشہ شامل رہا۔ لیکن آخری سال آپ کالج کے امتحان میں شریک نہ ہوئے سب کو بہت حیرت تھی۔ کیونکہ سب کو یقین تھا کہ آپ کالج میں ٹاپ کرینگے۔ لیکن مولانا نانوتویؒ کا کہنا تھا کہ میں انگریزی

نظام کے تحت چلنے والے ادارے کی سند اور سٹرٹیفکیٹ کی رسوائی سے بچ گیا۔ آپ نے تعلیم دنیا کیلئے حاصل نہیں کی تھی، اسلئے آپکو کالج چھوڑنے کا قطعاً افسوس نہ تھا چنانچہ آپنے بالقصد امتحان چھوڑ کر کالج سے اپنا نام خارج کروالیا، عربک کالج سے آپکو ذہنی مناسبت نہ تھی اسلئے اس سے قطع تعلق کرلیا۔ علام وفنون کی تما کتابیں مکمل کر چکے تھے اسلئے امتحان میں شرکت کو ضروری نہ سمجھا۔(۵)

حدیث کی تعلیم:

علوم وفنون کی تعلیم کے بعد حدیث کی تعلیم کیلئے آپکی نظر شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی پر پڑی چنانچہ آپنے اور حضرت گنگوہی نے شاہ کے حلقہ درس میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا اور صحاح ستہ میں سے ابوداؤد کے علاوہ باقی کتابیں حضرت شاہ صاحب سے پڑھیں۔ اور ابوداؤد شاہ اسحاق صاحب کے شاگرد مولانا احمد علی محدث سہارنپوری سے پڑھی۔(۶)

بیعت وسلوک:

حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ جو کہ حضرت نانوتوی کے رشتہ دار بھی تھے۔ حضرت نانوتوی بچپن ہی سے حاجی صاحب سے مانوس تھے۔ یہی انس بعد میں عقیدت اور ارادت میں بدل گیا۔ یہ تفصیل تو نہیں ملتی کہ حضرت نانوتوی حاجی صاحب سے کب بیعت ہوئے؟ لیکن بیعت ہونا اور خلافت ملنے کی تصریح حتّٰی کہ حضرت نانوتوی کے متعلق سلوک ومعرفت کے بلند ترین منصب پر پہنچنے کی بشارت حاجی امداداللہ کی صاحب سے ضرور ملتی ہے حاصل یہ کہ حاجی امداداللہ کی باطنی توجہ نے حضرت نانوتویؒ کی باطنی کیفیات میں ایک عظیم انقلاب پیدا کیا۔

تعلیم سے فراغت اور ملازمت:

حضرت نانوتوی نے شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی سے دورہ حدیث ۱۲۶۵ھ بمطابق ۱۸۴۰ء میں مکمل کر کے فراغت حاصل کی اس وقت آپکی عمر ۱۷ سال تھی۔ فراغت کے بعد آپ نانوتہ واپس آئے اب مسئلہ معاش سامنے تھا۔ آپکے والد شیخ اسد علی کا ذریعہ معاش صرف زراعت تھی لہذا والد کی خواہش تھی کہ بیٹا کوئی ملازمت اختیار کرے لیکن مولانا نانوتویؒ کا رجحان ملازمت کی طرف نہ تھا ابتداء ہی سے سادگی آپکے مزاج کا حصہ بن چکی تھی اور تصوف وسلوک نے زندگی کا سانچہ ہی بدل دیا تھا۔ فنافی اللہ کے بلند رتبہ کی طرف ذہنی اور فکری پرواز جاری تھی ان حالات میں دنیا کمانے اور معاشی حالات کی سدھارنے کا خیال بھی آپکے ذہن میں نہ آتا تھا۔ چنانچہ انہی حالات میں آپ دہلی چلے گئے۔ جہاں آپکے استاد مولانا احمد علی صاحب موجود تھے اور دہلی میں اپنا ذاتی مطبع قائم کر چکے تھے آپ کے پیش نظر احادیث کی کتابوں کی اشاعت تھی۔ کیونکہ اس دور میں احادیث کی کتب بہت نایاب تھیں۔ اور مولانا احمد علی نے خود بھی صحاح ستہ کی کتابیں اپنے قلم سے نقل کر کے پڑھی تھیں۔ چنانچہ مولانا نانوتوی نے اپنے استاد مولانا احمد علی صاحب کے اس مطبع احمدی میں مصحح کے طور پر ملازمت شروع کر دی۔ اس مطبع کے ناشر مولانا احمد علی چونکہ خود بھی جلیل القدر محدث تھے لہذا جب صحیح بخاری کو طبع کرنے کا خیال ہوا تو آپنے یہ ضرورت محسوس کی کہ اس پر حواشی کا اضافہ بھی کر دیا جائی تاکہ اہل علم کو سہولت ہو، لہذا آپ نے خود ہی بخاری شریف پر حاشیہ لکھنا شروع کیا پچیس پارے تک آپ حاشیہ مکمل کر چکے تھے پھر بعض مصروفیتوں کیوفہ سے تحشیہ کا کام رک گیا۔ اس دوران مولانا نانوتوی آپکے مطبع سے وابستہ ہو گئے۔ حضرت نانوتوی کے کام اور انکی صلاحیتوں کو دیکھ کر مولانا احمد علی نے آپ پر اعتماد کیا اور بقیہ پانچ پاروں کے حاشیہ کا کام انکے سپرد کیا۔

قابل فخر کارنامہ:

مولانا نانوتوی نے اس نوجوانی کی عمر میں اس ذمہ داری کو قبول کیا اور بقیہ پانچ پاروں پر حاشیہ لکھنا شروع کر دیا۔ بعض لوگ جو حضرت نانوتوی کے کمالات سے ناواقف تھے انہوں نے مولوی احمد علی صاحب سے بطور اعتراض کہا تھا کہ آپنے یہ کام ایک نوآموز اور نوعمر عالم کو دے دیا۔ اس پر مولانا احمد علی نے فرمایا تھا کہیں می ایسا نادان نہیں ہوں کہ بغیر سوچے سمجھے ایسا کروں ۔ میں نے انکی صلاحیتوں کو دیکھ کر ایسا کیا ہے۔ چنانچہ آپنے پانچ پاروں کی تصحیح اور حاشیہ کے کام کو مکمل کیا اور کم عمری میں یہ عظیم کارنامہ سرانجام دیا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی:

مولانا نانوتوی کی عمر ۲۵ سال تھی، دہلی میں تصحیح کی ملازمت جاری تھی۔ انہی دنوں ایک مرتبہ جب آپ نانوتہ آئے تو آپنے سنا کہ میرٹھ میں فوجی بغاوت ہوگئی ہے فوجیوں کی بغاوت کی یہ خبر آناً فاناً پورے ملک میں پھیل گئی اور ہر جگہ انگریز حکومت کے خلاف طوفان کھڑا ہو گیا تھانہ بھون کے علاقے میں ایک جاگیردار خاندان کے دو بھائی قاضی عبدالرحیم اور قاضی عنایت علی تھے۔ قاضی عبد الرحیم ہاتھی خریدنے کے لیے سہارنپور گئے کسی نے انگریزی پولیس کو یہ خبر پہنچائی کہ تھانہ بھون میں بغاوت کی تیاریاں ہو رہی ہیں ہاتھی کی خریداری اسی بغاوت کا حصہ ہے۔ چناچہ پولیس نے قاضی عبدالرحیم کو گرفتار کیا اور بغیر کسی تحقیق کے پھانسی پر چڑھا دیا۔ اسکا ردّ عمل انکے بھائی قاضی عنایت علی پر بڑا سخت ہوا انہوں نے انگریزوں سے انتقام لینے کی قسم کھائی اور فوراً اپنے آدمیوں کو تیار کیا اور موقع کے منتظر رہے اور موقع پا کر فوجیوں کے ایک قافلے پر حملہ کر دیا جو سہارنپور سے کیرانہ جا رہا تھا۔ اس طرح اب تھانہ بھون بھی بغاوت کی لپیٹ میں آچکا تھا۔ (۷)

تھانہ بھون کی مجلس شوریٰ:

تھانہ بھون کے اس واقع کے بعد انگریزی پولیس بھی حرکت میں آ چکی تھی۔ اور تھانہ بھون کی اینٹ سے اینٹ بجا دینے کی خبریں اور افواہیں عام تھیں۔ ان حالات میں علماء اور مشائخ کی ایک مجلس شوریٰ تھانہ بھون میں بیٹھی۔ اس مجلس شوریٰ میں، مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، مولانا حافظ محمد ضامن شہید کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں اس مجلس میں یہ مسئلہ زیر بحث تھا کہ شرعی نقطہ نظر سے انگریزی حکومت کے خلاف اس جدوجہد میں شریک ہونا جائز ہے یا نہیں؟ اس سے قبل دہلی پر انگریز قابض ہو چکے تھے اور بہادر شاہ ظفر کی حکومت برائے نام ہی تھی۔ ہندوستان کی پوری آبادی کو زبردستی عیسائی بنانے کے فیصلہ لندن کی پارلیمنٹ کر چکی تھی اور عیسائیت کی تبلیغ کیلئے ہزاروں کی تعداد میں پادریوں کی فوج مسلمانوں کے دین وایمان پر حملہ آور تھی۔ اسی طرح شاہ عبد العزیز محدث دہلوی ہندوستان کے دارالحرب ہونے کا فتویٰ دے چکے تھے۔ اور سیّد احمد شہید اور مولانا شاہ اسماعیل شہید بھی تحریک جہاد حریّت کی بنیاد ڈال چکے تھے۔ ان تمام حالات کے تناظر میں مجلس شوریٰ نے جہاد کرنے کا فیصلہ کیا اور حاجی امداد اللہ کو امیر بنایا اور انکے ہاتھ پر سب نے بیعت کی۔ (۸)

معرکہ شاملی:

حضرت نانوتوی اور انکے رفقاء شاملی روانہ ہوئے جو تھانہ بھون سے چند میل کے فاصلے پر ہے۔ وہاں ایک قلعہ میں انگریزوں کی فوج مقیم تھی۔ جب مسلمانوں کا لشکر وہاں پہنچا تو دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں ایک جانب سرکار کے ملازم فوجی تھے اور دوسری طرف خدا کے نام پر جہاد کرنے والے جوش وجذبہ سے معمور مسلمان تھے دونوں طرف سے کچھ لوگ قتل ہوئے۔ حافظ محمد ضامن شہید اسی معرکہ میں شہید ہوئے۔ حضرت نانوتوی اور انکے رفقاء انگریزی فوج پر غالب آ گئے اور تحصیل پر قبضہ کرلیا انگریزی فوج کے

مخبروں نے شاملی پر حملہ کرنے والوں کے جو نام بتلائے تھے انمیں یہ تمام اکابر شامل تھے، انمیں سے مولانا رشید احمد گنگوہی کے علاوہ اور کوئی بھی گرفتار نہ ہوسکا۔ حاجی امداداللہ کسی طرح مکہ پہنچنے میں کامیاب ہوگئے حضرت نانوتویؒ کی گرفتاری کیلئے ہرطرف مخبر پھیلا دیئے گئے۔

چھتہ کی مسجد میں:

روپوشی کے ایام میں آپ دیوبند کے محلّہ دیوان میں تھے کہ پولیس کو مخبری ہوگئی۔آپ وہاں سے چھتہ کی مسجد میں چلے گئے۔ پولیس افسر مسجد میں پہنچا اس وقت مولانا نانوتوی مسجد میں ٹہل رہے تھے۔آپکی وضع قطع بہت سادہ تھی اسلیئے افسر آپکو پہچان نہ سکا۔ اور آپ سے خود سوال کیا کہ مولانا قاسم یہاں ہیں؟۔آپنے چندقدم ہٹ کر جواب دیا کہ ابھی تو یہیں تھے۔ حضرت نانوتوی اور پولیس کی یہ آنکھ مچولی تقریباً دوسال رہی اس دوران سکون کا لمحہ بسر نہ ہوا کہ کہیں بیٹھ کر کوئی علمی کام کرسکیں۔اس ءدوران اپکے رفیق خاص مولانا گنگوہی پر مقدمہ چلا،کبھی معلوم ہوتا کہ انہیں کالا پانی بھیج دیا ہے،کبھی افواہ ہوتی پھانسی ہوگئی ہے۔ان باتوں کو سن کر مولانا نانوتوی کے دل پر بہت اثر ہوا دوسری طرف آپکے مرشد حاجی امداداللہ صاحب بھی مکہ کی طرف سفر فرما گئے تھے ان تمام باتوں کیوجہ سے آپ بہت ذہنی کشمکش اور اضطراب میں تھے۔(۹)

حکومت کی تبدیلی اور عام معافی کا حکم:

۱۸۵۷ء کی جنگ سے پہلے ہندوستان پر عملاً ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت تھی اور اسی کے دور اقتدار میں انگریزوں نے مسلمانوں پر قیامت خیز ظلم وستم کیا تھا۔ اسکے بعد حکومت برطانیہ نے ہندوستان کی حکومت ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھ سے براہ راست اپنے ہاتھ میں لے لی تھی۔ اس وقت ملکہ وکٹوریہ کا دور حکومت تھا

اسکی جانب سے نومبر ۱۸۵۸ء کو تمام مجرموں کے لیے معافی کو اعلان کیا گیا۔ معافی کے اعلان کے بعد بھی یہ افواہ گرم تھی کہ جنکے جرم کم درجے کے ہیں یہ معافی صرف ان لوگوں کیلئے ہے اور سخت جرم والوں کو گرفتار بھی کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ چار سال تک یہ کیفیت رہی کہ مولانا نانوتوی کبھی نانوتہ اور کبھی دیوبند آکر نہیں رہے بلکہ مختلف جگہوں پر مقیم رہے۔

حج کا سفر:

مولانا نانوتوی نے ان تمام باتوں سے دلبرداشتہ ہوکر ہندوستان چھوڑنے کا ارادہ کیا، چونکہ آپکے مرشد حاجی امداداللہ مکہ مکرمہ گئے تھے۔ لہذا آپنے بھی حج کی نیّت سے مکہ مکرمہ جانے کا ارادہ کیا۔ آپنے بڑی رازداری سے یہ سفر فرمایا اس سفر میں آپکے ساتھ آپکے بچپن کے دوست مولانا یعقوب صاحب بھی تھے یہ سفر ۱۸۶۰ء کو شروع ہوا خشکی کے بجائے بادبانی کشتی کے ذریعے پنجاب پہنچے یہاں سے سندھ اور پھر آگے کراچی سے بادبانی جہاز کے ذریعے مکہ مکرمہ کیلئے روانہ ہوئے اور پورے چھ ماہ بعد یہ مکہ مکرمہ پہنچے۔ حج کی سعادت حاصل کرنے کے بعد بمبئی کے راستے واپسی ہوئی اور ۱۸۶۱ء میں واپس پہنچے گویا پورا ایک سال اس سفر میں صرف ہوا۔ سفر سے واپسی پر آپ سیدھے نانوتہ تشریف لائے کیونکہ اب ساری پابندیاں ختم ہوچکی تھیں اس عرصہ میں کچھ علماء نے آپ سے بخاری شریف پڑھنے کی درخواست کی آپنے اسے منظور فرمالیا۔ اور نانوتہ میں بخاری شریف کا درس شروع کیا مولانا محمد یعقوب نانوتوی نے اسی زمانہ میں آپ سے بخاری شریف پڑھی۔ (۱۰)

تصحیح کتب:

مولانا احمد علی سہارنپوری کا مطبع تو درہم برہم ہو چکا تھا حضرت نانوتوی کے ایک مخلص ارادت مند منشی ممتاز علی تھے انہوں نے میرٹھ میں اپنا ذاتی مطبع قائم کیا اور حضرت نانوتوی سے درخواست کی کہ اسے سنبھالیں۔ چنانچہ حضرت نانوتوی نے یہ کام سنبھالا۔ اسکے بعد کچھ اور جگہوں پر مطبع کی تصحیح کتب وغیرہ کا کام کیا۔ آپ میرٹھ میں ہی تھے کہ بعض اکابر کے ذہن میں دیوبند میں ایک مدرسہ کے قیام کا خیال آیا۔ آپکو میرٹھ میں ہی اسکی اطلاع دی گئی۔ میرٹھ کے قیام کے دوران آپ فارغ اوقات میں درس وتدریس دیا کرتے تھے۔

درس وتدریس:

جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ نانوتہ میں آپنے بخاری شریف کا درس شروع کر دیا تھا آپکے درس کی یہ خصوصیت تھی کہ طلبہ خود کھینچ کر چلے آتے تھے۔ آپنے ہر علم وفن کی کتابیں پڑھائیں۔ لیکن آپکا مسند درس کسی ایک جگہ نہ رہا۔ بلکہ حلقہ درس کبھی نانوتہ، کبھی دیوبند کی چھتہ کی مسجد، کبھی میرٹھ میں جہاں کچھ عرصہ قیام ہوا، اسباق شروع کرادیئے۔

مشہور تلامذہ:

آپکے شاگردوں میں بہت سے حضرات ایسے ہیں جو اپنے وقت کے روشن ستارے بنے۔ ان میں چند مشہور حضرات یہ ہیں۔

۱۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ:

شیخ الہند نے میرٹھ میں قیام کے دوران ہی آپ سے حدیث کی کتابیں پڑھی تھیں۔شیخ الہند ہندوستان کی تاریخ ساز شخصیت ہیں دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث۔تحریک ریشمی رومال کے بانی جوکہ اسیر مالٹاکےلقب سے مشہور ہوئے۔

۲۔ مولانافخرالحسن گنگوہی:

آپکا شمار مولانا نانوتوی کے مخصوص شاگردوں میں ہوتا ہے بہت ذی علم اوراعلی درجے کے مقرراور مناظر تھے بہت سی کتابیں حضرت نانوتوی سے پڑھیں ''میلہ خداشناسی'' کے مناظرہ میں حضرت نانوتوی کے ہمرکاب رہے۔آپ بہترین طبیب بھی تھے۔

۳۔ مولانااحمد حسن محدث لاہوری:

آپنے بھی قیام میرٹھ کے دوران حضرت نانوتوی سے حدیث کی کتابیں پڑھیں۔شیخ الہند کے ہم درس تھے حاجی امداداللہ مہاجرمکی سے بیعت کی بڑے جلیل القدر محدث تھے بہترین مناظر بھی تھے

۴۔ مولاناحکیم منصورعلی خان:

حضرت نانوتوی کے جاں نثارشاگردوں میں ہیں۔ابتدائی تعلیم مرادآباد میں حاصل کی مظاہرعلوم سہارنپور میں داخل ہوئے بعض احادیث کی کتابیں حضرت نانوتوی سے پڑھیں مدرسہ شاہی مرادآباد میں صدرمدرس رہے بعد میں عرصہ درازتک حیدرآباد میں رہے۔(۱۱)

دارالعلوم دیوبند کا قیام:

حضرت نانوتوی کو میرٹھ آئے ہوئے تقریبا تین سال ہوچکے تھے مطبع کے کام کے ساتھ ساتھ درس حدیث کا سلسلہ بھی جاری تھا اسی دوران آپکو یہ اطلاع ملی کہ دیوبند میں ایک عربی مدرسہ قائم کرنے کی تجویز پرعمل درآمد شروع ہوگیا ہے۔۱۸۵۷ء کے حادثے کے بعد مسلمانوں پرایک قیامت صغری ٹوٹی تھی

حکومت مسلمانوں کے ہاتھ سے جا چکی تھی ۔ پہلے دستور یہ تھا کہ مسلمان رؤساء، جاگیردار اور نواب لوگ اپنے اپنے علاقوں میں اسلامی مدرسے قائم کرتے تھے اور انکے نام بڑی بڑی جاگیریں وقف کردیتے تھے جنکی آمدنی سے مدرسہ کے اخراجات پورے ہوئے تھے ۔لیکن اب یہ حال تھا کہ شہروں سے لے کر گاؤں تک جتنے مسلمان جاگیردار اور نواب تھے انمیں سے بعض کو انگریزوں نے پھانسی پر چڑھادیا تھا اور بقیہ کو کسی نہ کسی جرم میں ملوث کر کے ملزم قرار دیدیا تھا۔ اور انکی حویلیوں اور علاقوں کو کھنڈرات میں تبدیل کردیا تھا جسکا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ پہلے جتنے اسلامی مدارس تھے وہ یا تو کھنڈر بنادیے گئے اور یا انکی سرپرستی کرنے والوں کا وجود مٹا دیا گیا تھا۔ جسکی وجہ سے اسلامی تعلیم کا دروازہ بالکل بند ہو کر رہ گیا تھا ان حالات میں حضرت نانوتوی نے ایک دینی مدرسہ کے قیام کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا جس کے ذریعہ مسلمانوں کے دین کی حفاظت کی جاسکے اور دارالعلوم دیوبند کے قیام کے لیے مساعی شروع کردیں جس کا تفصیلی ذکر آگے مستقل باب میں آرہا ہے۔

مذاھب کانفرنس میں شرکت:

۱۲۹۳ھ اور ۱۲۹۴ھ میں میلہ خداشناسی (جس کو ''مذاہب کانفرنس'' کہا جاسکتا ہے) میں شرکت فرمائی ۔ ان دونوں کانفرنسوں میں مختلف مذاہب کے مبلغین، مناظرین، وکیل اور نمائندے شریک ہوئے تھے حضرتؒ نے بہ حیثیت وکیل اسلام ان جلسوں میں مباحثہ اور مناظرہ کر کے اور اپنی بہترین تقاریر کے ذریعے فرزندان توحید کا سرِ افتخار بلند کردیا۔ گفتگوئے مذہبی اور مباحثہ شاھجہاں پور میں ان دونوں جلسوں کی مفصل روئیداد موجود ہے، ان دونوں جلسوں کی کیفیت آخر میں قدرے تفصیل سے عرض کروں گا۔(۱۲)

میرٹھ اور رڑکی میں دفاعی خدمات:

اس سے اگلے سال پنڈت دیانند سرسوتی نے میرٹھ میں قیام کر کے اسلام اور قرآن پر اعتراضات کیے تو حضرت مولانا باوجود علالت کے وہاں تشریف لے گئے۔ اور بہت چاہا کہ پنڈت جی سے گفتگو کریں مگر انہوں نے گفتگو کا موقع نہیں دیا، وہ حضرت مولانا کے کامیاب مباحثے اور الہامی تقریروں کو دوسرے میلہ خداشناسی میں سن چکے تھے اور دیکھ چکے تھے، پھر رڑکی میں قیام کر کے پنڈت نے مشہور اعتراضات دہرائے اور برسرعام ان کو بیان کیا۔ حضرتؒ کو اطلاع ہوئی تو مع جماعت تلامزہ اور رفقاء، باوجود ضعف و نقاہت کے تشریف لے گئے اور دعوت مناظرہ دی وہاں بھی پنڈت جی نے دوبدو گفتگو مناسب نہ سمجھی۔ حضرت مولاناؒ نے رڑکی میں اپنے لائق اور فاضل شاگردوں کو حکم دیا کہ جو جو اعتراضات ہم تک پہنچے ہیں ان کے جوابات مختلف جگہوں پر کھڑے ہو کر دے جائیں۔ چنانچہ وہاں کئی دن قیام فرمایا۔ حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن صاحب صدیقی امروہیؒ رڑکی میں حضرتؒ کے ہمراہ تھے۔

حضرت قاسم العلومؒ نے ۱۲۹۳ھ اور ۱۲۹۴ھ کے کسی درمیانی وقفے میں قبلہ نما حجۃ الاسلام، اور انتصار الاسلام تین معرکۃ الارا کتابیں تحریر فرمائیں۔ حق یہ ہے کہ حضرتؒ نے مخالفین اسلام کے اس اعتراض کا کہ اسلام کعبہ پرستی کی تعلیم دیتا ہے۔ اتنا محققانہ، تشفی بخش اور مسکت جواب دیا ہے کہ کوئی انصاف پسند مخالف اس اعتراض کو قیامت تک پھر نہ دوہرا سکے گا۔

شیخ المشائخ حضرت حاجی صاحب سے وابستگی:

حضرت قاسم العلومؒ نے شیخ المشائخ حضرت امداداللہ مہاجر مکیؒ کے ہاتھ غالبا تعلیم سے فارغ ہو کر بیعت کی تھی مگر آپ کو اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کو بچپن ہی سے حضرت حاجی صاحب سے

واقفیت تھی۔ حضرت مولانا کے خاندان میں حضرت حاجیؒ کی ننھیال تھی دوسرے ان کی ہمشیرہ نانوتہ میں بیاہی گئی تھیں، ان سے ملنے کے لیے حضرت حاجیؒ صاحب جاتے رہتے تھے۔ حضرت مولانا محمد یعقوبؒ نے سوانح قاسمی میں تحریر فرمایا ہے کہ کتاب کی جزبندی (جلد سازی) ہم دونوں نے بچپن ہی میں حضرت حاجی صاحبؒ سے سیکھی تھی۔ اور ہم اپنی کتابوں کی جلد اپنے ہاتھ سے باندھ لیا کرتے تھے۔ اس وقت سے یہ ربط بڑھتا رہا بالآخر روحانی ارتباط قائم ہوا۔ وادی سلوک میں قدم رکھ کر تمام منازل کو طے کیا۔ اس سلسلے میں آپ نے جو کمالات حاصل کیے اس کا اندازہ خود پیرومرشد کی چند مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تحریروں سے ہوتا ہے۔ حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ کے بارے میں ضیاء القلوب میں جو تحریر فرمایا ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے۔

''اور جو شخص اس فقیر سے محبت، عقیدت اور ارادت رکھے مولوی رشید احمد سلمہ گنگوہی اور مولوی محمد قاسم سلمہ نانوتوی کو کہ تمام کمالات ظاہری و باطنی ان میں موجود ہیں، راقم کی جگہ سمجھے بلکہ مجھ سے فائق المدارج جانے اگرچہ ظاہری معاملہ برعکس ہو گیا کہ میں ان کی جگہ اور وہ میری جگہ ہو گئے اور ان کی صحبت کو غنیمت سمجھے کہ اس زمانے میں ایسے آدمی نایاب ہیں اور ان کی خدمت بابرکت سے فیضیاب ہوتا رہے، اور طریق سلوک جو اس رسالے میں لکھا گیا ہے ان کے سامنے حاصل کرے ان شاء اللہ تعالیٰ بے بہرہ نہیں رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی عمر میں برکت دے اور اپنی عرفانی سمتیں اور قربت کے کمالات سے مشرف کرے اور بڑے بڑے مرتبوں پر پہنچا دے اور ان کے نور ہدایت سے عالم کو منور کرے اور تا قیامت اپنے نبیؐ اور اسکے آل کے طفیل سے ان کے فیض کو جاری رکھے الخ (۱۳)

حیات قاسم العلومؒ کے تمام گوشوں پر غور کرنے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ہندوستان کے اندر ناساز گار ماحول میں ملت اسلامیہ کے لئے جو کام حضرت مولاناؒ نے کیے اور ان میں اتنی برکت ہوئی وہ نتیجہ ہے اخلاص وللّٰہیت کا، توکل و ایثار کا، اور ان کی تواضع کا۔ خدمت خلق کا جذبہ ان کی رگ رگ میں پیوستہ تھا، ان کے دل میں اسلام اور اہل اسلام کا خلوص و یقین ذاکر اللہ اور اتباع رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں درد تھا

یہ سب خوبیاں اور عقل میعاد میں حاصل ہوتی تھیں اول وہ ایک شیخ کامل کا دامن تھام کر ''پیش پائے کاملے پامال شو'' کا مصداق بنے، پھر فروغ ملت کے معاملے میں جو کچھ خدمات کیں ان میں برکات کا ظہور ہوا۔ ۲۴ سال خدمت اسلام اور رفاہ مسلمین کے کاموں میں صرف کرنے سے پہلے آٹھ نو سال تزکیہ نفس اور تصفیہ و قلب کے ذریعے خود کو سنوارنے میں صرف کئے۔ ہم وابستگان قاسمی کے لیے یہ ایک قابل تقلید نمونہ اور ناقابل فراموش سبق ہے۔

مولانا نانوتویؒ کا انداز بیعت و تلقین:

حضرت قاسم العلومؒ بیعت بہت کم فرماتے تھے انہوں نے اپنے اندر کے حالات و کیفیات کو اتنا چھپایا کہ آپ مریدین کی تعداد کم ملتی ہیں، نسبت باطنی میں حضرتؒ کے صرف ایک خلیفہ مجاز کا پتہ چل سکا ہے اور وہ حضرت مولانا حکیم محمد صدیق مراد آبادی تھے۔ آیئے اس موقع پر حضرت کے فیضی کلمات پڑھ لیجئے جو ۱۲۶۹ھ میں کسی جمعہ کے دن بمقام نانوتہ غالباً کسی کو بیعت کرتے وقت ارشاد فرمائے تھے۔ قطب الوقت حضرت مولانا حافظ عبدالغنی نے منشی فضل حق دیوبندی مرحوم کی بیاض سے ان کلمات کو ۱۳۰۲ھ میں نقل کیا تھا ان میں چند کلمات بطور تبرک یہاں لکھے جاتے ہیں۔ ان سے اندازہ ہوگا کہ حضرت کا انداز بیعت کیا تھا۔ اور وہ اپنے متوسلین میں کسی درجہ دین داری اور اخلاص دیکھنا چاہتے تھے۔

۱۔ اپنے آپ کو سب سے کم تر سمجھنا۔

۲۔ سارے تصوف کا خلاصہ دو چیزیں ہیں بقول شیخ سعدیؒ

یکے آنکہ برخویش خودبیں مباش   دوم آنکہ برغیر بدبیں مباش

۳۔ ذکر و اذکار سے مقصود محض محبت الٰہی ہے اور محبت الٰہی بدوں پیروی آنحضرت ﷺ کے پوری نہیں ہوسکتی کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کوئی بھی محبوب خدا نہیں اور ظاہر ہے کہ محبوب کا قول و فعل

محبوب ہوتا ہے۔

۴۔ کشف وکرامات سالک کے لیے کوئی ضروری یا عمدہ یا بہتر شے نہیں بلکہ کم تر درجہ ہے۔ نادان بچے کو شیرینی وغیرہ دے کر مکتب میں لے جاتے ہیں نہ مرد دانا کو۔

۵۔ ہر شے میں کسی قدر اللہ کے لیے نکالنا چاہیے۔

۶۔ جس ورد یا وظیفے کو شروع کرے اس پر مداومت چاہیے، خواہ قلیل ہو یا کثیر۔

۷۔ خدا تعالیٰ کا منشاء یوں معلوم ہوتا ہے کہ رات دن کا نصف عبادت میں صرف ہو اور نصف حوائج ضروریہ میں۔

۸۔ ایسی محفلوں اور مجلسوں میں جس میں ذکر خدا اور رسول نہ ہو نہیں بیٹھنا چاہیے۔ اکثر تنہا رہنا چاہیے۔

۹۔ حتی الوسع ہاتھ سے روپے سے پیسے سے مسلمانوں کے ساتھ سلوک کرنا چاہیے۔

۱۰۔ علماء وصلحاء کی صحبت اختیار کرنا چاہیے اور جہلاء سے پرہیز۔ (۱۴)

شاگردوں پر شفقت:

اپنے شاگردوں سے بڑی محبت اور ان پر بڑی شفقت فرماتے تھے۔ ان کو مکاتبت میں اونچے القاب سے یاد فرماتے تھے۔ حضرت مولانا حافظ عبدالرحمٰن صدیقی مفسر امروہی ؒ کے ذخیرہ مکتوبات میں سے ان کے صاحبزادہ مولانا عبدالمؤمن صدیقی زید مجدھم کے ذریعے حضرت قاسم العلومؒ کا ایک مکتوب گرامی حاصل ہوا ہے جو فارسی زبان میں ہے اور حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ کے نام ہے اس کے اول و آخر کا ترجمہ پیش کرتا ہوں اس سے اندازہ ہوگا کہ وہ اپنے شاگردوں پر کتنے شفیق تھے قرائن سے پتہ چلا رہا ہے کہ یہ مکتوب مبارک میرٹھ سے تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ محمد قاسم عفی اللہ عنہ عزیزم مولوی فخر

الحسن جعله الله کی خدمت میں اولاً سلام مسنون پیش کر کے گذارش کرتا ہوں کہ میرا حال ہر طرح سے بفضل الٰہی ٹھیک ہے البتہ آں عزیز کی مفارقت ملال حادثہ عظمیٰ ہے۔ بندہ کم ترین آں عزیز اور عزیزم مولوی احمد حسن (امروہی) کو مثل چشم و چراغ دیکھتا تھا۔ اپنا دست و پا سمجھتا تھا۔ نہیں سمجھتا تھا ایک روز مفارقت بھی آنے والی ہے۔ آں عزیز تو چلے گئے اب عزیزم مولوی احمد حسن کچھ عرصے بعد (فارغ ہوکر) چلے جائیں گے۔ پھر وہی ہم ہیں اور وہی گوشہ تنہائی۔ اس عرصے میں آں عزیزی کا جو خط پہنچا تو رنج پنہاں نمودار ہوگیا، اور (بلال جدائی توزہ) ہوگیا میرے بھائی مجبوری کی بات ہے اگر عسرت وافلاس آں عزیز کے اقارب کو درپیش نہ ہوتا غم جدائی تازہ جسکی وجہ سے آں عزیز نے ملازمت اختیار کی) تو میرا دل نہیں چاہتا تھا کہ آں عزیز کو جدا کروں، مگر جو پیش آئے بجز چارہ نہیں ہے۔ ہر چند کہ دور ہوں، مگر اگر عنایت احباب شامل حال ہے تو نزدیک ہوں۔ نسائی شریف ان شاء اللہ تعالیٰ پرسوں شنبہ کے دن شروع ہوگی میر زاھد موعامہ عرصہ ہوا ختم ہو گئے لیکن صحیح مسلم کے اسباق جو آخر سے باقی تھے اس اثنا میں پڑھے گئے اس کے بعد مولوی محمود حسن (دیوبندیؒ) مولانا احمد علی صاحب (سہارنپوریؒ) کے نسخہ نسائی کی تلاش میں جو کہ دوسرے نسخوں کے مقابلے میں صحیح ہے سہارنپور گئے تھے، اور وہاں سے دیوبند گئے، شاید دو روز وہاں مقیم رہ کر واپس آ گئے ہیں شرح چغمینی بھی شروع ہوگئی ہے اس کے چند ورق پڑھے جا چکے ہیں، چار پانچ دن ہوئے مولانا رشید احمد صاحب کا گنگوہ سے خط آیا تھا، اس میں ارقام فرمایا تھا کہ محمد ذکی ابن محمد تقی کا انتقال ہوگیا، انا للہ الخ، سب کی طرف سے خصوصاً مولوی محی الدین (رادآبادیؒ) کی طرف سے کہ انہون نے سلام لکھنے کو کہہ دیا ہے سلام قبول ہو، مولوی محمد ہاشم میرٹھی سلام کہتے ہیں..... جلد اپنے حال کی اطلاع دیں اس لئے کہ بخار اور دردسر کی شکایت جو لکھی تھی اس سے طبعیت کو پریشانی ہے۔

پہلا میلہ خدا شناسی:

۱۲۹۳ھ (مطابق ۱۸۵۶ء) میں پہلا میلہ خدا شناسی ہوا، جس میں حضرت قاسم العلومؒ نے شرکت فرمائی تمام مذاہب کے مناظرین و مبلغین اس میں جمع تھے مگر اصل مقابلہ عیسائیوں سے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں فتح مبین حاصل کرائی۔ بڑے بڑے فاضل عیسائیوں کے چھکے چھوٹ گئے، چاند پور میں جو شاہ جہاں پور سے پانچ تھے کوس پر ہے یہ میلہ ہوا منشی پیارے لعل کبیر پنتھی نے یہ میلہ قائم کیا تھا۔ حضرتؒ سے بھی شرکت کی استدعا ہے وہاں سے ہوئی تو نانوتہ سے پا پیادہ روانہ ہوئے۔ ایک شب قیام فرمایا۔ مظفر نگر اور میرٹھ میں بھی ایک ایک شب قیام رہا، بالآخر دہلی پہنچے، ۵ مئی کو ہمراہی مولانا سید ابوالمنصو رو دیگر افقاء تلامذہ دہلی سے روانہ ہو کر ۶ مئی کو بعد عصر شاھجہان پور پہنچے، وہاں حضرت مولانا اپنے آپ کو چھپاتے اور غیر معروف تاریخی نام خورشید بتاتے رہے، رات کو ایک سرائے میں قیام کر کے بعد نمازِ صبح پیدل چاند پور تشریف لے گئے۔ مدتِ مباحثہ دو روز تھی۔ مگر باصرار حضرت مولاناؒ۔ پادری نولس نے ایک دن اور بڑھانے کا وعدہ کر لیا تھا۔ کالے۔ گورے، ہندوستانی، انگلستانی تمام پادری اس مجمع میں موجود تھے تقریر کا وقت ۱۵ منٹ اور سوال و جواب کا ۱۰ منٹ مقرر ہوا۔ حضرت مولاناؒ نے بہت چاہا کہ مدت تقریر بڑھتا جائے مگر عیسائیوں نے نہ مانا، پادریوں کی ہر بات و بیجا شرائط کو حضرت نے مان لیا۔ اور نہایت تحمل اور اطمینان سے ان کی ہر ہر بات کا جواب دیا، ایک دن دوران تقریر میں ایک پادری نے جس کے گلے میں فوجی تمغہ تھا، حضرت مولانا کو غلط طریقے سے ٹوکا تو حضرت محدث امروہیؒ کو اس پر غصہ آ گیا، اور اچھی طرح اس کو ڈانٹا، حضرت مولانا نے اپنے فاضل شاگرد کے غصے کو یہ فرما کر روکا کہ "یہ آپ کو نہیں کہتے مجھے کہتے ہیں" بعد اختتام جلسہ وہی پادری صاحب جنہوں نے درمیان تقریر اختلاف کیا تھا ملنے آئے اور کہا میں ملنے آیا ہوں اب رخصت ہوتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا آپ نے بڑا کرم کیا اس کے بعد ان پادری صاحب نے کہا مولوی صاحب آپ کی تقریر نہایت عمدہ ہے جب اہل اسلام میلے سے روانہ ہوئے تو گاڑیوں کی قطار سے بیس قدم

پر ایک جوگی جارہا تھا اس کے معتقد اس کے ساتھ تھے حضرت مولاناؒ کی طرف اشارہ کر کے اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا جے مولبی (یہ مولوی) ہے اتفاقاً حضرت مولاناؒ کی نظر اس پر پڑ گئی اس نے سلام کیا حضرتؒ نے ہاتھ اٹھا کر جواب دیا وہ جوگی دوڑا اور گاڑی تھام کر حضرت مولاناؒ سے کہا تم نے بڑا کام کیا، حضرتؒ نے فرمایا، میں نے کیا کیا اللہ تعالیٰ نے کیا اس نے کہا کیا کہتے ہو؟ پھر جوگی نے چار انگلیوں سے اشارہ کر کے کہا جب تن نے بولی ماری (تقریر کی) تو ہم نے دیکھا، پادری کا اتنا سر پر (جسم) گھٹ گیا تھا حضرتؒ نے فرمایا تم کہاں تھے خیمے کے باہر تھے؟ جوگی نے کہا ہم بھی خیمے کے اندر تھے پھر حضرت نے فرمایا تمہارا نام کیا ہے جوگی نے کہا جانکی داس۔ بعد اختتام جلسہ مولوی عبدالوہاب ساکن بریلی نے پادری سے کیفیت جلسہ پوچھی، اس نے کہا کیا پوچھتے ہو، ہم کو بہت سے اس قسم کے جلسوں میں شامل ہونے کا اتفاق ہوا اور بہت سے عالموں سے اتفاق گفتگو ہوا، مگر نہ یہ تقریر اور نہ ایسا عالم دیکھا، ایک پتلا دبلا سا آدمی، معمولی سے کپڑے یہ بھی نہی معلوم ہوتو تھا کہ یہ کچھ عالم ہیں؟ ہم بھی کہتے تھے کہ یہ کیا بیان کریں گے یہ تو کچھ نہیں کہہ سکتے مگر وہ حق کہتے تھے پر اگر تقریر پر ایمان لایا کرتے تو اس شخص کی تقریر پر ایمان لے آئے۔ اگلے سال ۱۲۹۴ھ مطابق مارچ ۱۸۷۷ء میں دوسرا میلہ خداشناسی منعقد ہوا اس میں تمام مذاہب کے مناظر اور مبلغین موجود تھے اس سال علاوہ پادری نولس کے پادری واکر اور پادری اسکاٹ بھی تھے۔ ہنود میں پنڈت دیانند سرستی اور منشی اندرمن بھی آئے تھے پادری اسکاٹ کا معقول دانی میں بڑا شہرہ تھا مگر پھر بھی حضرتؒ کی گزشتہ سال کی فاتحانہ الہامی تقاریر سے تمام مذاہب کے نمائندے بالعموم اور پادری صاحبان مرعوب تھے اس وقت حضرت مولانا چاہتے تھے کہ گفتگو کا سلسلہ رواں سے رواں ہوتا کہ حقانیت اسلام کو واضح کرنے کا زیادہ موقع مل جائے گا تمام مذاہب کے وکلاء خصوصاً پادریوں نے کہا کہ ہم کو زیادہ فرصت نہیں ہے حضرت مولانا نے اس موقع پر فرمایا۔ یہ بات (کہ ہم کو زیادہ فرصت نہیں دو دن سے زیادہ نہیں ٹھہر سکتے) ہمارے کہنی کی تھی باوجود افلاس و بے سروسامانی قرض دام لے کر اپنی ضرورتوں پر خاک ڈال کر ایک مسافت دور دراز قطع کر کے

یہاں تک پہنچ جائیں اس پر یہ قول ہے کہ جب حسب دلخواہ فیصل نہ ہوجائے گا ہم نہ جائیں گے اور آپ صاحب تو اس کام کے وکیل ہیں، جانے میں کوئی وقت نہیں اس کے کیا معنی کہ آپ کو فرصت نہیں یہ عذر کرتے تو ہم کرتے۔ اس میلہ خداشناسی میں حضرت قاسم العلومؒ نے سیرت نبویؐ اور حقانیت اسلام پر عقلی ونقلی دلائل سے بحث فرمائی اور اپنی تقریر سے تمام مذاہب کے نمائندوں کو حیرت میں ڈال دیا۔ اس مرتبہ بھی نمایاں کامیابی ہوئی پادری اسکاٹ نے اختتام جلسہ کے بعد ایک صاحب سے کہا مولوی صاحب مولوی نہیں صوفی مولوی ہیں اور اس قسم کا علم اب اہل اسلام کے پاس نہیں اور یہ بھی اقرار کیا کہ کوئی شخص الہیات میں اہل اسلام کا ہم پلہ نہیں۔ (۱۵)

آخری سفر حج:

شوال ۱۲۹۴ھ میں آپ سفر حج کے لیے روانہ ہوئے۔ اس سفر میں اٹھارہ بیس علماء وفضلاء آپ کے ہمرکاب تھے۔ عجیب پر لطف سفر تھا مقامات متبرکہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ حج اور زیارات سے فراغت کے بعد ربیع الاول ۱۲۹۰ھ میں واپسی ہوئی جدہ ہی میں آپ کی طبیعت خراب ہوگئی۔ احباب ہو کو خیال ہوا کہ مقامات مقدسہ کی جدائی کا غم ہے نیز سفر میں پیدل بھی زیادہ چلے تھے شاید اس کی وجہ سے طبیعت ناساز ہے۔ جہاز میں بھی طبیعت خراب ہی رہی۔ بمبئی پہنچ کر بھی طبیعت خراب ہی تھی چند روز قیام کر کے وطن واپس ہونے کا ارادہ فرمایا طبیعت کچھ سنبھلی تو وطن واپس ہوئے کھانسی البتہ مسلسل تھی۔ اسی سال شعبان میں پنڈت دیانند سرسوتی نے رڑکی میں مسلمانوں پر کچھ اعتراضات کیے تو باوجود مرض کے آپ ان کے جوابات دینے کے لیے رڑکی تشریف لے گئے لیکن پنڈت آپ سے گفتگو کے لیے تیار نہ ہوا اور بہانے بنانے لگا۔ مولانا نے وہاں وعظ کہا اور پنڈت کے اعتراضات کے جوابات دیئے۔

پنڈت دیانند میرٹھ چلا گیا اور وہاں اسی قسم کی بکواس کی تو حضرت نے اس کے جوابات کے لیے

باوجود بیماری کے میرٹھ کا سفر کیا اور اپنی تقاریر پر اس کے جوابات دیے اسی دوران کئی مرتبہ آپ پر مرض کا حملہ ہوا دوا علاج بھی ہوتا رہا لیکن مسلسل سفر کی بے آرامی کی وجہ سے افاقہ نہ ہوا۔

مرض بڑھتا گیا جواب جوں دوا کی

آخری سفر اور مرض وفات ورحلت:

جناب مولانا احمد علی صاحب کو فالج ہو گیا تھا آپ ان کو دیکھنے کے لیے سہارنپور تشریف لے گئے۔ دو ہفتہ وہاں قیام فرمایا۔ وہاں آپ کو سانس کا دورہ ہوا ہر قسم کی دوا وغیرہ کرنے کے باوجود ضعف بڑھتا ہی گیا حتی کہ ۲ جمادی الاول ۱۲۹۷ھ کو آپ پر بے ہوشی طاری ہو گئی۔ نماز کے لیے کہا گیا تو سوائے اچھا کے کچھ نہ کہ سکے دو دن ایسی ہی کیفیت میں گذرے اور ۴ رجمادی الاولی ۱۲۹۷ھ بروز جمعرات ۱۵ر اپریل ۱۸۸۰ھ آپ نے جان جان آفریں کے سپرد فرمائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حکیم مشتاق احمد صاحب نے اپنی زمین کا کچھ حصہ اسی وقت قبرستان کے لیے وقف کر دیا۔ جس میں سب سے اول حضرت مولانا کی تدفین ہوئی۔ مغرب سے پہلے شہر سے باہر آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی۔ ایک جم غفیر نے نماز ادا کی اور بعد نماز مغرب آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی نے آپ کی تاریخ وفات اسی جملے میں ادا کی۔ ''ہائے خزانہ خوبی'' کو سپرد زمین کر دیا اور چلے آئے۔

پسماندگان میں تین بیٹے۔ تین بیٹیاں چھوڑیں۔ (۱) مولانا حافظ احمد (۲) محمد (۳) حافظ محمد ہاشم (۴) اکرام النساء (۵) رقیہ (۶) عائشہ۔ صاحبزادگان میں سے حافظ احمد دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مقرر ہوئے ان کے زمانے میں مدرسہ نے بہت ترقی کی پھر ان کے صاحبزادے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی نے دارالعلوم دیوبند کا اہتمام سنبھالا اور مدرسہ کو بام عروج پر پہنچایا۔ آج کل ان کے صاحبزادے دارالعلوم دیوبند کے ایک حصہ کے مہتمم ہیں۔

حضرت مولانا کے انتقال پر بہت سے لوگوں نے اشعار اور فقروں میں آپ کی تاریخ وفات نکالی ہے۔ حضرت مولانا یعقوب صاحب نے یہ تاریخ نکالی۔ ''کیا چراغ گل ہوا'' مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے اس جملہ میں تاریخ نکالی۔ ''وفات سرور عالم کا نمونہ ہے'' ایک قطعہ تاریخ بھی اس پر نظم کیا ہے۔ ابتدائی اشعار یہ ہیں۔

وہ غم ہے قاسم بزم ہدا کی رحلت کا — کہ جرعہ نوش الم جس سے ہر درد نہ ہے
یہ ایسا غم ہے کہ جس غم سے بزم عرفاں کا — مثال خم فلک جام واثر گو نہ ہے

اور آخری اشعار یہ ہیں۔

مگر مزار مقدس سے تیرے ایسے خوش خو — ترے فدائیوں کو صبر ایک گو نہ ہے
سرالم سے لکھی فضلی نے سنن وفات — وفات سرور عالم کا یہ نمونہ ہے

حواشی باب اول

۱۔ صفدر مولانا سرفراز خاں عبارات اکابر ص ۱۱۱

۲۔ گیلانی مولانا مناظر احسن سوانح قاسمی، ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۸۰ء

۳۔ صفدر مولانا سرفراز خاں بحوالہ عبارات اکابر ص ۱۱۲

۴۔ صدیقان نانوتہ ص ۴

۵۔ نورالحسن راشد، سوانح قاسمی ص ۲۸ مکتبہ سید احمد شہید

۶۔ آثار الصنادید ص ۱۷، باب چہارم

۷۔ محمد یعقوب مولانا بیاض یعقوبی دیو بند، شیخ الہند اکیڈمی ۱۹۴۵ء ص ۲۵

۸۔ نفیس الحسینی سید حضرت نانوتوی اپنے معاصر تذکرہ نگاروں کی نظر میں ص ۰۷

۹۔ دارالعلوم نمبر ص ۲۵

۱۰۔ تھانوی اشرف علی مولانا قصص الاکابر ملتان۔ تالیفات اشرفیہ ص ۲۰،

۱۱۔ محمد میاں سید، علماء ہند کا شاندار ماضی، ص ۲۲۰۔ ج ۳

۱۲۔ نانوتوی محمد قاسم مولانا روداد میلہ خداشناسی مطبع دیو بند ۱۹۶۵ء ص ۱۲

۱۳۔ تاریخ تصوف ص ۱۲۵

۱۴۔ تھانوی اشرف علی مولانا ارواح ثلاثہ۔ ملتان، تالیفات اشرفیہ ۱۹۸۲ء ص ۱۳۵

۱۵۔ نانوتوی محمد قاسم مولانا، روداد میلہ خداشناسی۔ دیو بند مطبع قاسمی ۱۹۶۵ء ص ۳ تا ۸

باب دوم:

مولانا محمد قاسم نانوتوی

کے ہم عصر علماء

باب دوم:

مولانا محمد قاسم نانوتوی کے ہم عصر علماء

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ

حضرتؒ کا خاندانی سلسلہ نسب:

حضرتؒ ماں اور باپ دونوں سلسلوں سے شریف النسب تھے اور آپ شیخ زادہ انصاری اور ایوبی النسل تھے۔ چنانچہ والد صاحب کی جانب سے خاندانی سلسلہ جس کو حضرت نے خود بیان فرمایا تھا وہ حضرت ابوایوب انصاریؓ تک پہنچتا ہے۔(۱)

حضرتؒ کا نسبی سلسلہ والدہ کی طرف سے گیارہویں پشت پر حضرت امام ربانی غوث صمدانی قطب العالم شیخ المشائخ عبدالقدوس گنگوہیؒ سے جاملتا ہے۔(۲)

پیدائش:

حضرت امام ربانی قدس سرہ نے ۶ ذیقعدہ ۱۲۴۴ھ کو بیوم دوشنبہ (بروز پیر) چاشت کے وقت اس عالم فانی میں قدم رکھا۔ ضلع سہارنپور قصبہ گنگوہ کے محلہ سرائے میں خانقاہ شیخ المشائخ مولانا عبدالقدوس گنگوہیؒ کے متصل مکان میں آپ کی پیدائش ہوئی۔ بروز پیر پیدائش میں غیر اختیاری طور پر سنت نبوی ﷺ کا شرف حاصل ہوا۔(۳)

شیخ ربانیؒ کا زمانہ طفولیت:

حق تعالیٰ شانہ نے علمائے زمانہ کے مقتداء بننے والے امام کو ابتداء ہی سے عادات حمیدہ اور خصائل پسندیدہ کے ساتھ سنوارا اور آراستہ فرمایا تھا۔ بچپن ہی سے آپ خدا ترس رحمدل، عابد، خوش خلق، متین و سنجیدہ، غیور و باحیاء، صابر و مستقل مزاج، حلیم و بردبار، مہذب و باادب، اور نہایت درجہ سلیم الطبع تھے۔ آپ کو ضد اور اصرار، ہٹ دھرمی وشرارت، چھچھورے پن اور بدتہذیبی اور غیر تربیت یافتہ بچوں کی عادتوں سے طبعاً نفرت تھی۔

آپ کا چھ سات سالہ عمر تک ناز پروردگی اور لاڈ پیار کا زمانہ اور آٹھویں سال یتیمی یعنی سرپرست و مربی کا سایہ سر سے اٹھ جانا جن عادات کو مقتضی ہے ان بدخصلتوں کا آپ میں نام ونشان بھی نہ تھا۔ ایام طفولیت میں حضرت مولانا رحمہ اللہ علیہ بخار میں مبتلا ہوئے اور مرض اس قدر بڑھا کہ کامل چار سال تک بخار نے پیچھا نہ چھوڑا۔ ایام مرض اور اثناء معالجہ میں طبیب نے صرف مونگ کی دال کو غذا کے طور پر استعمال کرنے کی اجازت دی اور باقی اشیاء سے پرہیز کرنے کو کہا۔ چنانچہ حضرتؒ نے اس طویل مدت تک مونگ کی دال پر ہی اکتفا فرمایا۔ اور کسی دوسری چیز کی خواہش ظاہر نہیں کی۔ یہ قصہ تو معمولی ہے مگر اس سے حضرت کی استقامت، زہد وتقویٰ، صبر وتحمل اور علو ہمت واستقلال کے ان بیش قیمت جواہرات کا پتہ لگتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے جسم خاکی میں ودیعت رکھے تھے۔

تعلیم وتربیت:

نوعمری ہی کے زمانے میں حضرت قدس سرہ نے فارسی کرنال میں اپنے ماموں مولوی محمد تقی صاحب مرحوم سے پڑھی۔ جو فارسی میں مسلم الثبوت استاد تھے۔ آپؒ ان (ماموں) کا بہت ادب کرتے تھے۔ آپ

بچپن ہی سے نہایت خوش الحان تھے مگر واہیات اشعار نہیں پڑھتے تھے۔ رفقاء واحباب کے زیادہ اصرار پر نظم خصوصاً قصہ ابراہیم بن ادھمؒ پڑھ کر سناتے اور جلسہ کو محظوظ فرماتے۔

علم فارسی سے فارغ ہونے کے بعد آپ کو عربی کا شوق ہوا۔ اور آپ نے ابتدائی صرف ونحو کی کتابیں جناب مولوی محمد بخش صاحب رامپوری سے پڑھیں۔

حضرت گنگوہیؒ اور حضرت نانوتویؒ کا زمانہ طالب علمی:

دہلی میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ حضرت مولانا مملوک علی صاحب کے پاس پڑھتے تھے۔ ان دونوں حضرات کو اللہ تعالیٰ نے کمال عقل اور فہم وفراست عطا فرمائی تھی۔ اس زمانے کے دیکھنے والے متفق اللسان ہیں کہ یہ دونوں حضرات انتہائی ذکاوت کے مالک تھے، میر زاہد، قاضی، صدرا، شمس بازغہ ایسے پڑھتے تھے جیسے حافظ منزل سناتا ہے۔

حدیث کا علم آپ نے زبدۃ الصلحاء مولانا شاہ عبدالغنی صاحب مہاجر مدنی سے حاصل کیا۔

حضرت نانوتویؒ اور گنگوہیؒ کا مناظرہ طالب علمی:

اکثر طالب علمی کے زمانے میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا آپس میں علمی مباحثہ ہوتا اور جانبین سے خوب نکتوں اور باریک بینیوں کی بوچھاڑ ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ ایسی ہی علمی بحث کو استاد نے سنا۔ اور فیصلہ کرتے ہوئے یوں فرمایا کہ قاسم ذہین آدمی ہے اپنی ذہانت سے قابو میں نہیں آتا ورنہ اس مسئلہ میں رشید احمد حق پر ہے۔

شادی کے بعد حفظ قرآن کا شوق:

نکاح کے بعد حضرت مولانا کو قرآن یاد کرنے کا شوق ہوا۔ اور اسقدر شوق بڑھا کہ سارا سارا دن قرآن پاک یاد کرتے۔ صرف نماز کے وقت قرآن پاک پر کپڑا ڈال کر نماز پڑھنے کے لیے تشریف لے جاتے اور پھر واپس آ کر تلاوت شروع کر دیتے۔ آخر اس لازوال دولت سے مالا مال ہوئے اور مبارک ماہ رمضان کی تراویح میں قرآن سنایا۔

سلوک وتحصیل طریقت:

حضرت امام ربانی مولانا گنگوہیؒ کا حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے ساتھ طالب علمی کے زمانے میں چار سال تک مرافقت ومعیت کے سبب اسقدر تعلق بڑھ گیا تھا کہ فلک علم کے دونوں شمس وقمر گویا یک جان دو قالب کا مظہر بنے ہوئے تھے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو جناب شیخ المشائخ قدوۃ العارفین حضرت حاجی امداداللہ شاہ صاحبؒ سے ربط ونسبت تھی۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی وساطت سے کئی مرتبہ حضرت گنگوہیؒ نے حضرت حاجی صاحبؒ کی زیارت بھی کی۔ پھر چونکہ حضرت حاجیؒ صاحب کے اخلاق کریمانہ اور زہد وتقویٰ سے آپؒ متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔ بالآخر امام ربانی قطب صمدانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ تھانہ بھون حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں تشریف لے گئے اور دو تین روز کے قیام کے بعد اعلیٰ حضرت حضرت حاجی صاحب کے ہاتھ پر بیعت فرمائی۔ اور اعلیٰ حضرت نے آپ کو دوازدہ تسبیحات تلقین فرمائیں۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا کردار:

۱۸۵۷ء میں ہندوستان پر سامراج (انگریز) کے ظالمانہ قبضہ کے خلاف پورے ہندوستان میں علم جہاد بلند ہوا۔ جس میں قطب صمدانی حضرت مولانا گنگوہیؒ نے بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

آپ نے اپنے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نور اللہ مرقدہ کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی، حضرت حاجی صاحبؒ کی سرکردگی میں علمائے امت کی ایک جماعت اس فریضہ عظمیٰ کی ادائیگی کے لیے کمر بستہ ہوگئی جس میں اکابر اہل علم مثلاً حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا فیض الحسن صاحب سہارنپوریؒ ان کے علاوہ اور بھی علماء کرام اور سرفروشان اسلام شامل تھے۔ (۴)

جہاد کے لیے جماعت بندی اور اس میں مولانا گنگوہیؒ کا کردار:

سب سے پہلے اس جماعت نے اپنے آپ کو منظم کیا اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب امام مقرر ہوئے۔ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب کو سپہ سالار افواج مقرر کیا گیا۔ اور قطب صمدانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ صاحب کو قاضی بنایا گیا اور شاملی سے اس جماعت نے جہاد کی ابتداء کی باوجود اس کے کہ ہتھیار کم تھے اور پرانی قسم کے تھے یہ سرفروشان اسلام تھانہ بھون اور اطراف پر حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوگئے اور انگریز کے ماتحت حکام کو وہاں سے نکال دیا۔ (۵)

توپ خانہ کی آمد اور مولانا گنگوہیؒ کی بہادری:

اس لشکر فدایان اسلام کو یہ خبر پہنچی کہ ایک توپ خانہ انگریز فوج کی سرکردگی میں سہارنپور سے شاملی لایا جارہا ہے تو اس پر سب کو تشویش ہوئی کہ کس طرح ان کا مقابلہ کیا جائے۔ چنانچہ حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا

کہ فکر مت کرو اللہ پر بھروسہ کرو۔(٦)

سڑک ایک باغ کے کنارے سے گزرتی تھی۔حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو تیس یا چالیس مجاہدین پر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نے افسر مقرر کر دیا تھا۔آپ اپنے ماتحتوں کو لے کر باغ میں چھپ گئے۔ اور سب کو حکم کیا کہ پہلے سے تیار رہو۔جب میں حکم دوں سب ایک دم فائر کرنا۔چنانچہ جب پلٹن (انگریزی فوج کا دستہ) مع توپ خانہ باغ کے سامنے پہنچی تو سب نے حکم ملنے پر ایک دم فائر کیا جس سے پلٹن گھبرا گئی کہ خدا جانے کس قدر آدمی یہاں چھپے ہوئے ہیں۔توپ خانہ چھوڑ کر سب بھاگ گئے۔حضرت مولانا گنگوہیؒ نے توپ خانہ کھینچ کر حضرت حاجی صاحب کی مسجد کے سامنے لاکر ڈال دیا۔آپ کے اس جراتمندانہ کردار سے لشکر کا حوصلہ بلند ہو گیا اس واقعہ سے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی فراست ذکاوت،فنون حربیہ کی مہارت اور معاملہ فہمی کی قابلیت آشکارا ہوتی ہے۔(٧)

پھر اس تحریک حریت نے آگے بڑھ کر مزید،علاقوں پر قبضہ کیا۔مگر جونہی اس تحریک کے روح رواں حافظ ضامن شہید ہوئے تو معاملہ بالکل ٹھنڈا پڑ گیا۔اس کے بعد ہندوستان کی آزادی کے لیے کوشاں دوسری تحریکیں بھی مغلوب ہو گئیں اور سرفروشان کی یہ تحریک حریت بھی بظاہراً مغلوب ہو گئی(٨) مگر اسی تحریک کے شرکاء نے بعد میں وہ کارنامے انجام دیے جن کی بدولت اسلامی تعلیم برصغیر ہی میں نہیں بلکہ اطراف عالم میں بھی دوبارہ سے روشن ہوئی۔اوران کارناموں کی بدولت ایسے ادارے تیار ہوئے جنہوں نے ہندوستان کو آزادی سے ہم کنار کیا۔جیسے دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور کا قیام۔

مولانا رشید احمد کے وارنٹ گرفتاری:

تحریک کے ناکام ہونے کے بعد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ روپوش ہو گئے۔سرکار کی طرف سے آپ پر غدار ہونے کا جرم عائد کیا گیا اور گرفتاری کے لیے وارنٹ جاری کیا گیا۔کچھ مدت روپوش رہنے کے

بعد آپ کو سرکاری فوج نے ۱۸۵۹ء میں گرفتار کرلیا۔ آپ کی گرفتاری پر آپ کے ماموں مولانا عبدالغنی صاحب اوران کے بیٹے مولانا ابونصر صاحب بہت رنجیدہ ہوئے۔ اورآپ کے پیچھے پیچھے پیادہ پا سہارنپور پہنچے اور ماموں نے یہ بات ٹھان لی کہ جب تک رشید احمد کو رہا نہ کروالوں گنگوہ واپس نہ جاؤں گا۔(۹) چنانچہ تقریباً چھ ماہ حوالات میں گزار کر جمادی الثانی ۱۲۷۶ء جنوری ۱۸۶۰ء میں رہا ہوئے۔(۱۰)

تدریس:

تھے ساقی میخانہ علم شہ ابرار ‏ ‏ ‏ ‏ اور ماہ تمام فلک دین عرب تھے

گنگوہ میں دربار حدیث نبوی کے ‏ ‏ ‏ ‏ سرتاج رشید احمد ذی شان وادب تھے

جیل سے رہائی کے بعد آپ نے اپنی پوری توجہ علوم دینیہ کی درس وتدریس کی طرف مبذول کی اور بقیہ ساری زندگی درس وتدریس میں گزاری۔

حضرت امام ربانی ہر وقت باوضوء رہتے تھے مگر درس کے وقت خصوصیت کے ساتھ اس کا اہتمام فرماتے تھے۔(۱۱) اور طلبہ کو بھی باوضو سبق پڑھنے کی تلقین کرتے تھے۔ آپ کا رویہ طلباء کے ساتھ انتہائی مشفقانہ ہوتا تھا۔ اور دوران سبق طلباء کی ملالت طبع پر کوئی قصہ وغیرہ سنا کر خوش طبعی پیدا کرتے مگر وہ قصہ بھی اپنے اندر پند ونصیحت اور علم وحکمت کا خزانہ رکھتا تھا۔ اثناء درس معرفت وتصوف پر بھی روشنی ڈالتے۔ اوراگر کسی طالب علم میں ضلال واضلال کا اندیشہ ہوتا تو اسے سبق سے محروم کردیتے تھے۔

اورامام ربانی صحاح ستہ میں سے سب سے پہلے عموماً ترمذی شریف شروع کرواتے تھے اور مالہ و ماعلیہ کی تحقیق کے ساتھ واضح تقریریں فرما کر طلبہ کے ذہن نشین کردیا کرتے تھے۔

آپ کی قوت اجتہادیہ، قابلیت استنباط، خوبی تطبیق وارتباط۔ جودت ذہن، اتقاف وعدالت حافظہ و

ثقاہت، تقدس وتبحر، فراست وہمہ دانی اور حلم ورفق محتاج بیان نہیں۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے تفقہ فی الدین کے کمال مراتب عطا فرمائے تھے کئی مسائل میں آپ نے باکمال فتاوی تحریر فرمائے جو آپ کی کمال فقاہت کی اظہر من الشمس دلیل ہیں۔

آپ نے اپنے فیوض سے بیش بہا مسلمانوں کو منور کیا آپ کے تلامذہ اور مریدین کی بہت لمبی فہرست ہے جس میں ہر ایک اپنی مثال آپ ہے۔

مرض وفات:

۱۳۲۳ھ جو حضرت کا سن وفات ہے اس کے شروع ہی سے آپ کا رنگ بدلہ ہوا تھا اور آپ کے محویت واستغراق اس درجہ تک بڑھ چکا تھا کہ بعض مرتبہ واقف کار متوسلین کو بھی آپ نہ پہچانتے تھے۔ اس سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ آپ دنیا کا ظاہری علاقہ بہت جلد چھوڑنے والے ہیں مگر افسوس کہ اس وقت کسی کو وسوسہ بھی نہ گزرا۔

۱۳۲۳ھ جمادی الاولیٰ کی بارہویں یا تیرہویں شب حضرت نوافل ادا فرما رہے تھے کہ کسی زہریلے جانور نے پاؤں کی انگلیوں کے نیچے سے کاٹا۔ مگر حضرت کو صلوۃ میں محویت کی وجہ سے احساس بھی نہ ہوا یہاں تک کہ صبح پتہ چلا جب پاؤں پر اور جانماز پر خون کے آثار دیکھے۔ پھر کسی نے کہا چوہے نے کاٹا۔ کسی نے کہا سانپ نے کاٹا، مگر حضرت نے فرمایا کہ مجھے نہ کسی کے کاٹنے کی اس وقت اطلاع ہوئی اور نہ ہی اب کوئی درد یا تکلیف ہے۔ (۱۲)

مگر اس واقعہ کے بعد حضرت پر ضعف وکمزوری غنودگی اور نوم کی حالت زیادہ طاری ہونی شروع ہوگئی علاج ومعالجہ کے باوجود آخر کار یہ شیخ الوقت مجاہد اسلام، مربی امت جمعہ کے دن اس دار فانی کو چھوڑ کر دار بقا کی طرف ہنستے مسکراتے ہوئے روانہ ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کا سن وفت ۱۳۲۳ھ بمطابق

اگست ۱۹۰۵ء ہے۔ جمعہ کے دن ساڑھے بارہ بجے آپ نے اس عالم فانی کو الوداع کہا۔ (۱۳)

حضرت گنگوہیؒ کے تلامذہ:

امام ربانی قدس سرہ کی اولاد روحانی کی تعداد بہت زیادہ تین سو سے زیادہ ہے علماء آپ سے کامل علم حاصل کرنے کے بعد آفاق عالم میں منتشر ہوئے اور آپ کے فیوض کو عالم اسلام میں پھیلایا۔ اور یہ علماء آپ کی باقیات صالحات کا بہت بڑا حصہ تھے جن کا فیض آج بھی جاری ہے۔ (۱۴)

آپ کے خلفاء:

اسی طرح آپ سے باطنی فیض حاصل کرنے والوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔ تیس سے زیادہ آپ کے خلفاء صاحب نسبت مشائخ طریق ہیں آپ کے اجل خلفاء اربعہ یہ تھے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمود حسن صاحب۔ مولانا عبدالرحیم صاحب۔ مولانا صدیق احمد صاحب۔ (۱۵

آپ کی تصنیفی خدمات:

امام ربانی قدس سرہ کی باقیات صالحات میں سے آپ کی وہ تصانیف بھی ہیں جو تحقیق مسائل شرعیہ اور احقاق مضامین اختلافیہ میں آپ کے قلم سے نکلیں اور مطبوع ہو کر اطراف عالم میں شائع ہوئیں۔ جن میں سے کچھ درج ذیل ہیں۔

تصفیۃ القلوب۔ امداد السلوک۔ ہدایۃ الشیعہ۔ زبدۃ المناسک۔ لطائف رشیدیہ۔ فتاویٰ میلاد وعرس وغیرہ۔

رسالہ تراویح۔ قطوف دانیہ۔ جمعہ فی القریٰ۔ ردالطغیان۔ احتیاط الظہر۔ ہدایۃ المعتدی۔ سبیل الرشاد۔

اسی طرح طریقت کے متعلق تقریباً ڈیڑھ سو خطوط جن کو حضرت کے ہاتھ کی لکھی ہوئی سوانح کہنا بجا ہے۔ بنام مکاتیب رشید طبع ہو گئے ہیں۔

اسی طرح آپ کے مذکورہ بالا مطبوعات کو ملا کر ایک ہی عنوان ''تالیفات رشیدیہ'' کے نام سے شائع کر دیا گیا ہے۔

شیخ العرب والعجم قطب العالم شیخ المشائخ قدۃ العارفین
مجاہد اسلام حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی نور اللہ مرقدہ

خاندان:

آپ کے والد کا نام امداد حسین تھا آپ نسباً فاروقی ہیں یعنی آپ کا سلسلہ نسب فاروق اعظمؓ تک پہنچتا ہے۔(١٦)

پیدائش:

١٢٣٣ھ۔١٨١٨ء میں آپ ''نانوتہ'' میں پیدا ہوئے۔اس وقت آپ کی والدہ آپ کے ننھیال میں تھیں۔(١٧)

ابتدائی تعلیم:

ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے وطن میں پائی جس کے متعلق خود حضرت حاجی صاحب فرماتے تھے کہ ہم نے ایک باب اور دیباچہ گلستان کا اور ایک باب بوستان کا اور کچھ مفید نامہ اور کچھ دستور المبتدی اور چند اوراق زلیخا کے پڑھے تھے۔اور حصن حصین حضرت قلندر صاحب سے پڑھی۔بعد میں شوق ورود و وظائف کا ہوا اور دہلی میں آکر حضرت نصیر الدین شاہ دہلوی سے بیعت کی (١٨)

عشق ومعرفت کی تعلیم:

ابتدائی تعلیم پانے کے بعد آپ دہلی تشریف لے گئے۔ دہلی کے بہت سے مکتبوں اور مدرسوں میں سے ایک حضرت مولانا نصیرالدین دہلوی کی درس گاہ بھی تھی جہاں علم ظاہر کے ساتھ عشق ومعرفت کا درس بھی دیا جاتا تھا۔ (۱۹) دہلی پہنچ کر حضرت حاجی صاحب نے شیخ المشائخ حضرت مولانا نصیرالدین دہلوی کے ہاتھ بیعت کی۔ جس کا تذکرہ آپ نے اپنے بیان میں کیا جس کے راوی مجددالملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ہیں۔ کہ حضرت حاجی صاحب نوراللہ مرقدہ نے فرمایا کہ ظاہر میں اول بیعت میری طریقہ نقشبندیہ میں حضرت نصیرالدین صاحب دہلوی سے ہوئی اور باطن میں بلاواسطہ خود رسول اللہ ﷺ سے اس طرح ہوئی کہ میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ ایک بلند جگہ پر رونق افروز ہیں۔ اور حضرت سید احمد شہید کا ہاتھ آپ کے دست مبارک میں ہے اور میں بھی اسی مکان میں بوجہ ادب کے دور کھڑا ہوں۔ حضرت سید صاحب نے میرا ہاتھ پکڑ کر حضور ﷺ کے ہاتھ میں دے دیا۔ (۲۰) مولانا نصیرالدین صاحب دہلوی سید احمد شہید صاحب کی درس گاہ معرفت وسیاست کے فاضل تھے۔ اور اب اس جھنڈے کو بلند کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ جو حضرت سید صاحب کی شہادت کے بعد سرنگوں ہو گیا تھا۔

حضرت حاجی صاحب ابھی درجہ وسطیٰ کی کتابیں پڑھ رہے تھے کہ حضرت مولانا نصیرالدین دہلوی کے جہادی قافلے نے اپنا کوچ شروع کر دیا۔ حضرت استاد وشیخ کے اس سفر نے دل ودماغ پر ایسا اثر کیا کہ کتابوں کی ورق گردانی بار معلوم ہونے لگی۔ البتہ احساس فطرت نے حضرت استاد کے پاک ومقدس جذبات سے جو سبق لیا وہ عمر بھر فراموش نہ ہوا۔

مکتب عشق کا دستور نرالا دیکھا   اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

چنانچہ آپ کے اس تعلق کو ابھی صرف پانچ سال ہی گزرے تھے کہ حضرت نصیرالدین دہلوی صاحب خالق حقیقی سے جا ملے۔ (۲۱)

سلسلہ چشتیہ میں حضرت کی بیعت:

شیخ المشائخ قدوۃ العارفین امام المجاہدین حضرت مولانا نصیر الدین دھلوی صاحب کی وفات کے بعد حضرت حاجی صاحب نے سلسلہ چشتیہ میں شیخ المشائخ حضرت میاں جی نور محمد صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اوراس کامکمل تذکرہ کچھ اس طرح ہے۔ (۲۲)

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہ حضرت مولانا عبدالغنی صاحب عظیم آبادی کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت حاجی صاحب نے خواب میں دیکھا کہ مجلس اعلی واقدس سرور عالم مرشد اتم ﷺ وعلی آلہ واصحابہ وازواجہ واتباعہ وسلم حاضر ہوں۔ غایت رعب سے قدم آگے نہیں بڑھتا ہے۔ کہ ناگاہ میرے جدامجد حضرت حاجی حافظ بلاقی صاحب تشریف لائے اور میرا ہاتھ پکڑ کر حضور نبوی ﷺ میں پہنچادیا اور آنحضرت ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر حوالہ ایک بزرگ کے کردیا۔ اوراس وقت تک بعالم ظاہر حضرت میاں جی نور محمد صاحب جھنجانوی سے ملاقات کبھی نہیں ہوئی تھی اور کسی طرح کا تعارف بھی نہیں تھا۔ حضرت حاجی صاحب بیان فرماتے ہیں کہ جب میں بیدار ہوا عجیب انتشار و حیرت میں مبتلا ہوا۔ کہ یارب یہ کون بزرگ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے میرا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دیا اور خود مجھ کو ان کے سپرد فرمایا۔ اسی طرح کشمکش کی حالت میں کئی سال گزر گئے۔ ایک دن حضرت استاذی مولانا محمد قلندر محدث جلال آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے میرے اضطرار کو دیکھ کر بکمال شفقت وعنایت فرمایا کہ تم کیوں پریشان ہوتے ہو موضع لوہاری یہاں سے قریب ہے، وہاں جاؤ اور حضرت میاں جی نور محمد صاحب سے ملاقات کرو شائد مقصود دلی کو پہنچو اوراس حیض بیض سے نجات پاؤ۔ چنانچہ میں نے فوراً پاپیادہ لوہاری کی راہ لی آستانہ شریف پر حاضر ہوا۔ اور جیسے ہی جمال باکمال جناب شان (حضرت میاں جی نور محمد صاحب) ملاحظہ کیا۔ صورت انور کو خواب میں دیکھا تھا، بخوبی پہچانا۔ اور محو وارفتگی ہو کر قدموں میں گر پڑا۔ حضرت میاں جی صاحب نے میرا سراٹھایا اور سینہ نور گنجینہ سے لگالیا۔ اور بکمال رحمت وعنایت فرمایا کہ تم کو اپنی خواب پر کامل وثوق ویقین

ہے۔ یہ حضرت میاں جی صاحب کی پہلی کرامت تھی۔ جس نے میرے دل میں ان کی محبت مستحکم کردی۔ (۲۳)

چنانچہ حضرت حاجی صاحبؒ نے سلسلہ چشتیہ میں شیخ المشائخ میاں جی نور محمد صاحب کی زیرتربیت رہ کر مراحل سلوک طے کیے اور خرقہ خلافت حاصل کی۔ (۲۴)

سید احمد شہید صاحب کا نمونہ:

آپ کی فطری صلاحیتوں کے متعلق حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کا بیان ہے۔ آپ کی طبیعت عالمہ رنگ کی نہ تھی امیر شہید (حضرت سید احمد شہید) سے ملتی جلتی طبیعت رکھتے تھے اس لیے وہ سید صاحب کا نمونہ تھے۔ (۲۵)

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں شیخ العرب والعجم کا کردار:

۱۲۶۰ھ میں حضرت حاجی صاحب پہلی مرتبہ حج کے لیے تشریف لے گئے تو حضرت مولانا شاہ اسحٰق صاحب نے حضرت حاجی صاحب کو تحریک کا لائحہ عمل اور پروگرام بتایا۔ حج سے واپسی پر حضرت حاجی صاحب نے اپنی توجہ اس امر عظیم کی طرف مبذول کی جس کا تذکرہ ذیل کی سطور میں تفصیلاً آئے گا۔ (۲۶)

پس جونہی حضرت حاجی صاحب کو دہلی کے انقلاب کی خبر پہنچی تو غور وخوض کا ایک اہم موضوع آپ کے سامنے آیا۔ جس کے لیے ہنگامی اجلاس ضروری تھا۔ چنانچہ حضرت مولانا قاسم نانوتوی کو نانوتہ سے، اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کو گنگوہ سے، حضرت مولانا یعقوب صاحب جو ان دنوں سہارنپور تھے ان کو سہارنپور سے طلب کیا گیا۔ پھر صلاح ومشورہ کے بعد یہ اصلاحی پارٹی جو اب تک ایک پارٹی کی حیثیت رکھتی

تھی اسے حکومت کی شکل دے دی گئی حضرت حاجی امداد اللہ صاحب امیر اور حضرت مولانا قاسم صاحب، حضرت مولانا رشید احمد صاحب، حضرت مولانا منیر احمد صاحب اور حافظ ضامن صاحب جیسے زعمآء واکابر کو فوج، حفاظت اور عدل وقانون وغیرہ کے شعبے سپرد کیے گئے۔ (٢٧)

اس وقت کے حالات کے بموجب دہلی میں ایک صالح نظام قائم ہوگیا تھا۔ علمائے امت اور رہنمایان ملت نے غور وخوض کے بعد جہاد کا فتویٰ صادر کردیا۔

شوریٰ کا اجلاس اور اقدام کا فیصلہ:

چنانچہ حالات کے پیش نظر حضرت حاجی صاحبؒ نے مجلس شوریٰ کا اجلاس طلب کیا۔ اور شوریٰ کے سامنے "مسئلہ اقدام" کا ایجنڈا رکھا بعنوان دیگر "اعلان جہاد" کا ایجنڈا رکھا۔

اجلاس شوریٰ میں تمام ارکان نے اقدام کا فیصلہ کیا صرف ایک شیخ مولانا محمد محدث صاحب تھانوی کی رائے مختلف رہی۔ حضرت مولانا قاسم نانوتوی نے خطاب کرتے ہوئے نہایت ادب سے عرض کیا۔

حضرت کیا وجہ ہے کہ آپ ان دشمنان دین ووطن پر جہاد فرض بلکہ جائز بھی نہیں فرماتے۔

شیخ مولانا محمد محدث تھانوی:

اس لیے کہ ہمارے پاس اسلحہ اور آلات جہاد نہیں ہیں۔ ہم بالکل بے سروسامان ہیں۔

مولانا قاسم نانوتوی:

کیا اتنا بھی سامان نہیں ہے جتنا کہ غزوہ بدر میں تھا۔

شیخ محمد محدث تھانوی:

اگر آپ کی تمام حجتیں اور باتیں مان لی جائیں تو سب سے بڑی شرط جہاد میں نصب امام کی ہے۔ امام کہاں ہے کہ اس کی قیادت میں جہاد کیا جائے۔

مولانا قاسم نانوتویؒ:

نصب امام میں کیا دیر لگتی ہے مرشد حق حضرت حاجی صاحب موجود ہیں انہیں کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی جائے۔

حضرت حافظ ضامن صاحب:

مولانا! بس سمجھ میں آ گیا پھر سب نے حضرت حاجی صاحب کے دست حق پرست پر بیعت جہاد کی اور یہ بیعت جان و مال کی قربانی کے لیے تھی۔ (۲۸)

اس کے بعد اقدام کا فیصلہ ہوا اور تھانہ بھون سے شاملی کی طرف مارچ شروع کر دیا گیا۔ جس کا ذکر مصنف سوانح قاسمی نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

یہ سرفروشان اسلام و وطن سر ہتھیلی پر رکھ کر ایک منظم طاقت سے ٹکرانے کے لیے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے اور تھانہ بھون سے شاملی کی طرف مارچ شروع کر دیا۔ جس کا نصب العین دہلی تھا۔ (۲۹)

شاملی پر قبضہ:

چنانچہ ان سرفروشان دین نے اپنے جذبہ اور ہمت سے تھانہ بھون اور اس کے اطراف میں حکومت قائم کر لی۔ اور انگریزوں کے ماتحت حکام کو نکال دیا۔ اور پھر شاملی (جو تحصیل تھی اور کچھ فوجی طاقت بھی وہاں موجود تھی) پر حملہ کرنا قرار پایا۔ چنانچہ چڑھائی ہوئی اور قبضہ کر لیا گیا۔ جو طاقت پولیس اور فوج کی وہاں تھی وہ مغلوب ہو گئی۔ حضرت حافظ ضامن صاحب بھی اسی ہنگامہ میں شہید ہوئے۔ (۳۰)

مگر جونہی حضرت حافظ ضامن صاحب شہید ہوئے تو ہندوستان کے اندر چلنے والی بقیہ تحریکوں کا معاملہ بھی ٹھنڈا پڑ گیا۔ پہلے روزانہ خبر آتی تھی کہ آج انگریزوں سے فلاں مقام چھین لیا گیا۔ مگر حافظ ضامن صاحب کی شہادت کے بعد پہلے یہ خبر آئی کہ دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا۔ (۳۱)

ناکامی تحریک کے بعد:

۱۹ستمبر ۱۸۵۷ءکو بہادر شاہ ظفر گرفتار ہوا اور دھلی پر انگریزوں کا مکمل قبضہ ہو گیا پھر تھانہ بھون کا نمبر آیا چنانچہ ایک شب انگریزوں نے تھانہ بھون پر حملہ کیا۔ یہ سرفروشان بڑی بے جگری سے لڑے مگر کیا کرتے انگریز فوج ہر طرح کے اسلحہ سے لیس تھی۔ چنانچہ کچھ دیر مقابلے کے بعد انگریز فوج تھانہ بھون میں داخل ہوگئی اور مکانوں کو آگ لگادی جو کچھ ملا لوٹ لیا چنانچہ چند لمحوں میں تھانہ بھون اجڑا دیار بن گیا۔(۳۲)

وارنٹ گرفتاری:

انگریز حکومت نے ان فدایان دین وملت پر غداری کا دعویٰ کیا اور گرفتاری کے وارنٹ جاری کیے۔ حضرت حاجی صاحب نے ناکامی تحریک کے بعد مکہ معظمہ کا رخ فرمایا۔ جہاں اصل مرکز تھا۔

مکہ معظّمہ کی طرف ہجرت:

حضرت حاجی صاحبؒ نے وارنٹ گرفتاری کے بعد تقریباً ڈیڑھ سال انبالہ، تگری، پنجلاسہ، ضلع مظفر نگر، سہارنپور اور ضلع انبالہ کے دیہاتوں میں گزارے۔ پھر ۱۲۷۶ھ میں ہجرت کی نیت سے روانہ ہوئے سندھ کے راستہ سے کراچی پہنچے اور بحری جہاز سے مکہ معظمہ کے لیے روانہ ہو گئے۔(۳۳)

اس سفر میں عجیب وغریب واقعات پیش آئے۔ جن میں سے ایک کو بطور نمونہ یہاں نقل کیا جاتا ہے اور یہ وہ واقعات ہیں جن کو حضرت حاجی صاحب کے ہر سوانح نگار نے نقل کیا ہے۔

حاجی صاحب کی کرامت:

پنجلاسہ، ضلع انبالہ کے رائیس راؤ عبداللہ خان تھے۔ اور حضرت حاجی صاحب کے بڑے عقیدت مند تھے۔ پنجلاسہ پہنچ کر حضرت حاجی صاحب نے انہی کے یہاں قیام کیا۔ حاجی صاحب جیسے شخص کو اپنے یہاں ٹھرانا، تباہی اور بربادی کو دعوت دینا تھا۔ مگر راؤ صاحب کا اخلاص ہر ایک خطرہ سے بے نیاز تھا۔

قدرت کی عجائب نوازی، ملاحظہ ہو کہ اس قیام کے دوران میں راؤ صاحب کا اخلاص آزمائش کی کسوٹی پر کسا گیا۔

واقعہ یوں ہوا کہ مخبروں نے مخبری کر دی اور صبح کے وقت جیسے ہی افق مشرق سے آفتاب نے سر نکالا، مجسٹریٹ ضلع دوش لیکر، راؤ صاحب کے مکان پر پہنچ گیا۔

حاجی صاحب نے بر سبیل احیاط ایک ویران کوٹھڑی میں قیام فرمایا تھا۔ جو گھوڑوں کے اصطبل کے پاس تھی۔ مخبر نے ایسی مخبری کی کہ اس کوکوٹھڑی تک کا پتہ بتا دیا تھا۔ یہ اشراق کا وقت تھا اور حسب معمول حاجی صاحب نماز اشراق میں مشغول تھے۔ راؤ صاحب کے لیے یہ بہت نازک گھڑی تھی مگر توفیق خداوندی نے حوصلہ مند راؤ صاحب کی مدد کی۔ راؤ صاحب آگے بڑھے گرم جوشی سے کلکٹر کا استقبال کیا۔ بڑے تپاک سے ہاتھ ملایا۔

راؤ صاحب نے فرمایا: تشریف لائیے اس وقت صبح صبح کیسے تشریف آوری ہوئی۔

سخن پرور مجسٹریٹ نے کہا: سنا ہے کہ آپ کے یہاں کوئی گھوڑا بہت عمدہ ہے، صاحب اسے دیکھنے آئے ہیں۔

راؤ صاحب نے کہا: بہت بہتر ہے تشریف لائیے اصطبل حاضر ہے۔ گھوڑے ملاحظہ فرمایئے۔ راؤ صاحب مجسٹریٹ بہادر کو اصطبل میں لے گئے۔ گھوڑے دکھائے۔ مجسٹریٹ بار بار راؤ صاحب کے چہرے پر نظر ڈالتا تھا۔ اور حیران تھا کہ راؤ صاحب پر خوف وہراس یا گھبراہٹ کا کوئی اثر نہیں۔ وہ دل دل میں خیال

کر رہا تھا کہ شاید مخبر نے جھوٹی خبر دی ہو۔

اصطبل میں گھومتے ہوئے اس ویران کوٹھڑی کے دروازہ پر بھی پہنچ گیا۔ جہاں حاجی صاحب قیام فرماتے۔ اور یہ کہتے ہوئے کہ کیا اس میں گھوڑوں کی گھاس بھری جاتی ہے کواڑ کھلوادیے۔ کوٹھڑی میں چوکی پر جانماز بچھی ہوئی ہے۔ لوٹا چوکی کے کنارہ پر اور وضو کے پانی سے نیچے کی زمین تر ہے۔ مگر نماز پڑھنے والا کوئی نہیں۔

کلکٹر صاحب نے کوٹھڑی کے کونے کونے پر نگاہ ڈالی کوئی شخص نظر نہیں آیا۔ تو پھر راؤ صاحب سے ہی دریافت کیا کہ یہ چوکی کیسی ہے؟

راؤ صاحب:

میں یہاں نماز پڑھا کرتا ہوں۔

کلکٹر صاحب:

اصطبل کے کنارہ، ویران اور بوسیدہ کوٹھڑی میں نماز پڑھنے کا کیا مطلب؟ نماز کے لیے تو مسجد ہوتی ہے۔

راؤ صاحب:

ہمارے مذہب کی یہ تعلیم ہے کہ فرض نماز تو مسجد میں جماعت کے ساتھ کھلم کھلا سب کے سامنے پڑھنی چاہیئے لیکن نوافل چھپا کر کسی پوشیدہ جگہ پر پڑھیں اس لیے اشراق وغیرہ کی نفلیں میں یہاں پڑھا کرتا ہوں۔

اب کلکٹر صاحب خاموش تھے شرمندہ ہو کر ناکام رخصت ہوئے اور راؤ صاحب سے معذرت کی اور کہا کہ گھوڑا ہماری مرضی کا نہیں نکلا۔ افسوس آپ کو تکلیف بھی دی اور ہمارا کام بھی نہیں ہوا۔

رسیدہ بود بلائے ولے بخیر گذشت

راؤ صاحب اس بلا کو رخصت کر کے سب سے پہلے اس کوٹھڑی میں پہنچے تو دیکھا کہ حاجی صاحب چوکی پر تشریف فرما ہیں۔ (۳۴)

مکہ معظّمہ میں قیام:

مختصر یہ ہے کہ غیبی امداد خداوندی حفاظت کے زیر سایہ آپ حجاز مقدس پہنچے۔ وہاں پہنچ کر زہد وتقویٰ، ریاضت ومجاہدہ اور توکل علی اللہ کی وہ مثال قائم کی جس نے عہد صحابہؓ کی یاد تازہ کردی۔ نہ صرف عجم بلکہ عرب نے بھی آپ کے سامنے گردن عقیدت خم کی۔ آج دنیائے اسلام کا ہر ذی علم آپ کو شیخ العرب والعجم کے خطاب سے یاد کرتا ہے۔

ان عزائم اور بلند حوصلوں کے مقابلے میں آپ تذکرہ نویسوں کے اس بیان سے سبق لیجیے کہ آپ خلقۃً ضعیف ونحیف تھے۔ سچ ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ روحانی قوت سے نوازے اس کو جسمانی قوت کی کیا ضرورت۔

وفات:

آپ کی وفات مکہ معمظہ میں ہوئی آپ ۱۲ جمادی الاخریٰ ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۸۹۹ء بروز چہارشنبہ صبح کے وقت واصل بحق ہوئے۔ اور مکہ معظّمہ جنت معلیٰ میں دفن کیے گئے۔ رحمہ اللہ ورضی عنہ۔

حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتوی محدث سہارنپوریؒ

خاندان اور والد گرامی:

آپ کا سلسلہ نسب چند واسطوں کے بعد حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کے سلسلہ نسب سے جاملتا ہے آپ کا وطن نانوتہ تھا آپ کے والد گرامی کا نام حافظ لطف علی ہے۔(۳۵)

ابتدائی تعلیم:

آپ نے سب سے پہلے اپنے والد محترم سے قرآن پاک حفظ کیا۔ اور اپنے والد محترم کی سرپرستی میں اس کی تکمیل کی۔ قرآن پاک حفظ کر لینے کے بعد آپ نے مولانا مملوک علی صاحب، مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری، مولانا شاہ عبدالغنی صاحب مجددی سے علوم متداولہ کی تعلیم حاصل کی۔

بخاری شریف حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ سے پڑھی اور سند حدیث حاصل کی۔(۳۶)

علم کی تکمیل کے بعد ملازمت:

علم کی تکمیل کر لینے کے بعد آپ اجمیر کالج میں ملازم رہے پھر وہاں سے ملازمت ترک کر دینے کے بعد آگرہ گئے اور وہاں ملازمت کرتے رہے کچھ عرصے کے بعد وہاں سے بھی ملازمت ترک کر دی۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں شرکت:

آپ ۱۸۵۷ء کی تحریک حریت میں شریک ہوئے اور شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر

مکیؒ کے دست مبارک پر جہاد کی بیعت کی اور ان کے ساتھ بڑی جرات و ہمت سے جہاد میں حصہ لیا۔ اور خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ جہاد شاملی کے دوران پاؤں میں گولی لگی۔ علاج معالجہ سے پاؤں ٹھیک ہوگیا مگر اس گولی کا نشان وفات تک باقی رہا۔ (۳۷)

ناکامی تحریک کے بعد وارنٹ گرفتاری:

تحریک کے ناکام ہونے کے بعد آپ کے بھی وارنٹ جاری ہوئے لیکن دیگر زعمائے تحریک کی طرح آپ روپوش ہو گئے اور ایک عرصہ تک روپوش رہے۔

''مظاہر علوم'' سہارنپور کی بنیاد:

جب دارو گیر کا دور ٹھنڈا ہوا اور حالات کچھ بہتر ہوئے اور ادھر دارالعلوم دیوبند کی بنیاد رکھی گئی۔ تو آپ نے بھی توفیق خداوندی سے نیا محاذ قائم کیا۔ دارالعلوم دیوبند کی بنیاد ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ میں رکھی گئی اور اس کے چھ ماہ بعد ماہ رجب ۱۲۸۳ھ میں آپ نے مظاہر العلوم کی بنیاد رکھی۔ جو سہارنپور میں ہے۔ اور دارالعلوم دیوبند کے نمونہ پر آپ نے اس دارالعلوم کو قائم کیا اور دین اسلام کا ایسا چشمہ جاری کیا جس کی کاوشوں کے نتیجہ میں انگریز برصغیر چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور اس چشمہ سے سیراب ہونے والوں نے پوری دنیا میں اسلام کا نام روشن کیا۔

وفات:

آپ نے ساری زندگی دین اسلام کے احیاء کے لیے صرف کی اور ۲۴ ذی الحجہ ۱۳۰۲ھ ۱۸۸۶ء کی شب میں آٹھ بجے خالق حقیقی سے جا ملے۔ (۳۸)

اللھم اغفرہ وارحمہ وادخلہ الجنۃ

مولانا محمد منیر صاحب نانوتویؒ:

خاندان:

آپ حضرت مولانا محمد مظہر صاحب کے چھوٹے بھائی تھے۔آپ کا سلسلہ نسب چند واسطوں کے بعد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے سلسلہ نسب سے جا ملتا ہے۔

آپ ۱۲۴۷ھ میں نانوتہ میں پیدا ہوئے آپ کے والد صاحب کا نام حافظ لطف علی تھا۔

تعلیم:

آپ نے قرآن کریم کی ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی اور مزید تعلیم کے حصول کے لیے دھلی تشریف لے گئے جہاں آپ نے مولانا مملوک علی صاحب مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری اور مولانا شاہ اسحٰق صاحب جیسے جلیل القدر حضرات سے تعلیم کی تکمیل کی۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں شرکت:

آپ نے وقت کے تقاضے کے تحت ۱۸۵۷ء کی تحریک حریت میں بھر پور حصہ لیا۔اور حضرت شیخ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی۔اور پھر ان فدایان اسلام کے شانہ بشانہ جہاد میں شریک رہے۔اور جہاد شاملی میں مردانہ وار حصہ لیا۔اور جرات و دلیری کی تاریخ رقم کی۔(۳۹)

مولانا قاسم نانوتویؒ سے تعلق:

آپ کو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحبؒ سے بہت زیادہ تعلق خاطر تھا۔ کسی وقت بھی ان سے جدائی گوارا نہ تھی۔ چنانچہ امیر جہاد و شیخ کامل حضرت حاجی صاحب نے بھی اس یگانت اور تعلق قلبی کا لحاظ فرمایا اور جو خدمت حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے سپرد ہوئی اس میں آپ کو بھی شریک فرما دیا۔ مزید برآں تاکید فرمادی کہ مولانا محمد قاسم صاحب کو کبھی تنہا نہ چھوڑیں کیونکہ انہیں خود اپنی جان کا خیال نہیں تھا۔

ناکامی تحریک کے بعد:

چنانچہ ناکامی تحریک کے بعد آپ کے بھی وارنٹ گرفتاری جاری ہوئے جس کی وجہ سے آپ بھی روپوش رہے۔ اور جب دار و گیر کا بادل چھٹا اور حالات قدرے سازگار ہوئے۔ تو آپ نے بریلی پہنچ کر ۱۸۶۱ء میں بریلی کالج کی ملازمت اختیار کر لی۔ اور وہاں پر مطبع صدیقی کے کام میں اپنے بھائی مولانا محمد احسن صاحب کے شریک و مددگار ہو گئے۔

آپ دو سال تک دارالعلوم دیوبند کے مہتمم بھی رہے۔ (۴۱)

امام المجاہدین و جانباز تحریک حریت حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی

خاندان و وطن مالوف:

مولانا رحمت اللہ صاحب کے والد گرامی کا نام مولانا نجیب اللہ صاحب تھا۔ جو میرٹھ میں میر منشی تھے۔ آپ کے اجداد کا اصل وطن پانی پت تھا۔ (جو جمنا سے بارہ میل کے فاصلہ پر ہے) جد اعلیٰ کا نام شیخ عبدالرحمن عثمانی تھا۔

پیدائش:

آپ ۱۲۳۳ھ ۱۸۱۸ء کو کیرانہ ضلع مظفر نگر یوپی ہند میں پیدا ہوئے۔

تعلیم و تربیت:

ابتدائی تعلیم اپنے علاقے میں یعنی کیرانہ میں حاصل کی۔ ابتدائی تعلیم سے فراغت کے بعد دھلی تشریف لائے لال قلعہ کے پاس مولانا محمد حیات صاحب کے مدرسہ میں داخل ہوئے۔ اس درس گاہ کے مدرسین اور دھلی کے دوسرے اساتذہ سے استفادہ کیا اور علوم میں مہارت حاصل کی۔ (۴۲)

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں اہم کردار:

۱۸۵۷ء کی تحریک حریت میں آپ نے اہم کردار ادا کیا۔ تھانہ بھون میں حضرت حاجی صاحب کی قیادت میں ان کے رفقاء کے ساتھ مصروف عمل تھے۔ اور نواح کیرانہ میں حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی

انگریز فوج کا مقابلہ کر رہے تھے۔ مجاہدین کیرانہ میں چونکہ مسلمان گوجر زیادہ تھے اس لیے ان کی قیادت چودھری عظیم الدین حضرت مولانا کے ساتھ کر رہے تھے۔ (۴۳)

اس زمانے میں عصر کی نماز کے بعد مجاہدین کی تنظیم و تربیت کے لیے کیرانہ جامع مسجد کی سیڑھیوں پر نقارہ بجایا جاتا تھا۔ جس کی آواز سن کر لوگ جمع ہو جاتے تھے۔ اور اعلان ہوتا تھا۔ ''ملک خدا کا اور حکم مولوی رحمت اللہ کا'' اس جملہ کے بعد جو کچھ کہنا ہوتا تھا۔ عوام کو سنایا جاتا تھا۔

فیصلہ کن معرکہ:

کیرانہ کے محاذ پر بظاہر شکست کا امکان نہ تھا مگر بعض ابنائے وطن کی زمانہ سازی اور مخبروں کی سازش نے حالات کا رخ بدل دیا۔

کیرانہ میں انگریز فوج بمع توپ خانہ داخل ہوئی محلہ دربار کے دروازے کے سامنے توپ خانہ نصب کیا گیا۔ اور انگریز فوج نے محلہ کا محاصرہ کر لیا۔ ہر گھر کی تلاشی لی گئی۔ عورتوں بچوں اور ہر شخص کو فرداً فرداً باہر نکالا گیا۔ یہ اس لیے کیا کہ کسی مخبر نے اطلاع دی تھی۔ کہ مولانا دربار محلہ میں روپوش ہیں۔

کیرانہ کے قریب پنجیٹھ نامی ایک گاؤں ہے جہاں مسلمان گوجر آباد ہیں وہاں مولانا کیرانوی صاحب اپنی باقی ماندہ جماعت کے ساتھ پہنچے۔ خود پنجیٹھ کے لوگ بھی مجاہدین میں شریک تھے۔ اسی دوران انگریز فوج کے ایک گھوڑ اسوار دستہ نے پنجیٹھ کا رخ کیا۔ کیرانہ اور تمام قرب و جوار کے حالات کی اطلاع مولانا کو ملتی رہتی تھی۔ چنانچہ پنجیٹھ کے مکھیا کو جب فوج کی آمد کا حال معلوم ہوا تو اس نے فوراً جماعت کو منتشر کر دیا اور مولانا سے خواہش کی کہ ''کھرپا'' لے کر کھیت میں گھاس کاٹنے چلے جائیں۔ چنانچہ مولانا فرمایا کرتے تھے کہ گورہ فوج اس کھیت کی پگڈنڈی سے گزری جہاں میں گھاس کاٹ رہا تھا۔ اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے جو کنکریاں اڑتی تھیں۔ وہ میرے جسم پر لگ رہی تھیں اور میں فوج کو اپنے پاس

سے گزرتا ہوا دیکھ رہا تھا۔(۴۴)

فوج نے گاؤں کا محاصرہ کرلیا۔مکھیا کو گرفتار کرلیا گیا۔پورے گاؤں کی تلاشی لی گئی۔مگر مولانا کا پتہ نہ چلنا تھا۔نہ چلا۔مجبوراً فوجی دستہ کیرانہ واپس ہوگیا۔

حضرت مولانا کے خلاف فوجداری مقدمہ چلایا گیا۔وارنٹ جاری ہوا۔آپ کو مفرور باغی قرار دیا گیا۔اور گرفتاری کے لیے ایک ہزار روپیہ انعام کا اعلان ہوا۔

مکہ معظّمہ روانگی:

چنانچہ مصلحت حالات کے پیش نظر حضرت مولانا نے اپنا نام تبدیل کر کے مصلح الدین رکھا اور پیدل دھلی کی طرف روانہ ہوئے۔آپ کے لیے یہ وقت سخت آزمائش کا تھا۔ایمانی عزم وہمت اور استقلال کے ساتھ جے پور اور جودھ پور کے مہیب ریگستانی جنگلوں کو پاپیادہ عبور کرتے ہوئے بندرگاہ سورت پہنچے۔اس زمانے میں سورت بندرگاہ سے بھی جہاز کا سفر آسان نہ تھا۔بادبانی جہاز سال بھر میں صرف ایک مرتبہ ہوا کی موافقت کے زمانے میں سورت سے روانہ ہوتا۔اور اسی طرح جدہ سے بھی صرف ایک مرتبہ ہوا کی موافقت کے زمانے میں آتا تھا۔

طویل سفر کے آلام ومصائب برداشت کرتے ہوئے مولانا مکہ معظّمہ پہنچے پھر اس مجاہد حق نے وہاں پر جو کارنامے انجام دیے ان کے لیے ضخیم کتاب بھی کافی نہیں۔

جائیداد کی ضبطی:

حضرت مولانا کی روانگی اور فوجداری مقدمہ کے بعد آپ کی جائیداد ضبط کرلی گئی اور اسی طرح آپ

کے خاندان کی جائیداد بھی ضبط کر لی گئی۔ اور اسی طرح پانی پت میں آپ کے جد امجد (مخدوم جلال الدین کبیر الاولیآء) کی زمین بھی ضبط کر لی گئی۔ اور ان تمام جائیدادوں کو ضبط کرنے کے بعد نیلام کر دیا گیا۔ اس طرح آپ کا خاندان بھی آلام ومصائب میں گرفتار ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

مکہ معظّمہ میں مدرسہ صولتیہ کا قیام:

امام المجاہدین حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی صاحبؒ جب مکہ معظّمہ پہنچے تو آپ نے وہاں پر بھی دینی خدمات ہی کو اپنا شعار بنایا اور خوب بڑھ چڑھ کر دینی خدمات سرانجام دیں۔ جن کے لیے ایک ضخیم کتاب کی تحریر بھی ناکافی ہے۔ مختصراً یہ ہے کہ منجملہ ان خدمات کے ایک مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کا قیام بھی ہے جو آج بھی مولانا کے اخلاص کی برکت کو لیے ہوئے دین اسلام کی ترقی کے لیے کوشاں ہے۔

وفات :

مولانا آخری ایام میں مدینہ منورہ حاضر تھے ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۰۸ھ (۲ مئی ۱۸۹۱ء کو مدینہ منورہ میں انتقال ہوا)۔ اور مدینہ منورہ کی خاک پاک ابدی آرامگاہ بنی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ (۴۶)

مجاہد ملت وشہید حریت حضرت مولانا عبدالجلیل شہیدؒ

آپ کے والد گرامی کا نام مولانا ریاض الدین صاحب ہے جو قصیدہ بردہ کے شارح ہیں آپ نے ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی اور پھر اعلیٰ تعلیم کے لیے دہلی کا رخ کیا۔

تکمیل علم اور منصب امام:

ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ نے دھلی کا رخ کیا۔ اور دہلی پہنچ کر شیخ المشائخ ولی کامل حضرت مولانا شاہ اسحٰق صاحب دہلوی کی خدمت میں تعلیم کی تکمیل کی۔ (۴۷)

آپ فراغت کے بعد جامع مسجد علی گڑھ میں امام مقرر ہوئے۔ اور وہاں پر آپ نے اپنا حلقہ درس بھی قائم کیا۔ آپ نہایت متقی پاکباز اور باخدا بزرگ تھے۔ شہر کے آدمی آپ سے گہری عقیدت رکھتے تھے اور عوام کے رجحان سے متاثر ہوکر دنیا ساز انگریز بھی آپ سے ملاقات کرنے آتے تھے۔ مگر آپ ان کو بہت ہی کم ملاقات کی اجازت دیتے تھے۔ اور اگر یہ معلوم ہو جاتا کہ انگریز کے ساتھ اس کی میم بھی ہے تو دور ہی سے منع کروا دیا کرتے تھے۔

انگریزوں کے ساتھ معرکہ اور شہادت:

آپ کے پوتے قاضی سفیان صاحب کا بیان ہے کہ علی گڑھ انگریزوں سے خالی ہوا تو زمام قیادت آپ کے حوالے کی گئی۔ تقریباً دو ماہ تک شہر کا نظم ونسق آپ نے سنبھالے رکھا۔

جولائی یا اگست میں انگریز تازہ دم فوجیں لیکر آگرہ کی جانب سے علی گڑھ پر حملہ آور ہوئے تو مولانا

اپنے ساتھیوں کے ساتھ ملکر مقابلہ کے لیے سینہ سپر ہو گئے۔

مڈراک کی سڑک پر انگریزی فوجوں سے تصادم ہوا۔ مقابل تازہ دم اور تمام سامان سے مسلح تھا۔ اس کی فوج باضابطہ اور قواعد دالی تھی۔ اور اس طرف جوش آزادی اور ولولہ قربانی تھا جس نے آپ کو میدان جنگ میں ثابت قدم رکھا۔

افرادی قوت اور اسلحہ کی قوت کی کمی کے باوجود آپ بڑی بے جگری سے لڑے اور اسی طرح آپ کے ساتھیوں نے بھی کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کیا اور ہر طرح سے جرات و بہادری کی تاریخ رقم کی۔ یہاں تک کہ بہتر ساتھیوں کے ساتھ آپ نے اسی میدان میں جام شہادت نوش کیا۔

ان بہتر جانثاران اسلام کو جامع مسجد میں لایا گیا۔ اور یہیں دفن کیا گیا اور مولانا عبدالجلیل شہید کو بھی ان شہداء کے بیچ میں دفن کیا گیا۔ (۴۸)

آپ کی شہادت کے بعد شہر کی حالت زار:

آپ کی شہادت کے بعد انگریز خونخوار درندے کی طرح سارے شہر میں گھوم رہا تھا۔ جہاں بھی کوئی مسلمان صورت ملا شہید کر دیا گیا۔ موتی مسجد کے سامنے چوراہوں پر پھانسیاں لٹکا دی گئیں۔ جس کے بارے میں شریک جہاد ہونے کا شبہ ہوتا پھانسی پر لٹکا دیا جاتا۔

مجاہدین کے بیوی بچوں کو چن چن کر تہ تیغ کیا گیا۔ چنانچہ آپ کے چار بچوں کو علی گڑھ سے تین میل کے فاصلہ پر رسول پور میں چھپا دیا گیا۔ اور یہ صاحبزادے تین سال تک وہاں کسمپرسی کی حالت میں رہے۔ پھر جب واپس آئے تو دیکھا کہ انگریز نے ان کے مکانات کے نام ونشان بھی مٹا دیے تھے۔ رفتہ رفتہ ٹھرنے اور گذر اوقات کرنے کا انتظام کیا۔ آپ کے بعد آپ کے خلف اکبر مولانا اسمعیل صاحب پروان چڑھے اور آپ کا نام روشن کیا۔ اسی دوران مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب کا علی گڑھ آنا اور مولانا اسمعیل صاحب کو تعلیم دینا یہ ایک ایسا کارنامہ ہے جس کو تاریخ فراموش نہیں کر سکتی۔

استاذ العلماء حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ

سلسلہ نسب:

آپکا سلسلہ نسب حضرت ابوبکر صدیقؓ تک پہنچتا ہے۔ آپ کے اجداد میں قاضی میران بڈھے کا نام بھی آتا ہے آپ نجیب الطرفین تھے۔(۴۹)

ولادت باسعادت:

مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی حضرت قاضی میران بڈھے سے چودھویں پشت میں تاریخ ۱۳۔صفر ۱۲۴۹ھ کو پیدا ہوئے آپ، حنفی المذھب، چشتیہ مشرب تھے۔ آپ کے نانا جناب مولوی حکیم ولی محمد مرحوم صدیقی اور آپ کے دادا مولوی احمد علی مرحوم صدیقی تھے۔

ابتدائی تعلیم:

سن تمیز تک پہنچنے کے بعد آپ نے قرآن پاک حفظ کیا اور ابتدائی تعلیم حاصل کرنی شروع کی۔علوم ظاہری کی تکمیل آپنے اپنے قبلہ وکعبہ حضرت مولانا مملوک علیؒ سے کی اور ان کی خدمت میں رہ کر فیض حاصل کیا۔(۵۰)

درس وتدریس:

علوم سے فراغت کے بعد آپ ملازمت کے لیے اجمیر شریف تشریف لے گئے اور وہاں ۳۰ روپے

ماہانہ پر ملازمت شروع کی۔ اس وقت آپ بہت کمسن تھے۔ پرنسپل اجمیر نے آپکو دیکھ کر کہا۔ حقیقتاً مولوی تو بہت اچھا ہے مگر کمسن ہے۔

آپ کی ذکاوت وذہانت فہم وفراست کا تجربہ کر لینے کے بعد بلا اطلاع آپ کے پرنسپل اجمیر نے گورنمنٹ میں سفارش کر کے آپ کے لیے ڈپٹی کلکٹری کا عہدہ منظور کروالیا۔ بعد منظوری جب آپکو اس عہدہ پر مامور ہونے کی اطلاع کی۔ تو آپ نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔(۵۱)

کچھ عرصے کے بعد آپ سو روپے ماہوار پر بنارس بھیجے گئے۔ وہاں سے پھر ڈیڑھ سو روپے کی تنخواہ پر ڈپٹی انسپکٹری پر سہارن پور تشریف لائے۔

کچھ عرصہ کے بعد ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے واقعات پیش آئے۔(۵۲)

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد کا مشغلہ:

۱۸۵۷ء کی تحریک آزادی کے واقعات ختم ہونے کے بعد آپ کو چھ مہینے کی اکھٹی تنخواہ نو سو روپے بھیجی گئی اور اصلی جگہ پر بلائے گئے۔ آپ نے وہ نو سو روپیہ واپس بھجوا دیا اور کہا کہ میں نے ان چھ مہینوں میں کوئی کام سرکار کا انجام نہیں دیا۔ اس لیے میں یہ روپیہ نہیں لے سکتا۔

پھر ملازمت سے بھی استغنائی ظاہر کی اور مستعفی ہو گئے اور متوکلاً متفرق کام کرتے رہے۔

مدرسہ عربیہ دیوبند میں تدریسی خدمت:

جناب حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحبؒ کے ارشاد پر مدرسہ عربیہ دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمت انجام دینے کے لیے مامور ہوئے اور چالیس روپے پر تعلق گزر اوقات کا فرمایا۔

ہر چند کہ چند مقامات سے بڑی بڑی تنخواہوں پر بلایا گیا مگر آپ نے کچھ التفات نہ فرمایا۔

ایک بڑا المیہ:

آپ کو ماہ ذیقعدہ و ذی الحجہ ۱۳۰۱ھ میں ایک بہت بڑا صدمہ لاحق ہوا اور وہ آپ کی بیوی اور چار بچوں کا انتقال فرمانا تھا۔ خصوصاً مولوی علاؤالدین جوان العمر، فارغ التحصیل صالح عالم باعمل کے انتقال نے آپ کو بہت صدمہ دیا۔ (۵۳)

وفات:

چنانچہ اس مذکورہ المیہ کے لاحق ہونے کے بعد ۳ ربیع الاول ۱۳۰۲ھ کو آپ نے بھی ہمیشہ کے لیے اس دار فانی کو چھوڑ دیا۔ اور قصبہ نانوتہ میں دفن کیا گیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

اللہم اغفرہ وارحمہ وادخلہ الجنۃ

حواشی باب دوم

۱۔ میرٹھی عاشق الٰہی مولانا۔ تذکرۃ الرشید۔ لاہور، ادارہ اسلامیات ۱۹۸۶ء

۲۔ ایضاً

۳۔ ایضاً

۴۔ گیلانی مناظر حسن مولانا، سوانح قاسمی، لاہور، مکتبہ رحمانیہ ۱۳۷۳ھ

۵۔ احمد سعید پروفیسر، شاہ ولی اللہ کی سیاسی تحریک، لاہور، ادارہ اسلامیات ص ۱۸۳

۶۔ محمد میاں سید۔ علمائے ہند کا شاندار ماضی، کراچی، مکتبہ رشیدیہ ۱۹۸۶ء۔ ج ۴ ص ۲۷۸

۷۔ محمد میاں سید۔ علمائے ہند کا شاندار ماضی۔ کراچی، مکتبہ رشیدیہ ۱۹۸۶ء ج ۴

۸۔ ایضاً ج ۴ ص ۲۸۰

۹۔ ایضاً ج ۴ ص ۳۵۱ تا ۳۵۳

۱۰۔ ایضاً ج ۴ ص ۳۵۴

۱۱۔ میرٹھی عاشق الٰہی مولانا۔ تذکرۃ الرشید لاہور۔ ادارہ اسلامیات ۱۹۸۶ء ۔ ج ۱ ص ۹۰

۱۲۔ ایضاً ج ۲ ص ۳۳۰

۱۳۔ ایضاً ج ۲ ص ۳۳۱

۱۴۔ ایضاً ج ۲ ص ۳۳۶

۱۵۔ میرٹھی، عاشق الٰہی مولانا، تذکرۃ الرشید، لاہور ادارہ اسلامیات ۱۹۸۶ء ج ۲ ص ۳۳۶

۱۶۔ محمد میاں سید۔ علمائے ہند کا شاندار ماضی، کراچی، مکتبہ رشیدیہ ۱۹۸۶ء ج ۴

۱۷۔ ایضاً

۱۸۔ تھانوی اشرف علی، کرامات امدادیہ لاہور، ادارہ اسلامیات ص ۸

۱۹۔ محمد میاں سید۔علمائے ہند کا شاندار ماضی، کراچی، مکتبہ رشیدہ ۱۹۸۶ء ج ۴ ص ۲۵۷

۲۰۔ تھانوی اشرف علی، کرامات امدادیہ لاہور، ادارہ اسلامیات ص ۲۵

۲۱۔ محمد میاں سید۔علمائے ہند کا شاندار ماضی، کراچی مکتبہ ۱۹۸۶ء ج ۴ ص ۲۴۹

۲۲۔ ایضا

۲۳۔ تھانوی اشرف علی، کرامات امدادیہ لاہور، ادارہ اسلامیات ص ۲۴، ۲۵

۲۴۔ محمد میاں سید، علمائے ہند کا شاندار ماضی، کراچی مکتبہ ۱۹۸۶ء ج ۴ ص ۲۵۹

۲۵۔ التمہید بحوالہ سیاسی تحریک ص ۱۸۳

۲۶۔ احمد سعید پروفیسر، شاہ ولی اللہ کی سیاسی تحریک، لاہور، ادارہ اسلامیات ص ۱۸۱ تا ۱۸۳

۲۷۔ محمد میاں سید۔علمائے ہند کا شاندار ماضی۔کراچی، مکتبہ رشیدیہ ۱۹۸۶ء ص ۲۶۸

۲۸۔ محمد میاں سید۔علمائے ہند کا شاندار ماضی، کراچی مکتبہ رشیدیہ ۱۹۸۶ء ج ۴ ص ۲۷۴

۲۹۔ گیلانی مناظر احسن مولانا۔سوانح قاسمی، لاہور مکتبہ رحمانیہ ۱۳۷۳ھ ج ۲ ص ۱۲۹

۳۰۔ نقش حیات ج ۱

۳۱۔ محمد میاں سید۔علمائے ہند کا شاندار ماضی مکتبہ رشیدیہ۔ج ۴ ص ۲۰۰

۳۲۔ ایضا

۳۳۔ تھانوی اشرف علی، کرامات امدادیہ لاہور، ادارہ اسلامیات

۳۴۔ میرٹھی عاشق الٰہی مولانا، تذکرۃ الرشید لاہور۔ادارہ اسلامیات ۱۹۸۶ء ص ۷۷ تا ۷۸

۳۵۔ محمد میاں سید۔علمائے ہند کا شاندار ماضی، کراچی مکتبہ رشیدیہ ۱۹۸۶ء ج ۴ ص ۳۰۴

۳۶۔ ایضا

۳۷۔ ایضا

۳۸۔ ایضا ج ۴ ص ۳۰۵

۳۹۔ ایضا ص ۳۰۶

۴۰۔ ایضا ص ۳۰۸

۴۱۔ محمد میاں سید۔ علمائے ہند کا شاندار ماضی، کراچی مکتبہ رشیدیہ ۱۹۸۶ء ج ۴ ص ۳۱۶

۴۲۔ نانوتوی مولانا یعقوب، مکتوبات و بیاض یعقوبی

۴۳۔ ایضا

۴۴۔ ایضا بیاض یعقوبی

۴۵۔ ایضا

☆☆☆☆☆

باب سوم:

تصانیف

مولانا محمد قاسم نانوتوی

باب سوم:

تصانیف مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

تصنیفات کا تعارف

آب حیات:

حجۃ الاسلام بانی دارالعلوم دیو بند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی معرکۃ الآ راء کتاب آب حیات ہے۔ اور یہ ایسی دقیق عمیق اور صعب بلکہ اصعب کتاب ہے حالانکہ اردو زبان میں ہے لیکن اپنی دقت کی بناء پر شائد ہی کوئی کتاب اس کی مثال ہو۔ اور اس کتاب کے بارے میں حضرت مولانا صوفی عبدالحمید مدظلہ سواتی مہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ فرماتے ہیں کہ ہم نے اپنے استاذ حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ترمذی اور بخاری شریف کے درس کے دوران بارہا سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ حضرت نانوتویؒ نے یہ کتاب (یعنی آب حیات) علماء کے امتحان کے لیے لکھی ہے۔ اس کو دیکھنا اور اس کے مطالب کا حل کرنا اور اس کو پوری طرح سمجھنا معرکہ کی چیز ہے، ہر عالم کے بس کا روگ نہیں ہے۔ (۱)

اس کتاب کو کماحقہ سمجھنا بہت مشکل ہے اس کتاب کے دیباچے میں حضرت نانوتویؒ نے خود لکھا ہے کہ جس طرح ہدیۃ الشیعہ کی تصنیف کا محرک حضرت مولانا گنگوہیؒ تھے۔ اسی طرح آب حیات کی تصنیف کا محرک حضرت پیر و مرشد مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ تھے۔ ان کے ایماء پر مسئلہ حیات النبی ﷺ پر اس کتاب کو ہدیۃ الشیعہ سے الگ مستقل کتاب کی شکل میں تصنیف کیا ہے۔ (۲)

اور اس کتاب کے وجدانی اور الہامی حقائق کی تصدیق حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمائی ہے اس کتاب میں نقلیات یعنی قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کا بھی ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے۔

شبہ اور اس کا ازالہ:

اور بعض حضرات یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ کتاب صرف منطق پر مشتمل ہے تو یہ ان کا خیال غلط اور باطل ہے۔ یہ صحیح ہے کہ نقلیات کے ساتھ عقلیات کا ایک معتد بہ حصہ اس میں پایا جاتا ہے۔ (۳)

اس کتاب کو صحیح معنوں میں سمجھنے کا اہل کون؟:

جو شخص عقائد حقہ سے پوری طرح باخبر ہو اور ان دلائل سے بھی آگاہ ہو جن سے ان عقائد کی توثیق کے لیے استدلال کیا جاتا ہے اور مذہب شیعہ سے اچھی طرح آگاہ ہو پھر علوم وفنون کے عقلیات بالخصوص علم منطق اور فلسفہ اور ریاضی اور علم کلام میں کمال درجہ کا درک رکھتا ہو اور اس کے ساتھ ساتھ مستقل مزاج بھی ہو اور جو مطالعہ کرنے کا عادی ہو اور طبع ذکی اور مزاج سیال رکھتا ہو اور اس میں کسی حد تک للّٰہیت اور روحانیت بھی پائی جاتی ہو اور کشف سے بھی فی الجملہ مناسبت رکھتا ہو تو وہ شخص اس کتاب کو سمجھنے کا اہل ہوگا۔

کیفیت حالت مطالعہ:

اس کتاب کے دو تین صفحات مطالعہ کرنے کے بعد ذہن درماندہ ہو جاتا ہے اور اس پر بے حد تھکاوٹ اور بوجھ پڑتا ہے اور اس وقت اس کو ترک کر دینا پڑتا ہے تاکہ پھر کسی دوسرے وقت تازہ دم ہو کر اس کا مطالعہ کیا جاسکے۔ امام ولی اللہ کی کتاب کا حال بھی قریب قریب ایسا ہی ہوتا ہے۔

تاریخ تصنیف:

بہر حال یہ کتاب حضرت نانوتویؒ نے سنہ ۱۲۸۶ھ میں لکھی ہے اور پھر حج کے موقع پر حضرت حاجی

امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ نے اس کو پڑھ کر اس کی تصدیق وتصویب فرمائی ہے۔ اور اس کی اشاعت کی اجازت مرحمت فرمائی۔

خود حضرت مصنفؒ کا اس کتاب کے بارے میں اظہار خیال:

حضرت مولانا نانوتویؒ اس کتاب (یعنی آب حیات) کے مقدمہ میں فرماتے ہیں کہ:

اس لیے یہ ہیچمدان بدترین گنہگاران، زبان و دل سے اس بات کا معترف ہے کہ میرے کلام پریشان میں اگر کوئی سخن دل نشین اہل دل، اور کوئی تحقیق لائق تصدیق اہل حق ہے تو وہ حضرت مرشد برحق ادام اللہ فیوضہ کے انتساب وتوسل کا پھل ہے اور اگر اختلاط اغلاط اور آمیزش خرافات ہو تو یہ تیرہ دروں خود قائل ہے کہ اپنی عقل نارسا ہے اور اپنے دماغ میں خلل ہے یہی وجہ ہوئی حضرت پیر و مرشد ادام اللہ فیوضہ کے سنانے کی ضرورت ہوئی۔ (۴)

کتاب کے محقق ہونے کی دلیل:

مگر جب زبان فیض ترجمان سے آفرین وتحسین سن لی تو اصل مضامین کی حقیقت تو اپنے نزدیک محقق ہوگئی۔ یوں کوئی منکر نہ مانے تو وہ جانے منکروں کا تو کام ہی یہ ہے۔ (۵)

اور اس کتاب کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ لیکن اب تک کسی صاحب علم نے اس کتاب کی تبویب وتسہیل کی طرف توجہ نہیں فرمائی میرے پیش نظر مطبع مجتبائی دہلی کا طبع شدہ نسخہ ہے۔ جو سنہ ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء کا مطبوعہ ہے اور اس کتاب میں حضرت نانوتویؒ نے مسئلہ حیات النبی ﷺ پر نہایت نفیس بحث کی ہے۔ (۶) اور آپ نے قرآن وحدیث کی مختلف دلیلوں کے ساتھ اس مسئلہ (یعنی حیات النبی ﷺ) کو خوب واضح کیا ہے اور منکرین حیات النبی ﷺ کو دندان شکن جواب دیے ہیں۔

مثال

اعوذاللّٰہ من الشیطن الرجیم ۔ ولو انھم اذظلموا انفسھم جآؤک فاستغفروا اللّٰہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللّٰہ توابا رحیماً ۔ (۷)

تو فرمایا کہ اس آیت میں کسی کی تخصیص نہیں آپ ﷺ کے ہم عصر ہوں یا بعد کے امتی ہوں اور (فرمایا) کہ تخصیص ہوتو کیوں ہوآپ ﷺ کا وجود تربیت تمام امت کے لیے یکساں رحمت ہے، کہ پچھلے امتیوں کا آپ ﷺ کی خدمت میں آنا اور استغفار کرنا اور کرانا جب ہی متصور ہے کہ آپ ﷺ قبر یعنی (روضہ مبارک) میں زندہ ہوں ۔ (۸)

اور اگر اہل عصر ہی کے ساتھ فضیلت مخصوص تھی تو یہ آیت:

قولہ تعالیٰ: ”النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم وازواجہ امھاتھم“ ۔ (۹) کے دو جملے جدا جدا آپ ﷺ کی حیات پر ایسی طرح دلالت کرتے ہیں کہ انشاء اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے ماننے والوں کوتو گنجائش انکار رہتی ہی نہیں اور جو شخص قرآن کے انکار سے موافق حدیث ثقلین لاریب داخل زمرہ گمراہان ہو چکا اس کی راہ پر لانے کی کوئی تدبیر نہیں ۔

غرض جو لوگ کلام اللہ کو بیاض عثمانی کہہ کر خدا کی آیات سے اپنے خیالات واھیات کو مقدم سمجھتے ہیں ۔ وہ لوگ تو اپنے عقیدہ کے موافق بھی بشہادت حدیث مذکور گمراہ ہوں گے ۔ وہ نہ مانیں تو وہ جانیں مؤمنان باخلاص کو استماع تفسیر آیت مذکور انشاء اللہ تسلیم دعوی معلوم لازم ہوگا ۔ (۱۰)

اور اس (یعنی اس مثال) کے علاوہ بھی آپ نے بہت سی امثلہ و دلیلیں کلام اللہ سے دیگر منکرین حیات النبی ﷺ کو لاجواب اور بے سہارا کردیا ۔

جیسے ”خلق الموت والحیٰوۃ لیبلوکم ایکم احسن عملاً“ ۔ (۱۱) جملہ ”لیبلوکم ایکم“ الخ ۔ یہ آیت حضرت نانوتویؒ نے ماقبل مضمون پر بیان فرماتے ہوئے تحریر فرمائی کہ

عمل اور حیات کا ارتباط کیا ہے۔ تو فرمایا کہ ”لیبلو کم ایکم “ الخ سے صاف ثابت ہے کہ عمل اصل ثمرہ حیات اور مطلوب بالذات ہے۔ سو حیات کا عمل میں مؤثر ہونا تو محتاج بیان نہیں رہا۔

رہی موت اس کا خوف اور پھر ایمان بعث جیسا باعث امتثال امر ہے۔ ایسا اور کوئی امر نہیں اس وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے یہی ارشاد فرمایا ہے۔” اکثروا ذکرھازم اللذات الموت“ ۔(۱۲) بالجملہ حیات اصل منشاء اعمال اور مبداء اعمال ہے بالذات اور اعمال کو مقتضی اور اعمال کے لیے مادہ قریب ہے اور موت بالذات مانع عمل ہے پر بالتبع مقتضی اعمال ہو جاتی ہے۔

چنانچہ مذکور ہوا اس وقت حاصل حیات قدرت ذاتی علی الاعمال اور حاصل موت عجز عن الاعمال ہوگا۔ یعنی قدرت عملیہ اور قوت اختیاریہ کا رک جانا ہوگا۔ اور یہ مورد حیات و موت اصل میں قوت عملی اور قوت اختیاری ہوگی۔(۱۳)

چنانچہ آیت: ” اللّٰہ یتوفی الانفس حین موتھا“ الخ۔(۱۴) بھی التزام اس دعویٰ کی مصدق ہے اس لیے کہ امساک اور ارسال صلوح حرکت کو مقتضی ہیں سو عمل میں بجز حرکت اور کیا ہوتا ہے۔

بالجملہ حیات و موت امساک وارسال قوت عملی ہے قوت علمی کو اس میں کچھ دخل نہیں ہے، اگرچہ اہل ظاہر بقاء علم اور زوال علم کو موت اور حیات پر موتوف سمجھتے ہیں۔ اس جگہ سے امکان ادراک ثواب و عقاب قبر اموات کے لیے مسلم ہو گیا ہوگا۔(۱۵)

مگر اس قدر ملحوظ خاطر ناظران اوراق رہے کہ جس حیات کا ثمرہ عمل ہے وہ حیات بالفعل ہے اعمال روحانی نہیں ہیں۔ ایک تو وہی عروض موت۔ دوسرے زوال علاقہ، روح اقدس و جسد مقدس ﷺ۔(۱۶)

وجہ تسمیہ:

حجۃ الاسلام حضرت مولانا نانوتویؒ فرماتے ہیں کہ اس کتاب کا نام آب حیات اس لیے رکھا کہ:

(۱) ایماہدایت انتماء حضرت پیرومرشد ادام اللہ فیوضہ برحق اس طرف مشیر ہوا کہ تقریر اثبات حیات سید الموجودات سرورکائنات ﷺ کو ہدیۃ الشیعہ سے جدا کر کے نام رکھ دیجیے۔

سو بایں نظر کہ یہ تقریر اول مثبت حیات خلاصہ موجودات علیہ وعلیٰ آلہ افضل الصلوٰت والتسلیمات ہے۔

(۲) دوسرے اس اثبات سے مردہ دل کو امید زندگانی جاودانی ہے۔ مع ھذا منشی محمد حیات صاحب موصوف گو نہ اس باب میں متقاضی ہوئے یوں مناسب معلوم ہوا کہ اس رسالہ کا نام آب حیات رکھا جائے۔(۱۷)

مختصر تعارف قبلہ نما :

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے قبلہ نما کے عنوان سے ایک کتاب تصنیف فرمائی۔ یہ حضرت نانوتویؒ کی ایک اہم اور معرکۃ الآراء کتاب ہے اور یہ دراصل انتصار الاسلام کا دوسرا حصہ ہے یہ کتاب آریہ سماج کے پنڈت دیانند سرسوتی کے ایک اعتراض کے جواب میں لکھی گئی ہے۔(۱۸)

اعتراض:

دیانند سرسوتی نے سنہ ۱۲۹۵ھ میں مسلمانوں پر یہ اعتراض کیا تھا کہ مسلمان اہل ہنود پر بت پرستی کا الزام لگاتے ہیں۔ حالانکہ وہ خود بھی ایک مکان کعبہ کی طرف سجدہ کرتے ہیں۔ جو بہت سے پتھروں سے بنا ہوا ہے حضرت نانوتویؒ نے اس اعتراض کے اولاً سات جوابات دیے ہیں اور اس میں سے ہر ایک جواب کافی شافی ہے۔ پھر اس کے بعد آٹھواں جواب دیا ہے، جس کی دو تقریریں کی ہیں (۱) ایک مجمل (۲) اور دوسرے مفصل۔ اور یہ کتاب نہایت باریک حروف کی کتابت سے ۹۶ صفحات پر مشتمل ہے اکثر حصہ اس کتاب کا مفصل جواب پر حاوی ہے۔

اور اس حقیقت کعبہ حقیقت صلوۃ سجدہ کی حقیقت استقبال کی شرح عابدیت ومعبودیت اور تجلی الٰہی اور خانہ کعبہ کا مورد ومہبط تجلی ہونا۔ اور یہ کہ جسم کی مسامتت مکان (کعبہ) کی طرف ہوتی ہے۔ اور روح کی تجلی الٰہی کی طرف اور یہ کہ مسلمان اس تجلی الٰہی کی طرف ہی سجدہ کرتے ہیں۔ اور وہ تجلی الٰہی گویا عین معبود ہوتی ہے۔ تجلی کا ورد خانہ کعبہ پر کس طرح ہوتا ہے اس کی حقیقت واضح فرمائی ہے۔ اور اس کے ساتھ نہایت ہی غامض حقائق کا ذکر کیا ہے اور ایسی عجیب علمی بحث فرمائی ہے کہ بلا مبالغہ نہ کسی کان نے سنی ہوگی اور نہ کسی آنکھ نے کسی کتاب میں دیکھی پڑھی ہوگی۔

حقیقت کعبہ حقیقت محمدیہ حقیقت صلوۃ وغیرہ جیسے دقیق اور عسیر الفہم مسائل کا تذکرہ کمال متانت

ورزانت اور عقلی انداز میں کر دیا ہے۔ عبادت کی حقیقت اور تجلی الٰہی کے ساتھ مصلی کی توجہ اور مسامتت کی دقیق و عمیق بحث پھر آخر میں بعد مجرد (بعد موہوم) پر بڑا دقیق تبصرہ کیا ہے۔ اس کتاب کی تبویب تبیین مضامین بھی نہیں کی گئی۔ حالانکہ یہ بارہا طبع ہوئی ہے، لیکن دقیق ہونے کی وجہ سے اہل علم نے ادھر توجہ نہیں فرمائی لیکن علوم قاسمیہ کا ایک بڑا حصہ اس کتاب میں آ گیا ہے۔

اور حضرت مولانا صوفی عبدالحمید مدظلہ سواتی مہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ فرماتے ہیں کہ سنا تھا کہ حضرت مولانا سید احمد رضا بجنوری صاحب (انوار الباری شرح بخاری شریف کے مصنف) نے قبلہ نما کی ایک ہزار (۱۰۰۰) عنوانات سے تسہیل و تبویب کی ہے۔ لیکن ابھی تک وہ منظر عام پر نہیں آئی۔

یہ رسالہ نادر تحقیقات کا عجیب و غریب مجموعہ ہے۔ اور اس میں جس طرح عقلی استدلال کیے گئے ہیں تو ان سے حضرت نانوتویؒ کی بلندی مرتبت نمایاں ہے۔ (۱۹)

اور حضرت مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری توثیق الکلام کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ حضرت مولانا اشتیاق احمد صاحب نے اس کی قابل قدر خدمت کی ہے۔

مگر اس سے کماحقہ کتاب حل نہیں ہوگی۔ اور حضرت الاستاذ مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ ایک خاص نہج پر اس کی شرح تحریر فرمائی تھی۔ مگر وہ ضائع ہوگئی۔

مختصر تعارف ہدیۃ الشیعہ:

بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تصنیفات میں سے ایک تصنیف ہدیۃ الشیعہ بھی ہے۔

سنہ ۱۲۸۳ھ میں شیعہ کے کچھ اعتراضات کے بارے میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے ایک خط حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی طرف لکھا تھا۔ کہ ان اعتراضات کے جوابات لکھ کر روانہ فرمائیں۔

حضرت مولانا نانوتویؒ نے متفرق اوقات میں ان اعتراضات کے جوابات لکھ کر ماہ صفر سنہ ۱۲۸۴ھ یعنی چند ماہ میں اس کو مکمل کیا۔ اور اس کا نام ہدیۃ الشیعہ رکھا اس کتاب میں شیعہ حضرات کے تمام اور ما بہ الامتیاز مسائل کا ذکر آ گیا ہے۔ یعنی خلافت، حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ایمان و مقام، شیعوں کا عقیدہ وتقیہ، مباحث فدک، وراثت وغیرہ۔ حضرت مولانا نانوتویؒ نے قرآن کریم اور وہ احادیث جو اہل سنت والجماعت کی مسلمہ ہیں اور پھر ان روایات سے بھی جو مسلم عند الشیعہ ہیں تمام اعتراضات کے لیے ایسے مسکت جوابت دیے ہیں کہ ان کے جوابات سے انشاء اللہ تعالیٰ شیعہ ہمیشہ عاجز رہیں گے۔ (۲۰)

خصوصیتِ کتاب:

اس کتاب یعنی ہدیۃ الشیعہ کی خصوصیت یہ ہے کہ عام فہم اردو زبان میں لکھی گئی ہے اور اس میں منطقی اصطلاحات وغیرہ کا ذکر بھی کم ہے۔ اس سے عام تعلیم یافتہ حضرات بخوبی استفادہ کر سکتے ہیں اور اس کتاب میں ضمناً ایسے عجیب وغریب علمی نکات بیان کیے گئے ہیں کہ جن سے اہل علم کو ایقان واذعان نصیب ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس عالم برحق کو دین قیم کے بارے میں کتنی عظیم سمجھ عطا فرمائی تھی یہ کتاب اس پر دال بین ہے۔ (۲۱)

یہ کتاب پاکستان میں دوبار طبع ہوئی ہے پہلی مرتبہ کراچی میں۔پہلی طباعت کے وقت حضرت مولانا اسلم صاحب (سابق خطیب مسجد ہیڈکوارٹرز کراچی) نے کتاب میں جابجا عمدہ ومفید عنوانات قائم کیے ہیں۔ جس سے کتاب کی اچھی تبویب وتسہیل سے اس کتاب کے مضامین ومسائل زیادہ قریب الفہم ہوگئے ہیں ساتھ ہی کتاب کی فہرست بھی مرتب کی ہے۔

اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطافرمائیں اوراس کتاب کی دوسری طباعت لاہور میں مکتبہ نعمانیہ والوں نے کرائی ہے۔(۲۲)

کتاب کا مطالعہ کن کے لیے ضروری ہے:

بہر حال جوحضرات فرقہ شیعہ کے ساتھ مبتلا ہوتے ہیں۔ان کے لیے بالخصوص اور عام اہل علم کے لیے بالعموم اس کتاب کا مطالعہ از حد ضروری ہےاور غایت درجے کا مفید ہے۔(۲۳)

انتخاب نام کا راز:

اور حضرت مصنفؒ فرماتے ہیں کہ اس کتاب کا نام ہدیۃ الشیعہ رکھا۔اور وجہ اس نام کے رکھنے کی (حالانکہ یہ رسالہ بظاہر تو مؤید اہل سنت ہے۔اوراس وجہ سے تو ہدیہ اہل سنت رکھنا مناسب تھا) یہ ہے کہ بہ نسبت اہل سنت کے شیعوں کے حق میں یہ رسالہ زیادہ تر مفید ہے۔

اہل سنت کے لیے تو اس میں اتنا ہی فائدہ ہے۔کہ کچوں کے لیے مفید یقین اور پکوں کے لیے باعث اطمینان ہے پر شیعوں کے حق میں اگر انصاف کریں تو ذریعہ حصول ایمان ہے۔کیونکہ ان اوراق میں اگر استدلال ہےتو وہ تین چیزوں سے استدلال ہے۔

(۱) قرآن مجید (۲) احادیث صحیحہ (۳) کتب معتبرہ شیعہ یا دلائل عقلیہ واضحۃ

الدلالت سوان تینوں کا مسلم ہونا شیعوں کے نزدیک مسلم ہے۔ (۲۴)

کتاب کی کھلی صداقت:

اور حضرت نانوتویؒ فرماتے ہیں کہ یہ سن کر بوجہ گمنامی احقر شاید کسی کو یہ بدگمانی ہو کہ استدلال تو سبھی کرتے ہیں پر استدلال کرنا کسی کسی کو آتا ہے۔

سواس کا جواب یہی ہے کہ یہ رسالہ موجود ہے ہمارا کہنا باور نہ کیجیے اس رسالہ ہی کو دیکھ لیجیے۔

صاحبو! دیوانہ ہوں ولیکن بات کہتا ہوں ٹھکانے کی ببرکت اہل بیت کرام اور صحابہؓ عظام امید یوں ہے کہ انشآءاللہ منصفان فہمیدہ آفریں ہی کریں گے۔ اور کوئی کہے تو یہ کہیے گا۔

گاہ باشد کہ کودک ناداں　　بغلط بر ہدف زند تیرے

سو یہ سب سچ ہے اپنے آپ کو کون نہیں جانتا غرض اپنی نسبت جو کچھ کہیئے بجا ہے پر اس رسالہ کے مضامین کی حقانیت کا دعویٰ بھی بیجا نہیں۔ انشآءاللہ بعد ملاحظہ معلوم ہوگا۔ (۲۵)

نقل روایت میں مصنفؒ کا رویہ:

حضرت نانوتویؒ فرماتے ہیں کہ اگر بہ نسبت انبیآءوالمرسلین یا بزرگان اہل بیت واصحاب سید المرسلین ﷺ اس رسالہ میں کوئی حرف نامناسب دیکھ کر الجھیں تو مجھے اس سے بری الذمہ سمجھیں۔

کیونکہ ایسا مذکور کہیں کہیں ناچاری بغرض الزام شیعہ آ گیا ہے۔ تو اس کا بار بھی انہی کی گردن پر ہے۔

یہ سب انہوں ہی نے کرایا ہے۔

اور اس کے بعد فرمایا کہ بوجہ بے سروسامانی احقر کسی شیعہ کو نقل روایات میں کچھ تامل ہو تو وہ البتہ چند وجوہ سے بجا ہے۔

اول: اول تو کتب شیعہ کسے میسر نہیں، سنیوں کو کیا غرض جو فراہم کریں۔

شیعوں کو بحکم مثل مشہور ہے''اہل البیت ادری بما فیہ''۔یعنی گھر والے گھر کی بات خوب جانا کرتے ہیں بلحاظ خوبی مضامین سنیوں کے دینے میں دار وگیر اور طعن و تشنیع اور مضحکہ کا اندیشہ پھر کوئی سنی لائے تو کہاں سے لائے۔ جو کوئی روایت مفید طلب سنیاں کسی رسالہ میں درج کی جائے۔

دوسرے: دوسرے یہ کتابیں اگر فرض کر و ملیں بھی تو مجھ سے بے سروسامانی کے ملنے کی تو کوئی صورت بھی نہیں کیونکہ اپنی کتابیں جب پاس نہ ہوں تو دوسروں کی کتابیں کیا ہوں گی۔

تیسرے: تیسرے نقل مشہور ہے''المرء یقیس علیٰ نفسہ'' شیعوں کے دروغ مذہبی نے شیعوں کے نزدیک سنیوں کا اعتبار بھی نہیں رکھا۔

پھر حسب مثل مذکور اگر شیعہ اس سنی مشرب کو بھی جھوٹا سمجھیں تو سمجھ کی بات ہے۔ بالجملہ بوجوہ مذکورہ خاص کر بوجہ اول اس بات میں کسی شیعہ کو تامل ہو جائے تو بجائے خود ہے۔(۲۶)

اور حضرت نانوتویؒ نے اس کتاب یعنی ہدیۃ الشیعہ میں یہ بات ثابت فرمادی کہ مذہب اہل سنت موافق قرآن مجید اور حدیث پاک ہے۔ اور مذہب شیعہ مخالف ہر دو ہے۔

اہل سنت اہل حق اور شیعہ اہل باطل ہیں:

دلائل:

تو حضرت مصنفؒ فرماتے ہیں کہ تفصیل اس بات کی کہ اہل سنت کا مذہب موافق ثقلین یعنی کلام اللہ اور عزت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق ہے اور شیعوں کا مذہب مخالف ثقلین ہے۔

اور یہ بات کہ پیشوایان شیعہ کے حق میں حضرات ائمہ نے کیا کیا کچھ کہا ہے اس رسالہ مختصر میں سما نہیں سکتا لیکن بطور نمونہ ایک دو باتیں عرض کرنی ضروری سمجھیں۔ اہل انصاف اسی ہی سے سمجھ جائیں گے۔

دلیل کلام اللہ سے:

قولہ تعالیٰ:

الذین آتیناھم الکتاب یتلونہ حق تلاوتہ اولئک یومنون بہ ۔الخ(۲۷) تو فرمایا کہ حاصل اس کا یہ ہے کہ جن کو ہم نے دی ہے کتاب وہ اس کو پڑھتے ہیں جو حق ہے پڑھنے کا وہی اس پر یقین لاتے ہیں اور جو منکر ہوگا اس سے سوانہیں کو نقصان ہے۔

اس آیت کے مضمون کو دیکھنے کے بعد تصور میں نہیں آتا کہ کسی کو دوبارہ حقیقت مذہب اہل سنت میں شک رہے۔اور جب اس میں شک نہ رہا تو اس کا پہلے یقین ہو جائے گا کہ مذہب شیعہ باطل ہے۔(۲۸)

کلام اللہ پر بے اعتباری ظاہر کرنا خود اپنے خیال کی بیخ کنی ہے:

مع ھذا ثقلین جو کہ متفق علیہ طریقین ہیں اس بات پر شاہد ہیں کہ کلام اللہ اور عزت رسول اللہ ﷺ دونوں کے ساتھ تمسک رہے گا تو گمراہی پیش نہ آئے گی۔ پھر جب کلام اللہ سے جو موافق حدیث مذکور دونوں میں اعظم ہی تمسک میسر نہیں تو بشہادت عقل سلیم ہدایت بھی نہیں سراپا گمراہی ہے۔

(الغرض شیعہ حضرات اگر یہ احتمال کریں تو یہ تو اور الٹے اپنے ہی پاؤں پر تیشہ مارنا ہے)

کلام اللہ سے اعتبار اٹھ جانا، احادیث پر سے اعتبار کو پہلے کھو دیتا ہے:

ادھر بالبداہت اور بالاجماع کسی فرقے کی کوئی حدیث اس درجے کو شائع و ذائع نہیں ہوئی ہے کہ جس درجے کو کلام اللہ شائع وذائع ہوا ہے۔ اور نہ اس طرح سے کسی حدیث کے سارے راوی اس کی روایت میں متفق اللفظ۔ پھر جب کلام اللہ کا اعتبار نہیں۔اس کا کاہے کو ہوگا۔ پھر جس میں راویان احادیث

شیعہ کے احوال کواور ان احادیث کے تعارض کو دیکھیئے تو بے اعتباری میں نہایت ہی کو پہنچ جائیں گی بہر حال اگر یہ شبہ علماء شیعہ پیش کریں۔ اور اکثر مواقع میں پیش کرتے رہیں تو ہمارے لیے بہت تخفیف تصدیع ہے۔ ع عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

کلام اللہ میں کمی وبیشی کا خیال تلاوت اور حفظ قرآن مجید کا خاتمہ کر دیتی ہے:

مع ھٰذا شیعوں ہی کے اقرار سے ہمارا وہ دعویٰ جو تفسیر پر شرح آیت مسطور میں گذرا ہے۔

خدا ساز ثابت ہوگیا کیونکہ جب قرآن مجید میں اس درجہ کو کمی وبیشی ہے تو پھر جسے قرآن مجید کہتے ہیں قرآن ہی نہ ہوا۔

اب اگر شیعہ اس سے یاد بھی کرلیں اور تلاوت کا جیسا حق ہے ویسی ہی تلاوت کریں تب بھی فی الواقع تلاوت قرآن اور حفظ قرآن نہ ہوگا۔ دوسرے تمام روایت امامیہ میں موجود ہے کہ تمام اہلبیت اسی قرآن مجید کو پڑھتے تھے اور اسی کے عام وخاص سے تمسک کرتے تھے۔

اور بطور استدلال اسی قرآن مجید کی آیات کو پیش کرتے تھے۔ اور اسی کی تفسیر کرتے تھے اور حضرت امام حسن عسکری کی طرف جو تفسیر منسوب ہے تو اسی قرآن کی ہے لفظاً لفظاً اور اہل بیت اپنے لڑکوں کو اور باندیوں اور خادموں اور اہل وعیال کو یہی قرآن مجید تعلیم فرماتے تھے اور اسی قرآن مجید کے پڑھنے کا نمازوں میں حکم فرماتے تھے۔ (۲۹)

شیعوں کے حافظ نہ ہونے کا واقعات سے ثبوت:

منجملہ حفاظ شیعہ مولوی جعفر علی صاحب پیش امام دھلی جو ورع اور تقویٰ وعلم وفضل میں مجتہد زمانہ نہیں تو مجتہد ثانی تو بیشک وشبہ ہیں۔ ان کے حفظ کی یہ کیفیت ہے کہ رمضان المبارک میں غدر سے پہلے بچشم خود اس

احقر نے دیکھا ہے کہ جلسہ تلاوت قرآن مجید میں جو دن کو نواب حامد علی خاں کی مسجد میں ہوا کرتا تھا۔ مثل دیگر حضار شیعہ مذہب حمائل میں دیکھ دیکھ کر پڑھتے تھے۔ پھر بھی دو جگہ غلط پڑھ گئے۔ اور خداوند کریم حق نمایاں دیکھیے کہ اسی جلسہ میں حفاظ اہلسنت جو بطور سیر آ جاتے تھے اور اہل تشیع دب جاتے تھے اور ان کو بھی پڑھنے کے لیے کہتے۔ تو وہ برزبان ہی پڑھتے تھے، مگر تاہم دیدہ عبرت شیعہ کشادہ نہیں ہوتا تھا اور راسی طرح کئی واقعات ہیں۔ (۳۰)

قرآن کی حفاظت کا ثبوت خود قرآن کی زبانی:

اور حضرت نانوتویؒ فرماتے ہیں کہ جس زمانہ میں فرض کر لیجیے کہ اس میں فلانے شخص نے کلام اللہ میں کم کر دیا یا اس میں کچھ بڑھا دیا۔ جیسے شیعوں کو خلیفہ ثالث کی طرف بدگمانی ہے تو ایک دو کلام اللہ میں بڑھایا گھٹایا ہوگا تمام عرب ممالک اور ملک روم اور ملک ایران و یمن کے مصاحف میں (کہ ان کے خلیفہ ہونے سے پہلے یہ تمام ممالک تحت تصرف اسلام آ چکے تھے اور سوائے ملک عرب کے وہ سارا کا سارا مسلمان ہو چکا تھا اور ممالک کے باشندوں میں سے بھی لکھوکھا آدمی مسلمان ہو چکے تھے۔ اور قرآن مجید کو فرمان خداوندی ہی سمجھ کر ہر کوئی حرز جان سمجھتا تھا۔ اور مجموعہ ایمان تصور کر کے اس کی یادگاری اور تلاوت میں مشغول تھا کمی و بیشی ہرگز قرین عقل نہیں۔ علاوہ بریں اس زمانہ میں حفاظ کی نوبت لکھوکھا کو پہنچی تھی خلیفہ ثالث نے ان کے سینوں سے کیونکر نکال دیا ہوگا۔ کہ تمام عالم میں قرآن محرف ہی مروج ہو گیا ہوگا۔

ان وجوہ کے نظر کرنے کے بعد اہل عقل کا تو یہ کام نہیں کہ قرآن مجید کی نسبت اس بات کے قائل ہوں کہ اس میں کچھ کمی یا بیشی وقوع میں آتی ہو۔ (۳۱)

دوسرے اگر کلام اللہ ہی آیات سے کلام اللہ کے بجنسہ محفوظ ہونے پر استدلال کریں تو درصورتیکہ طریقہ استدلال صحیح ہو واجب التسلیم ہوگا۔ اسلیے کہ کلام اللہ کو جو ہم نے تجسیس کیا تو آیات کثیرہ اس پر شاہد

نکلیں کہ کلام اللہ تا ہنوز موافق نزول کے بجنسہ باقی ہے، کسی قسم کا تغیر و تبدل اس میں وقوع میں نہیں ایا نہ کمی ہوئی اور نہ ہی بیشی ہوئی۔ نہ کسی لفظ کے عوض میں دوسرا لفظ مشہور و معروف ہو گیا۔ سب کو لکھ کر اس مضمون کو ثابت کیجیے۔ اس کی تو گنجائش نہیں فقط ایک آیت کا لکھنا ضروری سمجھتا ہوں اور اسی پر اکتفاء کرتا ہوں۔

سورہ حجر میں ارشاد ہوا۔

انانحن نزلنا الذکر وانالہ لحافظون ۔(۳۲) یعنی ہم نے آپ اتاری ہے یہ نصیحت اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں فقط۔

اب جائے غور ہے کہ باوجود اس پختہ وعدہ کے جو مؤکد بچند تاکید ہے۔ چنانچہ واقفان علم معانی واقف ہیں پھر نہ جانے خلیفہ ثالث نے کیا ستم کیے ہیں۔ کہ قرآن اصلی کا بالکل نام ونشان ہی مٹا دیا ہے۔ اللہ اللہ کیا کچھ قدرت وطاقت تھی کہ نعوذ باللہ خدا تعالیٰ کی بھی نہ چلنے دی۔

سورتیں کی سورتیں نکال ڈالی اور آیتیں کی آیتیں بدل دیں زہے نصیب اہل سنت جن کے ایسے پیشوا ہوں۔

دلیل:

عن ھشام بن سالم عن ابی عبداللہ "ان القرآن الذی جآء بہ جبرئیل الی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سبعۃ عشر الف آیات "۔یعنی ھشام بن سالم حضرت امام جعفر صادقؒ سے روایت کرتا ہے کہ وہ قرآن مجید جو حضرت جبرئیلؑ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے تھے۔ اس کی سترہ ہزار آیتیں تھیں فقط۔ (۲۱) اب دیکھیے کہ یہ کلام اللہ جو اب موجود ہے، اس میں تو کل قریب چھ ہزار آیتوں کے ہیں شیعوں کی اس روایت کے موافق کوئی دو تہائی کلام اللہ چوری ہو گیا۔

اس سے بہتر تو یہ تھا کہ خداوند کریم ذمہ کش حفاظت نہ ہوتے اس کی حفاظت کے بھروسے اتنیان

محمد ﷺ بھی بے فکر ہو بیٹھے۔ ورنہ بہت ہوتا تو اتنا ہی نقصان ہوتا کہ جتنا تورات وانجیل میں ہوا تھا۔ (۳۳)

(اور اسی طرح حضرت مصنفؒ نے کئی امثلہ ودلیلیں دیکر مذہب اہل سنت کو اہل حق اور مذہب شیعہ کو اہل باطل ثابت کیا ہے۔ اور اسی طرح اس میں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ کے مقام کو بیان فرمایا اور ان پر جو شیعوں کے اعتراضات وبکواسات تھے۔ ان کا بھی دندان شکن جوابات دیے ہیں۔ اور اسی طرح عقیدہ تقیہ، اور اس کے عقلی ونقلی مباحث بیان کیے) بطور مثال حضرت صدیق اکبرؓ کے بارے میں کچھ تحریر کردوں۔

مناقب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

تو فرمایا اب وہ سنیئے کہ جس سے خاص حضرت ابوبکر صدیقؓ کی فضیلت ثابت ہووے۔ رضی کی نہج البلاغۃ میں جو شیعوں کے نزدیک مثل وحی آسمانی سے روایت کیا ہے۔ عن امیر المؤمنین انه قال لله بلا دابی بکر فلقد قوم الاود، واوی العمد الخ۔ (۳۴)

حاصل کلام:

حاصل اس کا یہ ہے حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا ہی کے واسطے ہیں شہر ابوبکر کے (یعنی چونکہ ابوبکر کے شہر خدا ہی کے تھے تو خدا ہی کے رتبے کا ظہور ہوا اور ظاہر ہے کہ جس کا خدا متولی ہو وہ شخص لاجرم بڑا ہی صاحب کمال ہوگا) یعنی ابوبکرؓ میں خداداد خوبیاں ہیں پس قسم ہے کہ انہوں نے سیدھا کردیا کجی کو اور اصلاح کردیا ستون کو اور قائم کردیا سنت کو پس پشت ڈالا انہوں نے بدعت کو۔ دنیا سے پاک وامین بے عیب گئے۔ خوبی خلافت کی ان کو نصیب ہوئی اور آگے چلدئے خلافت کے فسادوں سے۔ ادا کی انہوں نے خداوند کریم کی طاعت پرہیزگار رہے حق پرہیزگاری کا چلدیے اور لوگ مختلف

رستوں میں حیران ہیں کہ نہ گمراہوں کو راہ ملی ہے اور نہ ہدایت والوں کو اپنی ہدایت کا یقین ہے۔ یہاں تک حاصل معنی خطبہ مرقومہ ہوا۔ (۳۴)

اور اسی طرح حضرت نانوتوی نور اللہ مرقدہ نے اپنی اس تصنیف میں صحابہ کرامؓ کا مقام و مرتبہ اور ان کی استقامت و شجاعت اور صحابہؓ کی محبت کا مقام اور کئی مضامین بیان فرمائے۔ اور فرمایا کہ صحابہ کرامؓ شیعوں کے بھی محسن ہیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین شیعوں کے بھی محسن ہیں:

تو فرمایا کہ منکرین صحابہ کرامؓ کو جو نوبت کلمہ گوئی کی آئی اور بزعم خود مسلمان ہوئے تو یہ صحابہ کرامؓ ہی کی جوتیوں کا صدقہ ہے۔

نہ وہ جہاد کرتے نہ اس طرح اسلام پھیلتا اور نہ یہ کلام اللہ کا رواج ہوتا کہ شیعہ تک باوجودیکہ کلام اللہ کو ان سے کیا نسبت۔ کلام اللہ کی تلاوت سے مستفید ہوتے ہیں۔

پھر بایں ہمہ اگر ان کے شکر گذار ہوں نہ ہوں تو پھر کس کے ہوں گے۔ اور اگر ان کے حق میں گستاخی کریں گے تو پھر کس کا ادب کریں گے۔ ان سے بڑھ کر اور کون کا فر نعمت ہوگا۔ (۳۵)

مختصر تعارف وتذکرہ اجوبہ اربعین:

حجۃ الاسلام بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تصانیف میں سے ایک تصنیف اجوبہ اربعین یعنی چالیس جوابات پر مشتمل کتاب ہے۔اور یہ تصنیف بھی انتہائی اہم ہے۔اور اجوبہ اربعین بھی ان کتب میں سے ہے کہ جن میں حضرت نانوتویؒ کے علوم و فیوض، مناظرہ، وتنقیدانہ، مضامین کا وقیع سرمایہ موجود ہے۔اور یہ کتاب اہل رفض وتشیع کے رد میں ہے (برصغیر پاک و ہند) میں نویں اور دسویں صدی ہجری سے تشیع ورفض کا فتنہ بڑے پیمانے پر پھیلا ہوا ہے۔

قدیم ادوار میں علماء کرام (یعنی علماء اہل سنت والجماعت) کے جید اور محقق حضرات اس فتنہ کا اپنے اپنے دور میں رد کرتے رہے ہیں۔

چنانچہ امام ابن تیمیہؒ نے اس فرقہ ضالہ کا اپنی معروف ومشہور کتاب ''منہاج السنہ'' میں بڑی قوت و شدت کے ساتھ رد کیا ہے۔(۳۶)

امام مجدد الف ثانیؒ نے بھی اس سلسلہ میں عظیم کام کیا۔اور پھر ان کے بعد امام ولی اللہؒ نے اس فتنہ کی بہت سرکوبی کی ہے پھر آپ کے فرزند امام عبدالعزیزؒ نے ایک ایسی عمدہ کتاب فارسی زبان میں میں لکھی ہے۔ جس کے بارے میں محترم امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنویؒ فرماتے ہیں کہ:

تحفہ اثناعشریہ کا جواب اہل تشیع قیامت تک نہیں دے سکتے۔ ہمارے اکابرین حضرت نانوتویؒ نے بھی اس فتنہ کے رد میں متعدد کتابیں ورسائل و مکاتیب لکھے ہیں۔ چنانچہ ہدیۃ الشیعہ جیسی گرانقدر کتاب جو عمدہ اور سہل عام فہم زبان میں تحریر فرمائی ہے، پھر اجوبہ اربعین کا نمبر ہے۔اس کے علاوہ انتباہ المومنین بزبان فارسی اور فیوضات آب حیات کا ایک بڑا حصہ بھی اس فتنہ کے رد پر مشتمل ہے۔

اجوبہ اربعین کے نام سے ظاہر ہے کہ اس کتاب میں اہل رفض وتشیع کی طرف سے چالیس اعتراضات اہل سنت والجماعت پر کیے گئے ہیں۔ان کے دندان شکن اور مسکت جوابات دیے گئے ہیں اور

یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔

حصہ اول:

اور اس کا پہلا حصہ حضرت نانوتویؒ نے ایک دن رات میں مکمل کیا ہے: اور اس میں ۱۲۸ اعتراضات کے جوابات دیے گئے ہیں۔ اور حضرت نانوتویؒ کے ساتھ مولانا عبداللہ انصاریؒ (سابق ناظم دینیات مدرسہ علی گڑھ) بھی شریک تھے۔ اور یہ حضرت مصنفؒ کے داماد تھے۔ اور یہ دارالعلوم دیوبند کے قدیم فضلاء میں سے تھے بڑے ہی نیک وصالح انسان تھے۔

ترتیب جوابات:

حضرت نانوتویؒ کے ساتھ ہر ایک اعتراض کا ایک ایک جواب حضرت مولانا عبداللہ انصاریؒ نے بھی تحریر فرمایا ہے:

پہلا جواب حضرت نانوتویؒ کا اور دوسرا جواب مولانا عبداللہ انصاریؒ کا ہے۔ بعض جوابات نہایت مختصر ہیں۔ اور بعض طویل ہیں۔ جوابات لاجواب ہیں۔ جن کے پڑھنے اور ان میں غور وفکر وتدبر کرنے کی ضرورت ہے اور انصاف شرط ہے۔ اور حصہ اول میں زیادہ تر بحث مسئلہ خلافت کے بارے میں تحقیقات پر مشتمل ہے یہ مسئلہ ایک اہم اور اصولی مسئلہ ہے اور خلفائے راشدین اربعہ کی خلافت علی منہاج النبوۃ ہے اور علی الترتیب ان کے مراتب بھی اسی طرح ہیں جب تک اس اصولی مسئلہ پر یقین نہ ہو۔ دیگر شرائع اور احکام کا ثبوت بڑا مشکل ہے۔ (۳۷)

حصہ دوم:

اور اس کتاب کا دوسرا حصہ جوکہ بارہ اعتراضات کے جوابات پر مشتمل ہے اور یہ صرف حضرت نانوتوی کے قلم حق رقم کا مرہون منت ہے۔ اس میں دقت نظر، زیرکی عمیق حقائق و معارف لطائف وظرائف کا گنج گراں مایہ موجود ہے۔

حضرت نانوتویؒ نے اس میں متعہ کا مسئلہ فدک وراثت جیسے اہم مسائل کے علاوہ مسئلہ حیات النبی ﷺ پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ یہ حصہ زیادہ دقیق صعب اور بہت سے اہم علمی نکات پر مشتمل ہے۔ (۳۸)

مختصر تعارف تحذیر الناس من انکار اثر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تصانیف میں سے ایک تحذیر الناس بھی ہے اور یہ مختصر رسالہ بھی حضرت مصنفؒ کا ایک معرکۃ الآراء اور علمی رسالہ ہے ایک استفتاء کے جواب میں حضرت نے تحریر فرمایا ہے رسالہ اپنے استدلال اور علمی نکات کی دقت کی وجہ سے مشکل ہے۔ اور بعض لوگوں نے کم فہمی یا اپنی شقاوت کی وجہ سے عبارتوں میں قطع برید و تقدیم و تاخیر کر کے کچھ کا کچھ بنا کر حضرت نانوتویؒ پر تکفیر بازی بھی کی ہے۔

دراصل رسالہ میں حضرت نے آیت ختم نبوت (خاتم النبیین ﷺ) کی ایسی عالی تحقیق فرمائی ہے کہ جس کی مثال علمی لٹریچر میں نہیں مل سکتی۔ ختم نبوت زمانی، مکانی اور رتبی ہر طرح حضور اقدس ﷺ پر ختم ہے۔ (۳۹) اور اس کتاب میں آپؒ نے خاتم النبیین کے معنی بھی بیان فرمائے۔ اور فرمایا کہ نبوت کمالات علمی میں سے ہے اسی طرح اور بھی کئی علمی اور اہم نکات بیان فرمائے جو کہ اس رسالہ مختصر میں ذکر نہیں کے جاسکتے۔

مختصر تعارف قصائد قاسمی:

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تصانیف میں سے ایک قصائد قاسمی بھی ہے اس رسالہ میں حضرت مولانا کے چند قصائد ہیں۔ایک قصیدہ بہاریہ جو حضور اکرم ﷺ کی مدح میں بزبان اردو ہے۔جس کے ایک ایک شعر سے حضور ﷺ کے عشق و محبت لگاؤ و تعظیم ظاہر ہوتی ہے۔اور ایک قصیدہ عربی زبان میں ہے جو ترکی خلافت کے خلیفہ وقت سلطان عبدالحمید کے بارے میں لکھا ہے۔یہ بھی بڑا معیاری قصیدہ ہے۔زبان کے اعتبار سے کسی متقدم شاعر کی فصاحت و بلاغت سے کم نہیں۔اسی طرح ایک قصیدہ فارسی زبان میں ترکی خلافت کے متعلق ہے۔اس دور میں علماء دیوبند کا ایک بنیادی نظریہ خلافت اسلامیہ کے ساتھ اتصال تھا جس کے نمائندے ترکی تھے۔ایک قصیدہ اپنے رفیق شہید حضرت حافظ ضامن کا مرثیہ لکھا ہے۔

اور شجرہ منظومہ بھی فارسی زبان میں ہے۔اور اس مجموعہ میں کچھ قصائد دوسرے اکابر کے بھی ہیں۔ مثلاً مولانا ذوالفقار علی صاحبؒ مولانا فیض الحسن۔مولانا محمد یعقوب صاحبؒ کا بھی ایک قصیدہ اس مجموعہ میں شامل ہے۔(۴۰)

تصانیف حضرت نانوتویؒ:

اپنی بساط کے مطابق حضرت مصنفؒ کی چار پانچ کتابوں کا مختصراً کچھ تعارف و تذکرہ تحریر کیا ہے۔ ورنہ حضرت مصنفؒ کا علمی مقام اور ان کی تصانیف کا مقام تو ابتداء حالات مصنفؒ سے ہی بخوبی معلوم ہو چکا ہے۔کہ ان کی مثال و مقام کیا ہے۔

ان کے علاوہ وہ کتابیں جو طبع ہو چکی ہیں۔ان کے نام بھی ذکر کر دیتا ہوں تا کہ اہل ذوق کو مزید سہولت ہو مطالعہ میں۔

(۱) حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ (۲) تقریر دیوبند (۳) انتصار اسلام (۴) مناظر عجیبہ (۵) مکاتیب حضرت

نانوتویؒ (۶) تصفیۃ العقائد (۷) اسرار قرآنی (۸) تحفہ لحمیہ (۹) انتباہ المؤمنین (۱۰) میلہ خدا شناسی (۱۱) مباحثہ شاہ جہانپور (۱۲) الحق الصریح فی اثبات التراویح (۱۳) اسرار الطہارۃ (۱۴) توثیق الکلام فی الانصات خلف الامام (۱۵) الدلیل المحکم (۱۶) لطائف قاسمی (۱۷) جمال قاسمی (۱۸) فیوض قاسمیہ (۱۹) مصابیح التراویح (۲۰) حاشیہ بخاری شریف (۲۱) فتویٰ متعلقہ اجرت تعلیم (۲۲) جواب ترکی بترکی (۲۳) اجوبہ الکاملہ فی الاسولۃ الخاملۃ (اردو) (۲۴) مکاتیب قاسمی (۲۵) الخط المقسوم من قاسم العلوم (عربی) ۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے مکتوبات کے مجموعوں اور متعلقہ کتابوں کی فہرست

(الف)

حضرت مولانا کے مکتوبات اور تالیفات مشتمل مکتوبات کے قلمی مجموعے جو ابھی تک چھپے نہیں

نمبر	مکتوبات	مرتب	تالیف	کاتب	سنہ کتابت
۱	مکتوبات بنام حضرت حاجی امداداللہ	مولانا عبداللہ گنگوہی وفات ۱۳۳۹ و مولانا عاشق الٰہی میرٹھی	ندارد	بہ ظاہر نقل نسخہ مولفین	مکتوبہ قبل از ۱۳۲۲ھ
۲	مکتوبات قاسمی قلمی	مولانا عبدالغنی پھلاودہ		بقلم محمد ابراہیم پھلاودہ	مکتوبہ ۱۳۲۲ھ
۳	تنویر النبراس	مولانا عبدالغنی پھلاودہ	۱۲۹۱ھ	ایضا	مکتوبہ ۱۳۴۳ھ

(ب)

حضرت مولانا کی وہ تالیفات یا فہرست تالیفات میں شامل وہ کتابیں جو مکتوبات پر مشتمل ہیں یا ان میں مکتوبات بھی شامل ہیں۔

نمبر	مکتوبات	مرتب	تالیف	کاتب	سنہ کتابت
۱	انتباہ المومنین	مولانا حبیب الرحمٰن سہارنپوری	۱۲۸۴ھ	مطبع احمدی میرٹھ	۱۲۸۴ھ

۲	مصابیح التراویح	حضرت مصنف	۱۲۸۸ھ	مطبع ضیائی میرٹھ	۱۲۹۰ھ
۳	اجوبہ اربعین	منشی محمد حیات میرٹھی	۱۲۹۱ھ	مطبع ضیائی میرٹھ	۱۲۹۱ھ
۴	تصفیۃ العقائد	مرتب کی تحقیق نہیں	۱۲۹۸ھ	مطبع ضیائی (ہاشمی) میرٹھ	شعبان ۱۲۹۸ھ
۵	اسرار قرآنی	مفتی ابراہیم شاہجہاں پوری	۱۳۰۴ھ	مطبع گلزار احمدی مراد آباد	۲۵رجب ۱۳۰۴ھ
۶	مناظرہ عجیبہ	مولانا محمد حسن ابن احمد حسن الہ آبادی	ندارد	گلزار ابراہیم مراد آبادی	
۷	الحظ المقسوم من قاسم العلوم	مولانا حکیم رحیم اللہ بجنوری	۱۳۲۰ھ	مطبع مشرق العلوم، بجنور	۱۳۲۰ھ

﴿ج﴾

مکتوبات وافادات کے مجموعے

نمبر	مکتوبات	مرتب	تالیف	کاتب	سنہ کتابت

۱	قاسم العلوم کل چار شمارے (جس میں خطوط وافادات ہیں)	منشی ممتاز علی میرٹھی دہلوی	۱۲۹۲ھ	مجتبائی دہلی	۱۲۹۲ھ۱۵ ربیع الاول سے ۱۵ جمادی الثانی ۱۲۹۲ھ
۲	فیوض قاسمیہ	مولانا عبدالعدل پھلتی	۱۳۰۳ھ	مطبع ہاشمی میرٹھ	صفر۱۳۰۴ھ
۳	جمال قاسمی	مولانا جمال الدین بجنوری دہلوی	۱۳۰۹ھ	مطبع مجتبائی دہلی	۱۳۰۹ھ
۴	لطائف قاسمیہ	معلوم نہیں	۱۳۰۹ھ	مطبع مجتبائی دہلی	ایضا
۵	فرائد قاسمیہ	مولانا عبدالغنی پھلاودی	۱۳۱۳ھ	ادارہ ادبیات دہلی	۱۴۰۰ھ

مکتوبات کے وہ مجموعے یا وہ کتابیں جن میں حضرت مولانا کے مکتوبات بھی شامل ہیں

نمبر	مکتوبات	مرتب	تالیف	کاتب	سنہ کتابت
۱	مکتوبات قاسمیہ	مرتب کا نام درج نہیں	ندارد	دارالمولفین مطبع قاسمی دیوبند	ندارد
۲	مکتوبات اکابر دیوبند	منشی نورالحق عثمانی دیوبندی	۱۳۶۹ھ	معراج بک ڈپو دیوبند	۱۴۰۰ھ

۳	جیون چرتر سوامی دیانند سرسوتی	جامع لیکھرام آریہ مسافر، مرتبہ لکشمن	۱۲۹۱ھ	اسٹیم پریس لاہور	۱۸۹۷ء

حضرت مولانا کے مکتوت الیہ اصحاب اوران کے نام خطوط کے مندرجات کی فہرست

۱	۱	سرسید احمد خاں	تصفیۃ العقائد	سرسید احمد کے عقائد و نظریات کارد	۳۲ تا ۳۶
۲	۱	مولانا سید ابو المنصور دہلوی (امام فن مناظرہ)	تذکرہ مولانا محمد احسن نانوتوی	مولفہ محمد ایوب قادری	۶۱ تا ۶۲ کراچی ۱۹۶۱ء
۳	۱	مولانا احمد حسن امروہوی	قاسم العلوم مکتوب ۵ شمارہ ۲	دو حدیثوں کی تطبیق میں	۱ تا ۳۲
۴	۲	مولانا احمد حسن امروہوی	قاسم العلوم مکتوب ۸ شمارہ ۳	سود اور اراضی مرہونہ کا مسئلہ	۱ تا ۳
۵	۳	مولانا احمد حسن امروہوی	فرائد قاسمیہ	تحقیق مختصر در بیان حدیث متشابہ	۱۶۰ تا ۱۶۴

۶	۴	مولانا احمد حسن امروہوی	ایضا	مابہ الفرق حقیقت سرقہ وغصب وتعزر احکام آں	۱۶۹تا۱۷۲
۷	۵	ایضا	اسرار قرآنی	تفسیر آیت کریمہ وھل نجازی الا الکفور	۱۸تا۲۵
۸	۶	ایضا	مصابیح التراویح	در اثبات بست رکعات تراویح	۴تا۸۴
۹	۱	حافظ مولوی احمد سعید	مکتوبات قاسمی قلمی	بسلسلہ جنگ روس وترکی اور ضرورت حمایت ترکی	
۱۰	۱	مولوی الٰہی بخش؟	انتباہ المومنین	تحقیق حدیث عن علی قیل یا رسول اللہ من نومر بعدک قال ان نومروا ابا بکر	
۱۱	۱	حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ	مجموعہ مکتوبات اکابر علمائے دیوبند بنام حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی قلمی	ذاتی حالات نیز اپنے اور حضرت حاجی صاحب کے رشتہ داروں متعلقین نیز اپنے حالات اور اپنے قصبات کا تذکرہ اور اپنے بعض تلامذہ کا تعارف	

۱۲	۲	حضرت حاجی امداد اللہ	مجموعہ مکتوبات	ذاتی حالات وغیرہ	
۱۳	۳	ایضا	ایضا	ایضا	
۱۴	۴	ایضا	ایضا	ایضا	
۱۵	۵	ایضا	ایضا	ایضا	
۱۶	۶	ایضا	ایضا	ایضا	
۱۷	۷	ایضا	ایضا	ایضا	
۱۸	۸	ایضا	ایضا	ایضا	
۱۹	۹	ایضا	ایضا	ایضا	
۲۰	۱۰	ایضا	ایضا	ایضا	
۲۱	۱۱	ایضا	ایضا	ایضا	
۲۲	۱	خلیفہ بشر احمد دیوبندی	مکتوبات قاسمیہ	ذاتی حالات اور تربیت مکتوب الیہ	۲تا۳
۲۳	۲	ایضا	ایضا	ایضا	۳
۲۴	۳	ایضا	ایضا	ایضا	۴
۲۵	۴	ایضا	ایضا	ایضا	۴تا۵
۲۶	۵	ایضا	ایضا	ایضا	۵تا۶
۲۷	۶	ایضا	ایضا	ایضا	۶

۲۸	۷	ایضا	ایضا	ایضا	۷
۲۹	۸	ایضا	ایضا	ایضا	۸
۳۰	۱	مولوی بشیر احمد مراد آبادی	لطائف قاسمیہ	رہن کی زمین سے جو فائدہ اٹھایا وہ سود ہے یا نہیں	۱۹ تا ۲۰
۳۱	۱	مولوی جمال الدین	جمال قاسمی	تحقیق وجدۃ الوجود والشہود	۱۹ تا ۲۰
۳۲	۲	ایضا	ایضا	سماع موتی کی تحقیق	۳ تا ۸
۳۳	۱	مولوی حمید الدین	فرائد قاسمیہ	ممانعت مباشرت بازن حائضہ۔ تحقیق وتر بجماعت درر مضان	۱۶۴ تا ۱۶۹
۳۴	۱	مولوی حکیم رحیم اللہ بجنوری	الخط المقسوم من قاسم العلوم	تحقیق المرکب والاجزاء	۶ تا ۲۳
۳۵	۲	ایضا	ایضا	ایضا	۲۵ تا ۲۷
۳۶	۱	شاہ رفیع الدین دیوبندی	مکتوبات اکابر دیوبند	ذاتی	۵۲
۳۷	۱	سوامی دیانند سرسوتی	جیون چرتر سوامی دیانند سرسوتی	سلسلہ مناظرہ رڑکی	۵۲۱ تا ۵۲۲
۳۸	۲	ایضا	ایضا	ایضا	۵۲۸

۳۹	۳	ایضا	ایضا	ایضا	۵۲۹تا۵۳۳
۴۰	۴	ایضا مع ضمیمہ	ایضا	ایضا	۵۳۵ تا ۵۴۰
۴۱	۵	ایضا	ایضا	ایضا	۵۴۹تا۵۵۰
۴۲	۶	ایضا	ایضا	ایضا	۵۵۰
۴۳	۷	ایضا	ایضا	ایضا	۵۵۱_۵۵۲
۴۴	۸	ایضا	ایضا	ایضا	۵۵۴
۴۵	۹	سوامی دیانند کے جواب میں مناظرہ کا اشتہار	ایضا	ایضا	۵۲۰_۵۲۱
۴۶					
۴۷	۱	شیخ ضیاء الحق دیوبندی	مکتوبات اکابر دیوبند	ارشاد تربیت وسلوک	۵۳
۴۸	۲	ایضا	ایضا	ایضا	۵۳تا۵۴
۴۹	۳	ایضا	ایضا	ایضا	۵۴تا۵۵
۵۰	۱	حکیم ضیاء الدین رامپوری	فرائد قاسمیہ	تقوی علم اور عمل کی تحقیق وتربیت	۶۵ تا ۹۳

۵۱	۲	ایضا	فیوض قاسمیہ	دربیان کیفیت مباحثہ با حامد حسن	۴تا۶
۵۲	۳	ایضا	ایضا	درتحقیق معنی بدعت وسنت	۴۳تا۴۹
۵۳	۴	ایضا	ایضا	تحقیق نفس	۵۳تا۵۹
۵۴	۱	مرزا عالم بیگ مرادآبادی	لطائف قاسمیہ	درباب عمل کشائش رزق و ادائے دین	۲۱
۵۵	۲	ایضا	ایضا	درباب علاج ہوس دنیا	۲۱تا۲۲
۵۶	۱	مولوی عبدالحق (مظفرنگری)	فیوض قاسمیہ	درجواب تحقیق وراثت	۱۷تا۲۵
۵۷	۱	عبدالرحیم	لطائف قاسمیہ	دراثبات تراویح بدلائل عقلی وبراہین نقلی	۶ تا ۱۳
۵۸	۲	ایضا	مکتوبات قاسمی قلمی	اللہ تعالیٰ کے نظام میں تقسیم کار کی ایک وجہ	۳۴ تا ۳۸
۵۹	۱	حکیم عبدالصمد	فیوض قاسمیہ	اپنے مشائخ کو اپنے قریب جاننا اور ان کا تصور کرنا غلط ہے	۵۱تا۵۲

۶۰	۱	حافظ عبدالعدل پھلتی	مکتوبات قاسمی قلمی	افضلیت محمدی از آیت ولکن رسول اللہ	۳۸ تا ۴۸
۶۱	۱	مولانا عبدالعزیز امروہوی	فرائد قاسمیہ	بسلسلہ مناظرہ	۱۹۷ تا ۱۹۹
۶۲	۲	ایضا	مناظرہ عجیبہ	بسلسلہ تحقیق مباحث تحذیر الناس	۹۲ تا ۱۰۵
۶۳	۳	ایضا	ایضا	بسلسلہ تحقیق مباحث	۷۶ تا ۸۶
۶۴	۴	ایضا	ایضا	تحذیر الناس	۹۲ تا ۱۰۵
۶۵	۵	ایضا	ایضا		۱۰۵ تا ۱۰۶
۶۶	۱	مرزا عبدالقادر مرادآبادی	لطائف قاسمیہ	ذاتی، بموقع سفر حج درخواست دعاء	۲۰ تا ۲۱
۶۷	۲	ایضا	اسرار قرآنی	در بیان معنی بیت مثنوی شریف	۲۵ تا ۲۹
۶۸	۱	مولوی عبدالقادر بدایونی	تنویر النبراس قلمی	تحذیر الناس پر اعتراضات کے جواب	۳۹ تا ۹۸
۶۹	۲	مولوی عبداللطیف	فیوض قاسمیہ	مسئلہ علم غیب،	۵۰ تا ۵۱

۷۰	۲	مولوی عبداللہ	ایضا	قلب کو بائیں طرف رکھنے کی حکمت	۳۳تا۳۴
۷۱	۱	مولانا فخر الحسن گنگوہی	قاسم العلوم مکتوب ۹ شمارہ۴	در تحقیق و اثبات شہادت حسینؓ	۱تا۱۷
۷۲	۲	ایضا	مکتوب ۱۰ شمارہ۴	جواب استدلات علامہ طوسی در بیان امامت	۱تا۱۹
۷۳	۳	ایضا	ایضا مکتوب ۱۱ شمارہ۴ فرائد قاسمیہ	در بیان معنی حدیث من لم یعرف امام زمانہ فقد مات	۱تا۱۷
۷۴	۴	ایضا	ایضا	تحقیق کلی متکرار النوع ومثنات بالتکریر	۱۵۴تا ۱۵۷
۷۵	۵	ایضا	ایضا	در تحقیق واسطہ فی العروض	۱۵۷تا۱۶۱
۷۶	۱	مولانا فدا حسین	مکتوب ۳ شمارہ۲	در تحقیق ما اہل اللہ بہ لغیر اللہ وایضاح معنی قید عند الذبح	۱تا۴۵
۷۷	۱	مولوی قاسم علی بیگ	فیوض قاسمیہ	در جواب بعض شبہات شیعان	۱۰تا۱۷
۷۸	۱	میانجی گھسا	تصفیۃ العقائد	عقائد نظریات سرسید احمد	۳۶تا۳۹
۷۹	۱	قاضی محمد اسماعیل منگلوری	فرائد قاسمیہ	امکان وامتناع نظیر	۱۲۳تا۱۴۷

۸۰	۱	مولانا محمد حسین بٹالوی	قاسم العلوم مکتوب ۷ شمارہ ۳۰	در جواب شبہات ملحدان بر معجزہ	۱ تا ۲
۸۱	۱	مولوی محمد ائم مرادآبادی	فیوض قاسمیہ	تصور شیخ	۳۲ تا ۳۳
۸۲	۱	مولوی محمد صدیق مرادآبادی	لطائف قاسمیہ	در اثبات حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم	۲ تا ۵
۸۳	۲	ایضا	ایضا	در فضیلت علم	۱۸ تا ۱۹
۸۴	۳	ایضا	اسرار قرآنی	در معنی بعض آیات شریفہ	۲ تا ۱۰
۸۵	۴	ایضا	ایضا		۱۰ تا ۱۲
۸۶	۵	مولوی محمد صدیق و مولوی شمس الدین	ماہنامہ الفرقان مارچ ۱۹۷۶ء		۳۵
۸۷	۶	ایضا	ایضا	ایضا	۳۶
۸۸	۱	میر محمد صادق مدراسی	فیوض قاسمیہ	تحقیق حکم جمعہ	۲۵ تا ۳۲
۸۹	۲	ایضا	لطائف قاسمیہ	در باب تحقیق حکم جمعہ	۲۲ تا ۲۸
۹۰	۱	حاجی محمد عابد دیوبندی	فرائد قاسمیہ	در جواب اعتراض اہل تشیع	۱۷۲ تا ۱۷۹
۹۱	۱	پیر جی محمد عارف	تصفیہ العقائد	عقائد و نظریات سرسید احمد خاں	۵ تا ۳۲

۹۲	۱	مولانا محمد فاضل پھلتی	قاسم العلوم مکتوب ا شمارہ ا	در جواب شبہ بعض فضلا کہ درباره عدم مملوکیت فدک در رسالہ ہدیۃ الشیعہ	۱تا ۳۸
۹۳	۱	مولانا محمد علی چاند پوری	تنویر النبراس قلمی	تحذیر الناس پر اعتراضات کے جوابات	۱ تا ۸
۹۴	۱	مولانا محی الدین خاں مراد آبادی	قاسم العلوم مکتوب نمبر۲ شماره نمبرا	در شرح حدیث ابی رزین قال قلت یارسول اللہ این کان ربنا قبل ان یخلق الخلق ؟	۱ تا ۶۴
۹۵	۱	منشی ممتاز علی میرٹھی	مکتوبات قاسمی قلمی	ذاتی۔ بسلسلہ جوابات مولانا محمد علی وغیرہ	۴۸ تا ۵۲
۹۶	۱	مولانا منصور علی خاں مراد آبادی	فائد قاسمیہ	در معنی شعر: من آں وقت	۱۷۹ تا ۱۸۳
۹۷	۱	مولانا نصر اللہ خاں خویشگی	فرائد قاسمیہ	تقلید کی بحث	۹۳ تا ۹۶
۹۸	۲	ایضا	فیوض قاسمیہ	حکم ایمان کفر یزید	۳۴ تا ۳۵
۹۹	۱	مولانا محمد یعقوب نانوتوی	اجوبہ اربعین	شیعوں کے اٹھائیس سوالات کے جوابات	۱ تا ۹۸

۱۰۰	۱	مولانا محبوب علی مراد آبادی مکتوبہ ۲۶/ جمادی الثانی ۱۲۸۵ھ	مطبوعہ ماہنامہ الفرقان لکھنؤ مارچ ۱۹۷۶ء	ذاتی احوال ومتعلقات	۳۳ تا ۳۵
۱۰۱	۱	بلانام مکتوب الیہ	مکتوبات قاسمی قلمی	قرآن کی آیت المومنین کی تحقیق	۱ تا ۳
۱۰۲	۱	ایضا	فرائد قاسمیہ	(جواب اعتراضات پادریان) برتعدد نکاح کی حکمت	۱۰۴ تا ۱۲۳
۱۰۳	۲	ایضا		تحقیق ماحرام وکراہت آن	
۱۰۴	۳	ایضا	ایضا	در تحقیق قرآت فاتحہ خلف الامام	۱۴۷ تا ۱۵۴
۱۰۵	۴	ایضا	ایضا	اشارات اجمالیہ بحث امکان نظیر	۱۸۴ تا ۱۹۵
۱۰۶	۵	ایضا	ایضا	مناظرہ نہ کرنے پر تبصرہ	۱۹۵ تا ۱۹۷
۱۰۷	۶	ایضا	فیوض قاسمیہ	تحقیق آنکہ شیعہ وخوارج مومن اندنہ کافر	۱ تا ۴
۱۰۸	۷	ایضا	ایضا	متعلقہ نذربتاں وغیرہ	۳۵ تا ۴۰

۱۰۹	۸	ایضا	ایضا	وجہ جہر قرآت در سہ نماز	۴۰تا۴۳
۱۱۰	۹	ایضا	اسرار قرآنی	در جواب بعد شبہات بر آیت خالد بن فیہا مادامت السموات والار	۱۲تا۱۸
۱۱۱	۱۰	ایضا	مکتوبات قاسمی قلمی	احکام وضو پر پادریوں کے اعتراضات کے جوابات	۴تا۳۴
۱۱۲	۱۱	ایضا	قاسم العلوم مکتوب ۴ شمارہ۲	در معصومیت انبیاء علیہم السلام	۱تا۱۰

حواشی باب سوم

۱۔ نانوتوی محمد قاسم مولانا۔اجوبہ اربعین، دیو بند شیخ الہند اکیڈمی، ۱۹۵۳ء ص ۳۳

۲۔ ایضا، ص ۳۴

۳۔ محمد یعقوب مولانا، روئے داد میلہ خدا شناسی کراچی، میر محمد کتب خانہ ص ۸

۴۔ نانوتوی محمد قاسم مولانا، اجوبہ اربعین، دیو بند شیخ الہند اکیڈمی، ۱۹۵۳ء ص ۳۴

۵۔ نانوتوی محمد قاسم مولانا، آب حیات، کراچی، قدیمی کتب خانہ ۱۹۷۰ء ص ۴۸

۶۔ ایضا

۷۔ النساء آیت ۶۴

۸۔ کاندھلوی، راشد نور الحسن، احوال و آثار و باقیات و متعلقات قاسم العلوم لاہور سید احمد شہید مکتبہ

۹۔ الاحزاب آیت/۶

۱۰۔ نانوتوی محمد قاسم مولانا، آب حیات کراچی، قدمی کتب خانہ ۱۹۷۰ء ص ۴۸

۱۱۔ الملک آیت/۲

۱۲۔ محمد ابن محمد بن سلیمان الفاسی المغربی، جمع الفوائد لاہور، مکتبہ الاسلامیۃ

۱۳۔ نانوتوی قاسم مولانا، اجوبہ اربعین۔ دیو بند شیخ الہند اکیڈمی ۱۹۵۳ء ص ۷

۱۴۔ الزمر آیت/۴۲

۱۵۔ ایضا

۱۶۔ ایضا

۱۷۔ نانوتوی قاسم مولانا، ہدیہ الشیعہ۔ دیو بند شیخ الہند اکیڈمی ۱۹۶۰ء ص ۱۰

۱۸۔ کاندھلوی راشد نور الحسن احوال و آثار باقیات و متعلقات قاسم العلوم لاہور سید احمد شہید مکتبہ

۱۹۔ گیلانی مناظر حسن، سوانح قاسمی لاہور مکتبہ رحمانیہ ص ۲۶

۲۰۔ نانوتوی قاسم مولانا۔ ہدیۃ الشیعہ۔ دیوبند شیخ الہند اکیڈمی ۱۹۶۰ء ص ۱۱

۲۱۔ ایضا ۲۷

۲۲۔ ایضا ۲۷

۲۳۔ نانوتوی قاسم مولانا، ہدیۃ الشیعہ دیوبند شیخ الہند اکیڈمی ۱۹۸۰ء ص ۱۶

۲۴۔ ایضا ص ۱۰

۲۵۔ ایضا ص ۲۴

۲۶۔ البقرہ/۱۲۱

۲۷۔ گیلانی مناظر احسن۔ سوانح قاسمی لاہور مکتبہ رحمانیہ، ۱۳۷۳ھ ص ۲۶

۲۸۔ ایضا

۲۹۔ نانوتوی قاسم مولانا، ہدیۃ الشیعہ دیوبند شیخ الہند اکیڈمی ۱۹۸۰ء ص ۱۰

۳۰۔ ایضا ۱۰

۳۱۔ الحجر آیت/۹

۳۲۔ نانوتوی قاسم مولانا، ہدیۃ الشیعہ دیوبند شیخ الہند اکیڈمی ۱۹۸۰ء ص ۱۶

۳۳۔ نانوتوی قاسم مولانا، اجوبہ اربعین دیوبند شیخ الہند اکیڈمی ۱۹۵۳ء ص ۲۷

۳۴۔ ایضا ۲۵

۳۵۔ ابن تیمیہ منہاج السنۃ لاہور رحمانیہ کتب خانہ ص ۳۸

۳۶۔ کاندھلوی راشد نور الحسن، قاسم العلوم احوال و آثار ص ۳۹

۳۷۔ نانوتوی قاسم مولانا ہدیۃ الشیعہ دیوبند شیخ الہند اکیڈمی، ۱۹۶۰ء ص ۲۸

۳۸۔ کاندھلوی راشد نور الحسن، احوال و آثار متعلقات قاسم العلوم لاہور سید احمد شہید ص ۵۱

۳۹۔ النساء ۵۱/

۴۰۔ ایضا

۴۱۔ کاندھلوی راشد نور الحسن، احوال و آثار و باقیات و متعلقات قاسم العلوم لاہور

۴۲۔ ایضا

۴۳۔ ایضا

۴۴۔ نانوتوی قاسم مولانا، اجوبہ اربعین، دیوبند شیخ الہند ۱۹۵۳ء ص ۳۰

۴۵۔ ایضا ۳۱

☆☆☆☆☆

باب چہارم:

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کا کارنامہ بنائے دارالعلوم دیوبند

فصل اول: قیام دار العلوم اور اس کا پس منظر

قیام دار العلوم سے قبل کے حالات:

تیرہویں صدی ہجری آخری سانس لے رہی تھی ہندوستان میں اسلامی شوکت کا چراغ گل ہو چکا تھا صرف اٹھتا ہوا دھواں رہ گیا تھا جو چراغ بجھ جانے کا اعلان کر رہا تھا دہلی کا تخت مغل اقتدار سے خالی ہو چکا تھا صرف ڈھول کی منادی میں ایک بادشاہ کا رہ گیا تھا اسلامی شعائر رفتہ رفتہ روبہ زوال تھے دینی علم اور تعلیم گاہیں پشت پناہی ختم ہو جانے کی وجہ سے ختم ہو رہی تھیں علمی خانوادوں کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کا فیصلہ کیا جا چکا تھا دینی شعور رخصت ہو رہا تھا اور جہل وضلال مسلم قلوب پر چھاتا چلا جا رہا تھا مسلمانوں میں پیغمبری سنتوں کے بجائے جاہلانہ رسوم ورواج شرک و بدعت اور ہوا پرستی وغیرہ زور پکڑتے جا رہے تھے مشرقی روشنی چھپتی جا رہی تھی اور مغربی تہذیب وتمدن کا آفتاب طلوع ہو رہا تھا جس سے دہریت والحاد فطرت پرستی اور بے قیدی نفس آزادی فکر اور بیبا کی کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں جس سے نگاہیں خیرہ ہو چلی تھیں اسلام کی جیتی جاگتی تصویر بیمار آنکھوں میں دھندلی نظر آنے لگی تھی اور اتنی دھندلی کہ اسلامی خدوخال کا پہچاننا بھی مشکل ہو چکا تھا چمن اسلام میں خزاں کا دور دورہ تھا خوش آواز اور شریں ادا پرندوں کے زمزمے مدھم ہوتے جا رہے تھے اور ان کی جگہ زاغ وزغن کی مکروہ آوازوں نے لے لی تھی یہ اور اسی قسم کے ہزار ہا حوادثات اور المناک واقعات کے چند اجمالی عنوانات ہیں جس سے اس وقت کے ہندوستان کی مسموم فضا کا اندازہ لگانا چنداں مشکل نہیں۔ (۱)

اندکے باتو بگفتیم وبدل ترسیدم   کہ از دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

الہامی مدرسہ:

ان حالات سے یقین ہو چلا تھا کہ اسلام کا چمن اب اجڑا اور یہ کہ اب ہندوستان بھی اسپین کی تاریخ دہرانے کے لئے کمربستہ ہو چکا ہے کہ چند نفوس قدسیہ نے بالہام خداوندی اپنے دل میں ایک خلش اور کسک محسوس کی یہ خلش علوم نبوت کے تحفظ دین کو بچانے اور اس کے راستہ سے ستم رسیدہ مسلمانوں کو بچانے کی تھی وقت کے یہ اولیاء اللہ ایک جگہ جمع ہوئے اور اس بارہ میں اپنی اپنی قلبی واردات کا تذکرہ کیا جو اس پر مجتمع تھیں کہ اس وقت بقائے دین کی صورت بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ دینی تعلیم کے ذریعہ مسلمانان ہند کی حفاظت کی جائے اور تعلیم و تربیت کے راستہ سے ان کی بقاء کا سامان کیا جائے اور اس کی واحد صورت یہ ہی ہے کہ ایک درسگاہ قائم کی جائے جس میں علوم نبویہ پڑھائے جائیں اور ان ہی کے مطابق مسلمانوں کی دینی معاشرتی اور تمدنی زندگی اسلامی سانچوں میں ڈھالی جائے جس سے ایک طرف تو مسلمانوں کی داخلی رہنمائی ہو اور دوسری طرف خارجی مدافعت نیز مسلمانوں میں صحیح اسلامی تعلیمات بھی پھیلیں اور ایماندارانہ سیاسی شعور بھی پیدا ہو ان مقاصد کے لئے کمر باندھ کر اٹھنے والے یہ لوگ رسمی قسم کے رہنما اور لیڈر نہ تھے بلکہ خدارسیدہ بزرگ اور اولیاء وقت تھے اور ان کی یہ باہمی گفت وشنید کوئی رسمی قسم کا مشورہ یا تبادلہ خیال نہ تھا بلکہ متبادلہ الہامات تھا جیسا کہ میں نے حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحب عثمانیؒ مہتمم سادس دارالعلوم دیوبند سے سنا کہ وقت کے ان تمام اولیاء اللہ کے قلوب پر بیک وقت یہ الہام ہوا کہ اب ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کے تحفظ و بقاء کی واحد صورت قیام مدرسہ ہے چنانچہ اس مجلس مذکرہ میں کسی نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ حفظ دین و مسلمین کیلئے اب ایک مدرسہ قائم کیا جائے کسی نے کہا کہ مجھے کشف ہوا ہے کہ ایک مدرسہ قائم ہو کسی نے کہا کہ میرے قلب پر وارد ہوا ہے کہ مدرسہ کا قیام ضروری ہے کسی نے بہت صریح لفظوں میں کہا کہ مجھے منجانب اللہ کہا گیا ہے کہ ان حالات میں تعلیم دین کا ایک مدرسہ قائم ہونا ضروری ہے ان اہل اللہ کا اس تبادلہ واردات کے

بعد قیام مدرسہ پر جم جانا درحقیقت عالم غیب کا ایک مرکب اجماع تھا جو مدرسہ کے بارہ میں منجانب اللہ واقع ہوا۔ (۲)

اس سے جہاں یہ واضح ہے کہ اس وقت کے ہندوستان میں قیام مدرسہ کی یہ تجویز کوئی رسمی تجویز نہ تھی بلکہ الہامی تھی وہیں یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ اس تجویز کے پردہ میں ملک گیر اصلاح کی اسپرٹ چھپی ہوئی تھی جو محض مقامی یا ہنگامی نہ تھی کیونکہ اسلامی شوکت ختم ہو جانے کا اثر بھی مقامی نہ تھا جس کے تدارک کی فکر تھی وہ پورے ملک پر پڑ رہا تھا اس لئے اس کے دفعیہ کی یہ ایمانی رنگ کی تحریک تھی مقامی انداز کی نہ تھی بلکہ اس میں عالمگیری پنہاں تھی گو ابتداء میں اس کی شکل ایک چھوٹے سے تخم کی سی تھی مگر اس وقت اس میں ایک تناور شجرہ طیبہ لپٹا ہوا تھا جس کی جڑیں سچے قلوب کی زمین میں پھیلی ہوئی تھیں اور شاخیں آسمان میں سے باتیں کر رہی تھیں اس سلسلہ میں ان نفوس قدسیہ کے سربراہ حجۃ الاسلام حضرت اقدس مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ تھے جنہوں نے اس غیبی اشارہ کو سمجھا اور اسے تجویز کی صورت دی۔ (۳)

ہندوستان میں دینی علوم کا آغاز:

دیوبند کی ایک چھوٹی سی مسجد میں جسے چھتہ کی مسجد کہتے ہیں۔ ایک انار کا درخت ہے۔ اسی درخت کے نیچے سے آب حیات کا یہ چشمہ پھوٹا اور اسی چشمہ نے ایک طرف تو دین کے چمن کی آبیاری شروع کر دی اور دوسری طرف اس کی تیز وتند رو نے شرک، بدعت، فطرت پرستی، الحاد و دہریت اور آزادی فکر کے ان خش وخاشاک کو بھی بہانا اور راستہ سے ہٹانا شروع کر دیا جنہوں نے مسلمانوں کے قلوب میں جڑ پکڑ کر انہیں یہ روز بد دکھایا تھا بانی دارالعلوم کا یہ خواب کہ میں خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوں اور میرے ہاتھوں اور پیروں کی دسوں انگلیوں سے نہریں جاری ہیں اور اطراف عالم میں پھیل رہی ہی پورا ہوا اور مشرق ومغرب میں علوم نبوت کے چشمے جاری ہونے کی راہ ہموار ہوگئی دارالعلوم کے مہتمم ثانی حضرت مولانا شاہ محمد رفیع الدین

صاحب مہاجر مدنی قدس سرہ کا یہ خواب کہ علوم دینیہ کی چابیاں میرے ہاتھ میں دے دی گئی ہیں خواب ہی نہ رہا بلکہ حقیقت کے لباس میں جلوہ گر ہو گیا۔

اور اس مدرسہ کے ذریعہ ان چابیوں نے ان قلوب کے تالے کھول دیئے جو علم کا ظرف تھے یا ظرف بننے والے تھے جن سے علم کے سوتے ہر طرف سے پھوٹنے لگے اور چند نفوس قدسیہ کا علم آن کی آن میں ہزار ہا علماء کا علم ہو گیا حضرت سید احمد شہیدؒ رائے بریلویؒ دیو بند سے گزرتے ہوئے جب اس مقام پر پہنچے تھے جہاں دارالعلوم کی عمارت کھڑی ہوئی ہے تو فرمایا تھا کہ مجھے اس جگہ سے علم کی بو آ رہی ہے پس وہ خوشبو جس کو سید صاحبؒ کی روحانی قوت شامہ نے سونگھا تھا ایک سدا بہار گلاب کے پھول بلکہ گلاب آفرین درخت کی شکل میں آ گئی جس سے ہزاروں پھول کھلے اور ہندوستان کا اجڑا ہوا چمن تختہ گلاب بن گیا کسے معلوم تھا کہ یہ خوشبو بیج بنے گی بیج سے کلی کھلے گی شگفتہ کلی سے پھول بنے گی پھول سے گلدستہ بنے اور اس گلدستہ کی خوشبو سے سارا عالم انسانی مہک اٹھے گا اور کسے پتہ تھا کہ ایشیاء کی فضا میں مغربی استعماریت کے جو جراثیم پھیلے ہوئے ہیں وہ اس کی جراثیم کش مہک سے آپ ہی اپنی موت مرنے شروع ہو جائیں گے چنانچہ اس وقت برطانوی ہند میں فاتح قوم (انگریز) کو فکر تھی کہ ہندوستان کے دل و دماغ کو یورپین سانچوں میں کس طرح ڈھالا جائے جس سے برطانیت اس ملک میں جڑ پکڑ سکے، ظاہر ہے کہ دل و دماغ کے بدل دینے کا واحد ذریعہ تعلیم آگے آئی ہے اس لئے ذریعہ تعلیم ہو سکتی تھی جس نے ہمیشہ ان سانچوں میں دلوں اور دماغوں کو ڈھالا ہے جن کو لے کر تعلیم آگے آئی ہے اس لئے ہندوستان کو فرنگی رنگ میں ڈھالنے کیلئے لارڈ میکالے نے تعلیم کی اسکیم پیش کی اور وہ اسکولی اور کالجی تعلیم کا نقشہ لے کر یورپ سے ہندوستان پہنچا اور یہ نعرہ بلند کیا کہ "ہماری تعلیم کا مقصد ایسے نوجوان تیار کرنا ہے جو رنگ اور نسل کے لحاظ سے ہندوستانی ہوں اور دل و دماغ کے لحاظ سے انگلستانی ہوں"۔ (۴)

یقیناً یہ آوازہ جب کہ ایک فاتح اور برسر اقتدار قوم کی طرف سے اٹھا اور تھا بھی وہ تعلیم کا جو بذات خود

ایک انقلاب آفرین حربہ ہے تو اس نے ملک پر ذہنی انقلاب کا خاطر خواہ اثر ڈالا اس تعلیم سے ایسی نسلیں ابھرنی شروع ہوگئیں جو اپنے گوشت و پوست کے لحاظ سے یقیناً ہندوستانی تھیں لیکن اپنے طرز فکر اور سوچنے کے ڈھنگ کے اعتبار سے انگریزی جامہ میں نمایاں ہونے لگیں اسی ذہنی مگر خطرناک انقلاب کو دیکھ کر بانی دارالعلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ صاحب قدس سرہ نے دارالعلوم قائم کر کے اپنے عمل سے یہ نعرہ بلند کیا کہ۔

''ہماری تعلیم کا مقصد ایسے نوجوان تیار کرنا ہے جو رنگ و نسل کے لحاظ سے ہندوستانی ہوں اور دل و دماغ کے لحاظ سے اسلامی ہوں''۔(۵)

جن میں اسلامی تہذیب و تمدن کے جذبات بیدار ہوں اور دین و سیاست کے لحاظ سے ان میں اسلامی شعور زندہ ہو اس کا ثمرہ یہ نکلا کہ مغربیت کے ہمہ گیر اثرات پر بریک لگ گیا اور بات یکطرفہ نہ رہی بلکہ ایک طرف اگر مغربیت شعار افراد نے جنم لینا شروع کر دیا تو دوسری طرف مشرقیت نواز اسلامیت کے رنگ میں رنگے ہوئے افراد بھی سامنے آنا شروع ہو گئے جس سے یہ خطرہ باقی نہ رہا کہ مغربی سیلاب سارے خشک و تر کو بہالے جائیگا بلکہ اگر اسکی روکا ریلا بہاؤ پر آئیگا تو ایسے بند بھی باندھ دیئے گئے ہیں۔ بہر حال وہ ساعت محمود آ گئی کہ مدرسہ کا آغاز ہوا اور اس کی یہ تعمیر و دفاع کی ملی جلی تعلیم عملاً وجود پر آ گئی۔(٦)

دارالعلوم دیوبند کا افتتاح:

۱۲۸۳ھ بمطابق ۱۸۶۶ء برصغیر کے مسلمانوں کے لیے وہ مبارک و مسعود سال ہے جس میں شمالی ہند کی اس قدیم تاریخی بستی میں ان کی دینی و علمی اور ملی و تہذیبی زندگی کی نشاۃ ثانیہ کا آغاز ہوا ۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ بمطابق ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء بروز جمعرات چھتے کی قدیم مسجد کے کھلے صحن میں انار کے ایک چھوٹے سے

درخت کے سائے میں نہایت سادگی کے ساتھ کسی رسمی تقریب یا نمائش کے بغیر دارالعلوم دیوبند کا افتتاح عمل میں آیا، حضرت مولانا ملا محمود دیوبندی کو جو علم وفضل میں بلند پایہ عالم تھے مدرس مقرر کیا گیا۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ دارالعلوم دیوبند کے وہ اولین شاگرد تھے جنہوں نے استاد کے سامنے کتاب کھولی یہ عجیب اتفاق ہے کہ استاد اور شاگرد دونوں کا نام محمود تھا اخلاص وخدمت دین اور توکل علی اللہ کے جذبات کے سوا ہر سرمائے سے ان حضرات کا دامن خالی تھا چنانچہ اس بے سروسامانی کے ساتھ افتتاح عمل میں آیا کہ نہ کوئی عمارت موجود تھی اور نہ طلباء کی جماعت صرف ایک طالب علم اور ایک استاد یہ تھی کل کائنات اس ادارے کی جو آج کل از ہر ہند دارالعلوم دیوبند کے نام سے پوری دنیا میں مشہور ومعروف ہے۔(۷)

اگرچہ بظاہر یہ ایک مدرسہ کا بہت ہی مختصر اور محدود پیمانے پر افتتاح تھا مگر درحقیقت ہندوستان میں دینی تعلیم کی ایک عظیم تحریک کے نئے دور کا آغاز تھا جس کو پورے غور وفکر کے ساتھ شروع کیا گیا تھا۔ جیسا کہ بعد میں دارالعلوم دیوبند کی عظیم الشان ترقی سے واضح ہوتا ہے دارالعلوم دیوبند کے بزرگوں نے برصغیر میں ملت کی دینی اور اجتماعی زندگی کی بقا اور تحفظ کے لئے کتاب اللہ کی مشعل روشن کی اور تفسیر وحدیث وفقہ اور اسلامی علم وادب اور عقائد واعمال کے ذریعے سے اس تاریک دور کے کے چھا جانے والے خطرات سے بچانے کے لئے ایک ایسا مضبوط دفاعی حصار تیار کیا جس نے مسلمانوں کو روحانی اور علمی شکست سے بچانے میں اہم کردار ادا کیا ہے(۸)

قیام دارالعلوم دیوبند کا اعلان:

اکابر دارالعلوم دیوبند کی جانب سے قیام دارالعلوم کے موقع پر جو اعلان شائع کیا گیا وہ یہ ہے

الحمدللہ دیوبند میں اکثر اہل ہمت نے جمع ہو کر کسی قدر چندہ جمع کیا اور ایک مدرسہ عربی پندرہ محرم 1283ھ بمطابق 1866ء 30 مئی سے جاری ہوا اور مولوی محمد محمود صاحب بالفعل بمشاہرہ پندرہ روپیہ

ماہوار پر مقرر ہوئے چونکہ لیاقت مولوی صاحب کی بہت کچھ ہے اور تنخواہ بسبب قلت چندہ کے کم ارادہ مہتمان مدرسہ کا ہے کہ بشرط وصول زر چندہ قابل اطمینان جس کی امید رکھی ہے تنخواہ مولوی صاحب کی زیادہ کی جاوے اور ایک مدرس فارسی وریاضی کا مقرر ہوگا جملہ اہل ہمت وخیر خواہاں ہند خصوصا مسلمانان سکنائے دیوبند وقرب وجوار پر واضح ہو کہ جو لوگ اب تک شریک چندہ نہیں ہوئے بدل شریک ہو کر امداد کافی دیویں اور واضح ہو کہ سوائے چندہ فہرست ہذا کے جس کی میزان 401 روپے آٹھ آنے ہے دوسرا چندہ واسطے خوراک ومدد خرچ طلبائے بیرونجات کے جمع ہوا ہے اور سولہ طالب علموں کا جمع ہو گیا ہے اور انشاء اللہ روز بروز جمع ہوتا جاتا ہے اس میں سے طلبہ بیرونجات کو کھانا پکا پکایا اور مکان رہنے کو ملے گا کتابوں کا بندوبست بھی متعاقب ہوگا۔(۹)

سب سے پہلے مدرس:

دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے مدرس ملا محمود تھے جن کی تنخواہ -/15 روپیہ ماہانہ تھی۔(۱۰)

سب سے پہلے متعلم:

دارالعلوم کے سب سے پہلے متعلم حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہ العزیز تھے جو بعد میں شیخ الہند کے لقب سے مشہور ومعروف ہوئے۔

سب سے پہلے صدر مدرس:

طلبہ کے روز افزوں ہجوم نے بہترین مدرسین کے جمع کرنے پر مجبور کر دیا چنانچہ حضرت مولانا محمد

یعقوب صاحب کو صدر مدرس کی حیثیت سے بلایا گیا جو کہ اجمیر یا کیسی دوسرے مقام پر خدمت تدریس معقول مشاہرہ پر انجام دے رہے تھے یہاں ان کو ایک قلیل مشاہرہ پر مامور کیا گیا مولانا محمد یعقوب صاحب ،حضرت مولانا مملوک العلی صاحب (استاد حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتوی) کے صاجزادے تھے نقلی اور عقلی علوم کے ماہر تھے اور ہر ایک فن سے کافی واقفیت رکھتے تھے آپ کی جامعیت بے نظیر تھی سنا گیا ہے کہ جو کتاب آپ کے سامنے آجاتی خواہ وہ کسی فن کی ہو کوئی اس کا مصنف ہو اس کو مطالعہ کئے بغیر نہیں چھوڑتے تھے۔اور یہ بھی سنا گیا ہے کہ آپ کہنیوں کو ٹیک کر بیٹھا کرتے تھے جس کی وجہ سے آپ کی کہنیوں پر گٹے پڑ گئے تھے۔(۱۱)

حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ فرماتے ہیں

مولوی یعقوب صاحب اولیں، عالم جملہ فن دنیا ؤ دیں ہم بہ علم باطنی دارد کمال ہست مقبول خدائے ذوالجلال

مرشد کامل ولی بے بدل عابد و زاہد تقی بے خلل

سب سے پہلے مہتمم:

حضرت حاجی حافظ سید عابد حسین صاحبؒ سب سے پہلے مہتمم بنائے گئے ،لیکن آپ نے تقریبا ڈیڑھ سال بعد ہی زیارت بیت اللہ شریف کا عزم کر لیا ،اہل شہر کو بھی یہ خطرہ تھا کہ شاید اب واپس نہ ہوں چنانچہ آپ کی جگہ یکم شعبان ۱۲۸۴ھ کو حضرت حاجی مولانا شاہ رفیع الدین صاحب کو مہتمم بنادیا گیا۔آپ اکابر علماء اولیاء اللہ میں سے تھے ،حضرت ،مولانا عزیز الرحمان سابق مفتی دار العلوم دیوبند آپ کے خلیفہ تھے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ دور اہتمام سے پہلے باہر جنگل میں رہا کرتے تھے ،جب آپ کو مہتمم بنانے کا خیال ہوا تو کچھ آدمی آپ کو لینے کے لیے گئے آپ نے انکار کر دیا۔اس کے بعد حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتوی صاحب نے حضرت مولانا محمود الحسن کو ایک رفیق کے ساتھ آپ کے پاس بھیجا ،حضرت حجۃ الاسلام کا پیغام

سن کر آپ فوراً تشریف لے آئے۔

۱۲۸۶ھ میں حضرت شاہ رفیع الدین صاحب حج بیت اللہ شریف کا عزم فرمایا تو دوبارہ ان کی جگہ حضرت حاجی عابد حسین صاحب کو اہتمام سپرد کر دیا گیا۔ ۱۲۸۸ھ میں دارالعلوم کی جامع مسجد کی تعمیر ہو رہی تھی اور آپ کو اہتمام مدرسہ کا وقت کم ملتا تھا چنانچہ حضرت حاجی صاحب کو کلی طور پر دارالعلوم کی مسجد کی تعمیر کا نگران قرار دیتے ہوئے دوبارہ حضرت شاہ رفیع الدین کو مہتمم بنا دیا گیا۔ (۱۲)

سب سے پہلی مجلس شوریٰ:

حسب ذیل ارکان پر مشتمل تھی۔

حضرت حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتوی صاحب قدس سرہ العزیز، حضرت حاجی عابد حسین صاحب مولانا مہتاب علی صاحب دیوبندی، مولانا ذوالفقار علی صاحب دیوبندی (حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب کے والد ماجد) مولانا فضل الرحمان صاحب دیوبندی شیخ نہال احمد صاحب دیوبندی، منشی فضل حق صاحب دیوبندی۔ (۱۳)

سب سے پہلا دورہ حدیث:

دارالعلوم میں سب سے پہلے ۱۲۸۹ء میں حدیث شریف کا دورہ ہوا

سب سے پہلے فارغ التحصیل:

۱۹ ذیقعدہ ۱۲۹۰ھ بمطابق ۹ جنوری ۱۸۷۴ء کو سب سے پہلے مندرجہ ذیل پانچ حضرات نے

دارالعلوم دیوبند سے سند تکمیل و دستار فضیلت حاصل کی۔

(۱) شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قدس اللہ سرہ العزیز

(۲) مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہی

(۳) مولانا فتح محمد صاحب تھانوی

(۴) مولانا عبدالحق صاحب ساکن پور قاضی

(۵) مولانا عبداللہ صاحب جلال آبادی

غیر معمولی شہرت:

دارالعلوم دیوبند کو ابتداء ہی سے غیر معمولی شہرت اور عام مقبولیت حاصل ہوگئی تھی چنانچہ پہلے سال ہی اٹھاون طلباء بیرون کے اس مدرسہ میں داخل ہو چکے تھے۔ (۱۴)

حسن انتظام:

خلوص اور للّٰہیت کے ساتھ حسن انتظام ترقی کا پائیدار زینہ تھا۔ چنانچہ ہر سال لازمی دستور تھا کہ امتحان سالانہ نہایت اہتمام اور انتظام کے ساتھ ہوتا۔ امتحان کے لیے باہر سے حضرات بلائے جاتے اور معائنہ لکھتے تھے۔ اسی طرح سالانہ حسابات کی جانچ ہوتی اور پھر جلسہ عام میں تمام سال کی روئیداد اور طلباء کے نمبر سنائے جاتے۔ طلباء کو حوصلہ افزاء انعام دیے جاتے وغیرہ وغیرہ۔

تلخ حقیقت:

یہ ایک حقیقت ہے کہ اہل قصبہ نے مدرسہ، طلبہ اور کرکنان مدرسہ کے ساتھ انتہائی خلوص اور صداقت کا اظہار کیا، اپنی حیثیت سے زائد مدرسہ کے ساتھ تعاون کرتے، مگر یہ بھی ایک حقیقت ہے اگر چہ تلخ ہے کہ اس سرچشمہ رشد و ہدایت سے فیض حاصل کرنے میں کوتاہ رہے۔

تقسیم انعامات و دستار فضیلت کے اسی جلسہ میں جو ۱۹ ذی قعدہ ۱۲۹۰ھ کو ہوا تھا جس میں اطراف و جوانب کے علماء اور مشائخ کافی تعداد میں تشریف لائے تھے۔ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ صاحب ایک تقریر فرمائی تھی اس کے مندرجہ ذیل جملوں سے اہل شہر کی کوتاہی اور مدرسہ کی عالمگیر شہرت کا اندازہ ہوتا ہے۔

''دور دراز سے لوگ آئے تھے اور دولت کو لوٹ لے گئے پر یہاں کے باشندے ویسے ہی خالی دامن پڑے رہے، ہائے افسوس اس مدرسہ کی خبر میں جس کے باعث دیوبند کا نام چار کھونٹ عالم میں پہنچ جائے دیوبند والوں کے کان میں نہ پہنچے۔ چند ہند کے طالب علم جو شوق علم سے مکہ معظمہ میں پڑھتے تھے۔ دیوبند کے مدرسے کا چرچا سن کر گرتے پڑتے مدرسہ دیوبند میں آ پہنچے مگر کیا حسرت کی بات ہے کہ دیوبند والوں سے مدرسہ تک نہ پہنچا گیا۔ اطراف و جوانب کے لوگ شوق تماشا میں مدرسہ دیوبند کو آ کر دیکھیں مگر دیوبند کے طالب علم کبھی بھولے بسرے بھی ادھر کو نہ نکلیں۔ (۱۵)

مکانات مدرسہ کی تبدیلی:

چھتہ کی مسجد میں مدرسہ ابتداء میں رہا اس کے بعد قاضی کی مسجد میں اور کرایہ کے مکانات میں رہا۔ لیکن طلبہ کی کثرت ہوئی تو کارکنان مدرسہ رحمھم اللہ اس طرف متوجہ ہوئے کہ مدرسہ کے لیے ایک مستقل

مکان بنایا جائے ابتداً بعض بزرگان مدرسہ نے احاطہ جامع مسجد میں مدرسہ کے حوائج ضروریہ کو پورا کرنے والی عمارت کی فکر کی اور جامع مسجد کی تینوں اطرافوں میں متعدد حجرے اور کمرے بنوادیے۔ چنانچہ چند سال تک مدرسہ جامع مسجد میں ہی رہا۔ لیکن پھر آخری رائے یہی ہوئی کہ مدرسہ فراخ جگہ میں شہر کے کنارے پر ہونا چاہیے۔ تاکہ بوقت ضرورت اس میں اضافہ بھی کیا جاسکے۔ نیز مدرسہ اور مسجد کا باہمی مناقشہ نہ ہو۔

تعمیر جدید کی منظوری کے بعد چار پانچ روز شہر کے مختلف گوشوں کے دیکھنے کے لیے گشت کیا گیا۔ بالآخر حضرت حجۃ الاسلام کی تحریک پر ہی جگہ پسند کی گئی جہاں آج مدرسہ واقع ہے۔

۱۲۹۱ھ کے جلسہ تقسیم انعام منعقدہ مورخہ ۱۹ ذی قعدہ میں تعمیر مدرسہ کے متعلق حاضرین کو توجہ دلائی گئی چنانچہ ایک معقول رقم نقد موصول ہوئی اور ایک طویل فہرست وعدہ کنندگان کی مرتب ہوئی۔ (۱۶)

ابتداء تعمیر:

۲ ذی الحجہ ۱۲۹۲ھ یوم جمعہ کو نماز کے بعد جامع مسجد میں شہری اور بیرونی حضرات کا بہت بڑا اجتماع ہوا جس کی اطلاع اشتہار کے ذریعے پیشتر سے دی جاچکی تھی اور جس میں شرکت کے لیے مرادآباد اور علی گڑھ وغیرہ کے آدمی آئے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نے تقریر فرمائی اور آخر میں اعلان فرمایا کہ سب حضرات تشریف لے جائیں تاکہ مدرسہ کا سنگ بنیاد رکھ دیا جائے۔

حضرت حاجی عابد حسین صاحب چونکہ جامع مسجد کی سہ دریوں کو مدرسہ کے لیے کافی سمجھتے تھے۔ انہوں نے اس وقت بھی مخالفت کی۔ چنانچہ جب مجمع مدرسہ کی بنیادگاہ پر جارہا تھا حضرت حاجی صاحب الگ ہوکر چھتہ کی مسجد میں تشریف لے آئے۔

لیکن حضرت حجۃ الاسلام کو اپنے ایک رفیق کی ناگواری اور کبیدگی کب گوارا ہوسکتی تھی۔ آپ بھی پیچھے پیچھے مسجد چھتہ میں تشریف لے گئے اور حاجی صاحب پکار کر فرمایا۔ اجی صاحب آپ تو ہمارے بڑے

ہیں ہم سب آپ کے چھوٹے ہیں آپ نے ان چھوٹوں کے ساتھ کیا بے رخی اور بے توجہی برتنی شروع فرمادی۔ کچھ ان الفاظ کا اتنا اثر حاجی صاحب پر ہوا کہ بے اختیار ہو کر گر پڑے اور اتنے روئے کہ آواز نکل پڑی۔ اور کہا کہ مولانا اللہ میرا قصور معاف فرمائے۔ حضرت نے حاجی صاحب کو اٹھا کر گلے لگا لیا اور فرمایا کہ حاجی صاحب آپ کیا فرمارہے ہیں۔ آپ تو ہمارے بڑے ہیں بزرگ ہیں۔ پھر حضرت حاجی کو لے کر بنیاد پر پہنچے جو کھد کر تیار ہو گئی تھی۔ اور اس وقت کے اکابر کا خیال تھا کہ کوئی مقدس اور بزرگ ہستی ایسی نہ تھی جو اس موقع پر موجود نہ ہو۔

اب گفتگو ہوئی کہ پہلی اینٹ کون رکھے حضرت حجۃ الاسلام اگر چہ تمام سلسلہ کے لیے روح رواں تھے مگر آپ ظاہری امتیاز کے موقع پر ہمیشہ پیچھے رہتے حتی کہ مدرسہ کی زمین کا بیع نامہ بھی حضرت حاجی صاحب کے نام کرایا۔ بہر حال اس موقع پر حضرت حجۃ الاسلام نے تجویز فرمایا کہ سب سے پہلے حضرت میاں جی منے شاہ خشت بنیاد رکھیں کیونکہ وہ بزرگ بھی ہیں۔ پھر حضرت حاجی عابد حسین صاحب اینٹ رکھیں۔ اس کے بعد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے اینٹ رکھوائی پھر سب کے ساتھ مولانا حجۃ الاسلام نے اینٹیں رکھیں۔

اس دن اہل اللہ کے قلوب پر ایک عجیب سرور تھا۔ ایک عجیب خوشی تھی۔ سب کے دل فرحت سے مالا مال تھے۔ (۱۷)

حضرت حجۃ الاسلام نے اس مبارک بنیاد کو قندیل معلق سے تشبیہ دی جو توکل اور اعتماد علی اللہ کی سنہری زنجیر میں آویزاں ہے۔

حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے اسی مضمون کو مندرجہ ذیل اشعار میں نظم فرمایا ہے۔

اس کے بانی کی وصیت ہے کہ جب اس کے لیے ۔۔۔ کوئی سرمایہ بھروسہ کا ذرا ہو جائے گا
پھر یہ قندیل معلق اور توکل کا چراغ ۔۔۔ یہ سمجھ لینا کہ بے نور وضیاء ہو جائیگا

ہے توکل پر بناء اس کی تو بس اس کا معین اک اگر جائیگا پیدا دوسرا ہوجائیگا

تاریخ تعمیر:

مدرسہ کا سن تاریخ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے اس جملہ میں ادا کیا۔

اشرف عمارت یافتہ اند

۱۲۹۳ھ

ارکان شوریٰ:

۱۲۹۱ھ میں حسب ذیل حضرات ارکان شوریٰ تھے۔

۱۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ۔

۲۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحبؒ۔

۳۔ حضرت حاجی عابد حسین صاحبؒ۔

۴۔ مولانا ذوالفقار علی صاحبؒ۔

۵۔ منشی فضل حق صاحب دیوبندیؒ۔

۶۔ مولانا فضل الرحمٰن صاحب دیوبندیؒ۔

دارالعلوم دیوبند کے اصول ومقاصد:

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ العزیز کے قلم کے تحریر فرمودہ اصول رسالۃ

القاسم کے دار العلوم نمبر (مجریہ ۱۳۴۷ء) میں شائع ہوئے ہیں۔

ان اصول کی بناء پر بآسانی کہا جا سکتا ہے کہ دار العلوم اور اس کے ہم صنف دیگر مدارس کے مقاصد حسب ذیل ہیں۔

(الف) آزادی ضمیر کے ساتھ ہر موقع پر کلمۃ الحق کا اعلاء ہو۔

(ب) اس کا تعلق عام مسلمانوں کے ساتھ زائد سے زائد ہو تا کہ یہ تعلق خود بخود مسلمانوں میں ایک نظم پیدا کر دے جو ان کو سلام اور مسلمانوں کی اصل شکل پر قائم رکھنے میں معین ہو۔ اس طرح اسلامی عقائد اور اسلامی تہذیب ہمیشہ محفوظ ہو جائے۔ جب تک یہ مرکز اپنے صحیح اصول پر قائم رہے۔ نیز توکل علی اللہ اور عوام کی طرف احتیاج خود کارکنان مدرسہ کو اسلامی شان پر باقی رکھ سکے اور جابرانہ استبداد یا ریاست کا ٹھاٹھ ان میں قطعاً نہ پیدا ہو بلکہ ایک جمہوری تعلق ہو جو ایک کو دوسرے کا محتاج رکھے اور اس طرح آپس میں خود ایک دوسرے کی اصلاح ہوتی رہے۔

مندرجہ بالا (الف) اور (ب) کے لیے ملاحظہ ہو اصول وضوابط کی دفع نمبر ۶، ۷، ۸، جن کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔

اصل نمبر ۶: اس مدرسہ میں جب تک آمدنی کی کوئی سبیل یقینی نہیں اس وقت تک یہ مدرسہ انشاء اللہ بشرط توجہ الی اللہ اسی طرح چلے گا۔ اور جب کوئی آمدنی یقینی حاصل ہوگی۔ جیسے جاگیر یا کارخانہ، تجارت یا کسی اور امیر محکم القول کا وعدہ تو پھر یوں نظر آتا ہے۔ کہ خوف ورجاء جو سرمایہ رجوع الی اللہ ہے ہاتھ سے جاتا رہے گا اور امداد غیبی موقوف ہو جائے گی۔ کارکنوں میں باہم نزاع پیدا ہو جائے گا۔ مقصد یہ ہے کہ آمدنی اور تعمیر وغیرہ میں ایک طرح کی بے سروسامانی ملحوظ رہے۔

اصل نمبر ۷: سرکار کی شرکت اور امراء کی شرکت مضر معلوم ہوتی ہے۔

اصل نمبر ۸: تا مقدور ایسے لوگوں کا چندہ موجب برکت معلوم ہوتا ہے۔ جن کو اپنے چندہ سے امید

ناموری نہ ہو بالجملہ حسن نیت اہل چندہ زیادہ پائیداری کا موجب معلوم ہوتا ہے۔(۱۸)

الحمدللہ کہ دارالعلوم دیوبند (متعدد بار لاکھوں روپے سالانہ کی طمع دلانے کے باوجود) آج تک گورنمنٹ کے احسان سے آزاد ہے اور مستقبل کے لیے اسی کا عہد ہے۔

خداوندتو اس کے متوسلین کے قلوب کو ہر ایک ناجائز تاثر سے آزاد رکھ(آمین)

(ج) کارکنان خدام اور مستفیضین کی جماعت جملہ اثرات سے محفوظ اور مامون رہ کر ولی اللعی مسلک پر شدت سے عمل پیرا رہے۔ جس کے متعلق تمام عالم اسلامی کا اتفاق ہے کہ وہ سنت قویہ ہے مسلک اسلاف کے عین مطابق ہے افراط وتفریط سے پاک صراط مستقیم اور معیار صحیح ہے۔ ملاحظہ ہو اصل نمبر ۶ جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں۔

''یہ بات نہایت ضروری ہے کہ مدرسین مدرسہ باہم متفق المشرب ہوں اور مثل علماء روزگار خودبین اور دوسرے کے درپے توہین نہ ہوں خدانخواستہ جب اس کی نوبت آئے تو پھر اس مدرسہ کی خیر نہیں''

(د) خودداری اور استبداد (جو شرعی نیز تاریخی حیثیت سے بردباری مسلم کا واحد ذمہ دار ہے) کے بر خلاف باہمی مشاورت سے جمہوری اور اجتماعی حیثیت کے ساتھ کام کرنے کا نمونہ مسلمانوں کے سامنے پیش کیا جائے۔

چنانچہ اس کے متعلق اصل سوم میں متعدد ضابطوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جن کو ہم نمبر وار اصلی الفاظ کے ساتھ درج کرتے ہیں۔

(۱) مشیران مدرسہ کو ہمیشہ یہ بات ملحوظ رہے کہ مدرسہ کی خوبی اور اسلوبی پیش نظر ہو اپنی بات کی پچ نہ کی جائے خدانخواستہ جب اس کی نوبت آئے گی کہ اہل شوریٰ کو اپنی مخالفت رائے اور اوروں کی رائے کے موافق ہونا ناگوار ہو تو پھر اس مدرسہ کی بناء میں تنزل آجائے گا۔ القصہ تہہ دل سے بروقت مشورہ اور نیز اس کے پس وپیش میں اسلوبی مدرسہ ملحوظ ہو۔ سخن پروری نہ ہو۔

(۲) اوراس لیے ضروری ہیکہ اہل مشورہ اظہار رائے میں کسی وجہ سے متأمل نہ ہوں۔

(۳) سامعین اس کو بہ نیت نیک سنیں۔ یعنی یہ خیال رہے کہ اگر دوسرے کی بات سمجھ میں آجائے گی تو اگرچہ ہمارے مخالف ہی کیوں نہ ہو بہ دل وجاں قبول کریں گے۔

(۴) نیز اسی وجہ سے (یعنی اپنی بات کی پچ نہ ہو بلکہ مفاد مدرسہ پیش نظر ہو) ضرور ہے کہ مہتمم صاحب مشورہ طلب امور میں اہل مشورہ سے مشورہ کرے۔ خواہ وہ لوگ ہوں جو ہمیشہ مشیر مدرسہ ہوں۔ یا کوئی وارد صادر جو کہ علم وعقل رکھتا ہو اور مدرسوں کا خیر اندیش ہو۔

(۵) نیز اسی وجہ سے لازمی ہے کہ اگر اتفاقاً کسی وجہ سے کسی اہل مشورہ سے مشورہ کی نوبت نہ آئی اور بقدر ضرورت اہل مشورہ کی مقدار معتد بہ سے مشورہ کیا گیا ہو تو پھر وہ شخص اسی وجہ سے ناخوش نہ ہو کہ مجھے کیوں نہ پوچھا نہ وہ پھر اہل مشورہ پر معترض ہو سکتا ہے۔ مذکورہ بالا تحریر سے (جس کو مؤلف نے بعینہ نقل کیا ہے صرف نمبر ڈال کر پانچ حصوں پر تقسیم کر دیا ہے) واضح ہے۔

(۱) مشیران مدرسہ کا فرض ہے کہ وہ اپنے مشورہ کو میں صداقت ودیانت کے ساتھ مفاد مدرسہ کا بھی لحاظ رکھیں اپنی اغراض کی آمیزش قطعاً نہ ہو۔

(۲) مہتمم یا کوئی اور شخص ممتاز مطلق نہیں ہوسکتا، اہل مشورہ سے مشورہ کرنا مہتمم کا فرض ہے۔

(۳) یہ ضروری نہیں کہ جملہ ارکان شوریٰ جلسہ میں حاضر ہوں البتہ یہ ضروری ہے کہ ایک معتد بہ تعداد ہو (جس کو حاضری کی اصطلاح میں کورم پورا ہونا کہتے ہیں)۔

(۴) کورم پورا ہونے کے بعد جو رائے طے ہو اس کی موافقت ہر ممبر پر لازم ہوگی اب لیت ولعل غلط اور ناجائز ہے۔

(۵) سرپرست وغیرہ کے لیے ان تمام قواعد وضوابط میں کوئی گنجائش نہیں، صرف ایک مہتمم ہے جس کو اہل شوریٰ کے سامنے جوابدہ قرار دیا گیا ہے، ہاں بظاہر نمبر ۶، اور نمبر ۵ میں تعارض ہے کیونکہ بظاہر یہ معلوم ہوتا

ہے کہ مہتمم پر اگرچہ مشورہ لازم ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ اہل شوریٰ ہی ہوں، بلکہ اگر کوئی وارد صادر مدرسوں کا خیر اندیش اور عاقل ہو تو اس سے مشورہ کیا جاسکتا ہے۔ لیکن نمبر ۵ کا مفاد یہ ہے کہ اہل مشورہ کی معتد بہ مقدار سے مشورہ کرنا مہتمم کے لیے ضروری ہے ورنہ باز پرس ہوسکتی ہے۔ لیکن نمبر ۵ ہی کی روشنی میں یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ نمبر ۴ کا تعلق ان امور سے ہے جو مہتمم کے اختیارات میں مانے جائیں۔ ورنہ پھر ظاہر کہ اہل مشورہ اور شوریٰ سب بیکار۔

بہر حال دونوں نمبروں کا خلاصہ یہ ہوا کہ مشورہ طلب امور میں مہتمم کے لیے مشورہ ضروری۔ پھر وہ امور جو مہتمم صاحب کے اختیار میں ہیں۔ ان میں مشورہ جس سے چاہے کرسکتا ہے لیکن جو اختیار سے بالا امور ہیں ان میں شوری سے مشورہ لازم ہے۔ جیسے قرآن مجید میں مشورہ کا حکم دیا گیا ہے (۱۹)

وشاورهم فی الامر ۔ وامرهم شوریٰ بینهم۔

فصل دوم: نصاب ونظام تعلیم

دارالعلوم کا نصاب تعلیم:

دارالعلوم کے اصل موضوع اور مقصد کے سلسلہ میں سب سے زیادہ بنیادی اور اساسی چیز دارالعلوم دیوبند کا نصاب تعلیم ہے جس سے یہاں کے فضلاء کا دینی رخ متعین ہوتا ہے، جو ہر تعلیمی شعبہ کا الگ الگ ہے۔ درجات عربیہ کے نصاب میں ۲۲ علوم وفنون داخل ہیں جن میں کچھ علوم عالیہ ہیں جو مقاصد کا درجہ رکھتے ہیں اور کچھ علوم آلیہ ہیں جو علوم عالیہ کے لیے مددومعاون یا وسائل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

علوم عالیہ:

قرآن عظیم، تفسیر، اصول تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، علم عقائد وکلام، علم الاحسان (تصوف) علم الفرائض والمواریث۔

علوم آلیہ:

صرف، نحو، معانی وبیان، ادب عربی، منطق، فلسفہ، عروض، قوافی، مناظرہ، ہئیت، ہندسہ، حساب، طب، تجوید وقراءات۔

حال ہی میں درجات عربیہ میں بمقتضائے وقت نصاب میں جغرافیہ تاریخ، مبادی سائنس اور معلومات عامہ کا مزید اضافہ کیا گیا ہے۔

دار العلوم میں درجہ بندی نہیں ہے بلکہ درجات عربیہ کے پوری نصاب کو ۱۱ سال پر تقسیم کر دیا گیا ہے ایک سال کی مقررہ کتابیں ختم کرنے کے بعد طالب علم دوسرے سال کی مقررہ کتابیں پڑھتا ہے البتہ اس میں فنون وکتب کی ترتیب پیش نظر رکھی گئی ہے۔ تاکہ تمام علوم وفنون ایک خاص تناسب اور ترتیب کے ساتھ اول سے آخر تک زیر تعلیم آتے رہیں اور طالب علم کو تمام علوم کے ساتھ بیک وقت تدریجی مناسبت پیدا ہوتی رہے جیسا کہ ذیل کے سال وار مرتب نصاب سے واضح ہے۔

درجہ عربیہ کا گیارہ سالہ نصاب تعلیم:

سال اول:

صرف	(میزان الصرف، منشعب، پنج گنج، علم الصیغہ)
نحو	(نحو میر، شرح مائتہ عامل)
عربی ادب)	مفید الطالبین
منطق	(صغریٰ، کبریٰ)

سال دوم:

صرف	(فصول اکبری تا بحث مخارج، مراح الارواح)
نحو	(ہدایۃ النحو، کامل، کافیہ کامل)
عربی ادب	(نفحۃ العرب، الیمن دو باب، تحریر عربی)
منطق	(مرقات، شرح تہذیب تا ضابطہ)

فقہ (نورالایضاح، قدوری)

سال سوم:

نحو (شرح جامی بحث فعل وحرف و بحث اسم تامبنیات)

عربی ادب (نفحۃ العرب، تحریر عربی)

منطق (قطبی، تصدیقات تامختلطات)

فلسفہ (ہدیہ سعیدیہ)

فقہ (کنزالدقائق)

اصول فقہ (اصول الشاشی

سال چہارم:

علم معانی وبیان (مختصر المعانی، فن اول وثانی، تلخیص المفتاح تمام)

منطق (قطبی تصورات تمام، میر قطبی تامفہوم)

فقہ (شرح وقایہ تاختم کتاب العتاق)

اصول فقہ (نورالانوار تاباب القیاس)

تفسیر (ترجمہ قرآن شریف اول پندرہ پارے)

تجوید وقراءات (مشق پارہ عم مع فوائد مکیہ)

سال پنجم:

عربی ادب	(مقامات حریری ۲۰ مقامے انشاء عربی)
منطق	(سلم العلوم)
فقہ	ہدایہ اولین کامل)
اصول فقہ	(حسامی تمام)
تفسیر	(ترجمہ قرآن شریف آخری پندرہ پارے)

سال ششم:

تفسیر	(جلالین شریف تمام)
اصول تفسیر	(الفوز الکبیر تمام)
منطق	(ملا حسن تا بحث جنس)
فلسفہ	(میبذی تمام)
علم کلام	(مسامرہ تمام شرح عقائد نسفی تمام)
علم الفرائض	(سراجی)
اصول افتاء	رسم المفتی)

سال ہفتم:

فقہ	(ہدایہ اخیرین تمام)

تفسیر	(بیضاوی سورہ بقرہ سواپارہ)
حدیث	مشکوۃ شریف تمام
اصول حدیث	(شرح نخبۃ الفکر تمام)
اصول فقہ	(توضیح تلویح، تا بحث حقیقت ومجاز)
ہئیت	تصریح تمام)

سال ہشتم:

حدیث	(نسائی، ابن ماجہ، ترمذی، بخاری، ابوداؤد، مسلم، شمائل ترمذی، موطا امام مالک، محمد)
تفسیر	(طحاوی، بیضاوی ثلث اول از ربع ثانی پارہ سیقول تا سورہ مائدہ۔
	بیضاوی شریف ثلث ثانی از سورہ یونس تا سورہ مریم
	بیضاوی شریف ثلث ثالث از سورہ ق تا ختم قرآن شریف
دورہ تفسیر	ابن کثیر، ثلث اول از سورہ آل عمران تا سورہ یونس
	ابن کثیر: ثلث ثانی از سورہ رعد تا سورہ روم
	ابن کثیر: ثلث ثالث از سورہ روم تا سورہ صف

درجہ تکمیل سال اول:

ادب عربی:	دیوان حماسہ، باب الحماسہ وباب المراثی،

	دیوان متنبی: تا قافیہ
	سبعہ معلقات: تا دو معلقہ
عروض، قوافی	(نقطۃ الدائرہ)
علم المعانی	مطول تا بحث ما انا قلت
مناظرہ	(رشیدیہ)
منطق	(میر زاہد رسالہ تمام، میر زاہد، ملا جلال تا بحث موضوع)
فلسفہ	صدرا، دو فصل شمس بازغہ تا بحث واتفاق
ہئیت	شرح چغمینی تا فصل رابع سبع شداد بست باب۔ تمام

درجہ تکمیل سال دوم:

اصول فقہ	مسلم الثبوت۔
ریاضی	خلاصۃ الحساب۔ اقلیدس
منطق	حمد اللہ تا شرطیات، قاضی مبارک، تا ختم امہات المطالب
علم کلام	خیالی، تا احوال برزخ، امور عامہ، تا بحث وجود ذہنی، جلالی، تا ختم صفات
حکمت شرعیہ	عوارف المعارف، حجۃ اللہ البالغہ، قسم اول

نصاب تعلیم صف عربی:

صف ابتدائی

درس کتب عربی، المطالعۃ المحمودۃ، المطالعۃ السعودیہ، جزوثالث، المطالعۃ المختارہ، القراءۃ الراشدہ، الذخیرہ، معلم الانشاء جز اول المطالعۃ العربیہ، خورد کے امتحانات اوران کے سلسلہ میں عملی مشق

ترجمہ اردو سے عربی اور عربی سے اردو ترجمہ

تحریری کام رسم الخط کی مشق، املاء، الفاظ کے صحیح تلفظ اس درجہ میں درس زیادہ تر اردو زبان میں ہوتا ہے مگر درس کا کچھ حصہ عربی زبان میں بھی ہوتا ہے۔اس کی مدت ایک سال ہے۔

صف ثانوی:

درس کتب عربی، مدارج، الانشاء، عربی اختیارات کا انتخاب، الذخیرہ، معلم الانشاء، جزدوم وسوئم، المطالعۃ السعودیہ، حصہ خامس وسادس، المطالعۃ العربیہ کلاں کے انتخابات اوران کے سلسلہ میں عملی مشق۔

انشاء: ابتدائی انشاء تقریر اسلوب بیان، رقاع، املاء

کتاب محفوظات سے: قواعد نحو، حکم ومواعظ اور حزب الامثال کو زبانی یاد کرنا، اشعار زبانی یاد کرنا

اس درجہ میں درس کا نصف حصہ اردو زبان میں ہوتا ہے اور نصف حصہ عربی زبان میں اس کی مدت ایک سال ہے۔

صف نہائی (آخری)

درس معلم الانشاء العربی کلاں مصری، عربی زبان کے اخبارات، مضمون نگاری، تقریر، سیرت اور مختلف موضوعات پر معلوماتی مطالعہ۔

اس درجہ میں تدریس وتفہیم وغیرہ سب عربی میں ہوتی ہے اس کی مدت بھی ایک سال ہے اس ادارہ

صف عربی کے سال وار جلسے اور اجتماعات ہوتے ہیں جس میں طلبہ عربی زبان میں تقریریں کرتے ہیں اور جلسے کے تمام معاملات عربی زبانی میں ہی طے کیے جاتے ہیں جس سے طلبہ کا حوصلہ بڑھتا ہے اور وہ نطق کے ساتھ عربی خطابت پر بھی قابو یافتہ ہو جاتے ہیں۔

نصاب درجہ قراءۃ وتجوید:

نصاب درجہ اردو حفص ؒ: (سال اول) مشق، حروف تہجی، مخارج وصفات زبانی یاد کرنا جمال القرآن۔ مشق پانچ پارے

نصاب درجہ اردو حفص ؒ (سال دوم) معرفۃ الوقوف، مشق قراءۃ پچیس پارے

نصاب درجہ حفص ؒ (عربی) سال اول) مشق حروف تہجی، مخارج وصفات زبانی یاد کرنا، فوائد مکیہ، جزری، خلاصۃ البیان، مشق پارہ عم، بروایت حفص ؒ اجراء پانچ پارے مع مشق لہجہ عربیہ

نصاب درجہ حفص ؒ (عربی) سال دوئم

مشق لہجہ عربیہ اور قواعد ضروریہ کو پختہ کرانا، اجراء قرآن شریف پچیس پارے بروایت حفص ؒ

نصاب سبعہ (عربی) سال اول

شاطبیہ، رائیہ، مشق متفرق رکوع

سال دوم:

اجراء قراءۃ سبعہ، مشق مختلف رکوع

نصاب عشرہ عربی: سال اول

طیبہ، مشق، متفرق رکوع

سال دوم:

اجراء قراءۃ عشرہ، مشق متفرق رکوع

نصاب تعلیم درجات فارسی وریاضی دارالعلوم دیوبند:

درجات فارسی وریاضی میں مدت تعلیم پانچ سال رکھی گئی ہے اس شعبہ میں ادب فارسی، قواعد عربی، فقہ اردو وفارسی، تاریخ اسلام، جغرافیہ، ہندی، حساب واقلیدس، آٹھ مضامین زیر تعلیم ہیں۔

درجہ اول:

ادب فارسی واردو مفید نامہ، قاعدہ تعلیم الاسلام حصہ اول ودوم، اردو کی دوسری کتاب۔

قواعد فارسی: حفظ مصادر مع مضارع رسالہ نادر

تاریخ تاریخ الاسلام حصہ اول

ریاضی پہاڑہ ۲۰ ۔ ۱۰ تک پوا، آدھا، دس تک ہندسہ سو تک اعداد مراتب، جمع تفریق، بسیط)

تحریری کام: حروف تہجی لکھنا، مرکب جملوں کی مشق، جملوں کا املا

درجہ دوم :۔

ادب فارسی واردو	گلزار دبستان تمام کریما مع ترجمہ اردو کی تیسری کتاب تعلیم الاسلام حصہ سوئم
قواعد فارسی واردو	آمد نامہ رسالہ قواعد اردو حصہ اول تمام
تحریری کام	اردو املاء ہفتہ میں ایک یا دو دن خط اور عرضی لکھنے کی مشق
تاریخ	تاریخ الاسلام ۲ نصف اول
جغرافیہ	اصطلاحات جغرافیہ، جغرافیہ ضلع سہارنپور
ہندی ادب	قاعدہ ہندی پرائمر
ریاضی	ضرب بسیط، تقسیم بسیط، تحویل ادنی واعلی، جمع وتفریق، ضرب وتقسیم

مرکب، پونا، سوایا

درجہ سوئم :۔

ادب فارسی واردو	گلستان چہار باب مع دیباچہ، پند نامہ عطار تا صفحہ ۳۰ انشاء فارغ تمام

تعلیم الاسلام حصہ چہارم

قواعد فارسی	احسن القواعد تا بیان حروف مرکبہ
تاریخ	تاریخ الاسلام ۲ نصف ثانی
جغرافیہ	جغرافیہ متحدہ آگرہ واودھ
ہندی ادب	شکشا سویان، پہلی سڑھی، ہندی لکھنا
ریاضی	ذواضعاف اقل، مقسوم علیہ اعظم، کسروں کا مفرد بنانا کسور کا مقابلہ۔ جمع

وتفریق، ضرب وتقسیم، کسور عام جمع وتفریق، کسور اعشاریہ

درجہ چہارم:۔

ادب فارسی واردو	بوستان چہار باب، رقعات عالمگیری مالا بدمنہ، تا کتاب الحج
قواعد فارسی	احسن القواعد باب اول تا ۳۷
صرف عربی	میزان الصرف، منشعب، پنج گنج، صرف میر
تاریخ	تاریخ الاسلام حصہ ۳
جغرافیہ	تذکرہ سرزمین ہند معہ نقشہ دانی
ادب ہندی	شکشا سویان، دوسری سیڑھی، ہندی لکھنا
ریاضی	ضرب کسور اعشاریہ، تقسیم کسور اعشاریہ۔ جزرالمربع اعداد صحیح، جزرالمربع کسور عام وکسور اعشاریہ، حساب تجارت، مفرد ومرکب، مربع، مستطیل، کمروں کا رقبہ نکالنا
تحریری کام	درجہ سوئم و چہارم میں اردو سے فارسی اور فارسی سے اردو ترجمہ کرایا جائے۔

درجہ پنجم:۔

ادب فارسی	سکندر نامہ، تا ختم رفتن سکندر در عجم ۱۴۴، انوار سہیلی، صرف باب اول بغیر دیباچہ، مثنوی شریف۔
تحریری کام	فارسی میں مضمون لکھنے کی مشق، ہفتہ میں ایک مضمون
قواعد فارسی	احسن القواعد باب دوم کی فصل دوم وسوم ۳۷ تا ۷۰

عربی نحو	نحو میر، شرح مأتہ عامل
منطق	کبری
عربی ادب	مفید الطالبین
جغرافیہ	تذکرہ سرزمین ایشیاء معہ نقشہ دانی
تاریخ	سرور المحزون
ریاضی	تحریر اقلیدس، مقالہ اول بغیر نتائج غیر صریحہ، پونٹیری، طریقہ، اربعہ متناسبہ اوسط فیصدی تناسب

نصاب درجہ حفظ قرآن شریف:

اس درجہ میں طلباء کو پورا قرآن شریف حفظ کرایا جاتا ہے اس کے لیے کوئی مدت معین نہیں ہے ہر طالبعلم اپنی استعداد کے مطابق مدت صرف کر کے قرآن شریف حفظ کر لیتا ہے عموماً اوسطاً ایک طالبعلم کو پورا قرآن شریف حفظ کرنے میں ۴ سال خرچ کرنے پڑتے ہیں۔ اس بات کی سعی کی جارہی ہے کہ اس سے کم مدت میں حفظ قرآن شریف مکمل ہو جائے

درجات ابتدائی اردو و دینیات کے لیے نصاب

درجہ اول:۔

(ا) دینیات قرآن شریف ناظرہ قاعدہ نصف پارہ عمہ مع تصحیح مخارج

(ب) قرآن شریف حفظ تسمیہ تعوذ ثناء درود شریف الم ترکیف تک سورتیں حفظ

(ج) مذہبی عقائد　　　　کلمہ طیبہ معہ مطلب زبانی

(د) فقہ زبانی　　صفائی کی خوبیاں اور فائدے بدن کو پاک رکھنا کپڑوں کو پاک رکھنا مسواک کرنا

اخلاق زبانی

لوگوں سے اچھا معاملہ کرنا ماں باپ کی تعظیم بڑوں کا ادب چھوٹوں پر مہربانی سچ بولنا دیانت داری کی خوبی

جھوٹ اور چوری کی برائی

رہن سہن کے طریقے زبانی

سلام کرنا خندہ پیشانی سے ملنا کھانے پینے کے آداب

2 اردو

حروف شناسی اور رواں پڑھنا املاء حروف ہجا اور ان کی مختلف صورتوں کی مشق تختی پر

3 حساب

گنتی سو تک

درجہ دوم:

(ا) قرآن شریف ناظرہ تا ختم پارہ لایحب اللہ مع تصحیح مخارج

(ب) قرآن شریف حفظ تا سورۃ لم یکن۔

عقائد:

اللہ تعالی کی تعریف اور صفات (اجمالی طور پر) نبی، رسول مشہور انبیاء علیھم السلام کے، نبیوں کے کام سب

سے پہلے نبی اور سب سے آخری نبی اسلام اور مسلمان ہونے کا مطلب کلمہ شہادت مع ترجمہ

سیرت

آنحضرت ﷺ کی پیدائش خاندان وطن شیر خوارگی بچپن ابوطالب کی سپردگی اور سفر تجارت آنحضرت ﷺ کا ذریعہ معیشت شام کا دوسرا سفر نکاح سب سے پہل بیوی نبوت کا ملنا سب سے پہلے مسلمان تبلیغ توحید کی تعلیم راہ حق میں مصیبتیں۔

فقہ اور ضروری مسائل:

بدن اور کپڑوں اور جگہ کو پاک کرنے کا طریقہ وضو کی خوبیاں، وضوء کا طریقہ، وضو توڑنے والی چیزیں، نماز میں کیا پڑھا جاتا ہے۔

اخلاق:

ماں باپ کے احسانات ان کی خدمت رشتہ داروں کے ساتھ برتاؤ بڑوں کا ادب مخلوق خدا کی خدمت اپنوں اور پرائیوں سے اچھا سلوک جانداروں پر رحم سچ اور جھوٹ بری باتوں سے زبان کو روکنا۔

اسلامی تہذیب

بدن کی صفائی کپڑے مدرسہ مکتب اور رہنے کی جگہ کی صفائی مجلسی آداب سلام مصافحہ ادب سے بات چیت اچھے اور برے کھیل تماشے۔

2اردو:

(ا) پڑھنا درسی کتاب سے دیکھ کر عبارت پڑھنا الفاظ اور جملوں کے معانی عبارت کا مطلب۔

(ب) لکھنا درسی کتاب کے الفاظ جملوں اور عبارت کو تختی پر نقل کرنا درسی کتاب کے ان الفاظ اور جملوں کا املاء۔

3حساب:

پہاڑے پانچ تک علامات جمع وتفریق سادہ جمع تفریق جس کا مجموعہ بیس سے زیادہ نہ ہو آدھ آنہ ایک آنہ اور دو آنے کے پیسے روپیہ کے آنے اور روپے کے پیسے۔

4معاشرتی علوم:

تاریخ زبانی سیرت مبارک کے خاص خاص واقعات زبانی بیان کر کے تاریخ کا تصور اور فوائد ذہن نشین کرائے جائیں اور بچوں میں سلیقہ پیدا کیا جائے کہ وہ سنے ہوئے واقعات ذہن نشین کریں پھر اپنے الفاظ میں ان کا مفہوم ادا کریں گے۔

درجہ سوم:۔

دینیات (ا) قرآن شریف ناظرہ تاختم پارہ بستم مع تصحیح مخارج

(ب) قرآن شریف حفظ نصف پارہ عمہ مع تصحیح مخارج۔

(ج) عقائد

توحید صفات خداوندی اسماء حسنیٰ مشہور پیغمبروں کے نام فرشتے خدا کی کتابیں قیامت جنت و دوزخ عذاب وثواب۔

سیرت:

مکہ معظمہ میں ترقی اسلام اور مخالفوں کی سازشیں ہجرت حبشہ شعب ابی طالب میں محاصرہ حضرت خدیجہؓ اور ابوطالب کی وفات دوسرا نکاح بازاروں اور محلوں میں تبلیغ سفر طائف اہل مدینہ سے تعلق مدینہ منورہ میں اسلام ہجرت کا ارادہ صحابہؓ کی دعوت قریش کے منصوبے۔

فقہ:

وضو فرائض وضو آداب استنجاء آذان وتکبیر نماز پڑھنے کا طریقہ رکوع وسجدہ وغیرہ کا صحیح طریقہ۔

اخلاق:

حق کا مطلب حق داروں کے مرتبے حقوق اللہ حقوق العباد خدمت خلق شکر واحسان مندی بڑوں کا احترام ایفائے عہد اچھی بری صحبت دشمنوں کو دوست بنانے کا طریقہ غیبت کسے کہتے ہیں غیبت چغلی اور جھوٹ۔

اسلامی تہذیب:

آداب ملاقات آداب گفتگو آداب مجلس کھانے پینے کے آداب۔

2 اردو تحریر:

املاء چھوٹی چھوٹی کہانیاں لکھائی جائیں خط لکھنا سکھایا جائے۔

3 حساب:

جمع تفریق ضرب تقسیم سادہ پہاڑے 20×10 اوران کے متعلق سوالات کی زبانی مشق اورتحریری مشقوں کسروں اورروزمرہ کے پیمانوں کا تصور۔

معاشرتی علوم:

زبانی آنحضرت ﷺ اور صحابہ ؓ کے واقعات بیان کر کے ان کی مقدس زندگی اور پاک خدمات کا تصور بٹھایا جائے۔

درجہ چہارم:۔

دینیات:

(۱) قرآن شریف ناظرہ تاختم قرآن پاک مع تصحیح مخارج

(ب) قرآن شریف حفظ پوراپارہ عمہ تا سورہ یسین آیۃ الکرسی

عقائد:

شرک اور کفر اجمالی بیان جلیل القدر ملائکہ اور ان کے نام نبوت ختم نبوت وحی معجزہ قرآن شریف۔

سیرت:

مدینہ منورہ میں تشریف آوری سے وفات تک کے حالات اور غزوات وسرایا۔

فقہ:

فرائض سنن مستحبات وضو فرائض وسنن غسل اقسام نجاست پانی کی پاکی وناپاکی تیمم کن چیزوں سے تیمم کر سکتے ہیں اوقات نماز اوقات ممنوعہ مکروہ اوقات فرائض وسنن نماز فرض واجب سنن موکدہ سنن رواتب نفل جماعت فوائد وفضائل جماعت مقتدی منفرد امام نماز جمعہ اور اس کے ضروری مسائل۔

اخلاق:

الحب فی اللہ والبغض فی اللہ حقوق العباد ماں باپ رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے حقوق صلہ رحمی حسن سلوک نرم دلی خیر خواہی خلق خدا کے فضائل وخوبیاں حسد بغض خیانت وغیرہ کی قباحتیں غصہ اور اس کا صحیح استعمال۔

آداب معاشرت:

حلال وحرام مکروہ اور مباح کھانے کے آداب دسترخوان کے آداب مہمان سونے اور جاگنے کی دعائیں اوران کے آداب وضع قطع لباس محلّہ اور گلی کی صفائی برتنوں کی صفائی مسکرات سے اجتناب اسراف وبخل سے اجتناب۔

2 حساب:

چاروں مرکب قاعدے ہندوستانی سکوں اوزان اور پیمانوں میں کسری پہاڑے پوا آدھا پونا سوایا دس تک دام اورتول لکھنے کا طریقہ۔

3 معاشرتی علوم

خلفائے راشدین صحابہ کرام اوراکابرین کے حالات۔

جغرافیہ:

سمتیں قبلہ کی سمت نقشہ میں کھیت باغ مکان اورسڑکوں وغیرہ کی علامتیں نقشہ میں گاؤں تھانہ پرگنہ دریا پہاڑ جزیرہ جھیل وغیرہ اصطلاحات جغرافیہ۔

طبقات اکابر دار العلوم دیو بند:

پہلا طبقہ:۔ ۱۲۷۰ھ/ ۱۸۵۷ء تا محرم ۱۲۸۳ھ/ ۱۸۷۲ء قیام دار العلوم دیو بند

دوسرا طبقہ:۔

۱۲۸۳ھ/ ۱۸۷۲ء تا ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۴ء

تیسرا طبقہ:۔

۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۴ء تا ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۰ء

چوتھا طبقہ موجودہ

پہلے طبقے کے اکابر:

(۱) حضرت شاہ عبد الغنی صاحب دہلوی مہاجر مدنی قدس اللہ سرہ العزیز

(۲) شیخ العرب والعجم سیدنا حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی قدس اللہ سرہ العزیز

(۳) حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز

(۴) امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز

دوسرے طبقہ کے اکابر:

(۱) حجۃ الاسلام حضرت محمد قاسم صاحب قدس اللہ سرہ العزیز

(۲) امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز

(۳) حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی شیخ الحدیث دار العلوم دیو بند

(۴) حضرت حاجی حافظ سید عابد حسین صاحب

(۵) حضرت حاجی رفیع الدین صاحب

(۶) حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب (والد ماجد حضرت شیخ الہند)

(۷) حضرات مولانا مہتاب علی صاحب (برادران بزرگ حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب) وغیرہ وغیرہ۔

تیسرے طبقے کے اکابر:

(۱) امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز

(۲) شیخ الہند امام حریت حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قدس اللہ سرہ العزیز

(۳) حضرت مولانا احمد حسن امروہی قدس اللہ سرہ العزیز

(۴) حضرت مولانا عبد الرحیم صاحب (رائپوری) رائے پور (۲۰)

اکابر دار العلوم دیوبند کا چوتھا طبقہ:

از ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۰ء تا ۱۳۴۷ھ/۱۹۲۷ء

(۱) حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب

(۲) فخر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب

(۳) امام العصر سیدنا حضرت مولانا انور شاہ صاحب کاشمیری

(۴) سیدنا حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب (مفتی دار العلوم دیوبند)

نوٹ:۔ اس طبقہ کا آغاز ۱۳۳۹ھ سے کیا گیا اس لیے کہ اس میں طبقہ سوم کا اختتام قرار دیا گیا ہے۔ اگرچہ اس طبقہ کے اکابر کی خدمات پہلے ہی سے شروع ہیں جیسا کہ معلوم ہوگا۔ (۲۱)

فصل سوم: خدمات دارالعلوم کا ایک محققانہ جائزہ

بانی دارالعلوم کا خطاب:

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی نے اپنے خطبہ استقبالیہ میں فرمایا:

حضرات محترم! یہ بستی (دیوبند) جس میں آپ سب حضرات جمع ہیں بہت پرانی اور قدیم الایام بستی ہے۔ تاریخوں سے تقریباً ''ڈھائی تین'' ہزار سال تک اسکی آبادی کا پتہ چلتا ہے۔ قدیم زمانہ سے یہ بستی برادران وطن کی ایک زبردست تیرتھ گاہ ہونے کی وجہ سے (جو دیوی کنڈ کے نام سے معروف ہے اور اس پر آج بھی سالانہ میلہ لگتا ہے) مرکزیت کی حامل ہے۔ اس دیوی کنڈ ہی کے نام پر اس بستی کا قدیم نام ''دیبی بن'' تھا جو کثرت استعمال سے دیوبند کے نام سے مشہور ہوگیا۔

اس چھوٹی سی بستی میں مسلمانوں کی تعداد ۲۰ ہزار کے قریب ہے سو سے اوپر مسجدیں ہیں جن میں متعدد مساجد شاہی زمانوں کی یادگاریں ہیں۔ ادینی مسجد (یعنی قدیم جامع مسجد) پانچ سو سال اور ایک روایت کے مطابق آٹھ سو سال پرانی ہے جس کے سنگین کتبے پر بہلول شاہ ثبت ہے۔۔۔ مسجد خانقاہ عہد اکبری کی یادگار ہے، مسجد سرائے پیرزادگان، عہد جہانگیری کے آثار میں سے ہے۔ (۲۴)

یہ بستی شمالی ہند میں ۲۹ درجہ ۵۸ دقیق عرض البلد اور ۷۷ درجہ ۳۵ دقیقہ البلد دہلی سے ۹۳ میل شمالی جانب صوبہ یوپی میں واقع ہے تیر شاہی شاہراہ اعظم جو پشاور سے کلکتہ تک چلی گئی ہے اس بستی سے ہوکر گذرتی ہے اس بستی میں قدامت کے ساتھ مرکزیت کی شان بھی پہلے ہی سے موجود تھی، لیکن قدرت کو اس رسمی مرکزیت سے شرعی مرکزیت کا کام لینا تھا۔ اور اس جگہ سے علم کا ایک ایسا ہمہ گیر چشمہ جاری کرنا تھا۔ جو نہ صرف ہندوستان بلکہ دوسرے ممالک کو بھی علوم نبوت سے سیراب کرے۔ (۲۵)

قیام دارالعلوم کے وقت ہندوستان کی زبوں حالی:

روشن ضمیر اہل دل اس کی پیشینگوئیاں پہلے سے کرتے آرہے ہیں۔ (جسکی تفصیل ''تاریخ دارالعلوم'' میں دی گئی ہے)، ان پیشینگوئیوں کے مطابق یہ بستی عالموں، فاضلوں، قادرالکلام ادیبوں، آزادی کے جانباز مجاہدوں اور دینی میدان کے سرفروشوں کی بستی بننے والی تھی۔ یابا سباب ظاہرہ یہاں کی قدیم مساجد کی اذانوں اور تکبیروں، ذکر وتلاوت کی محفلوں اور نمازیوں کی جمگھٹوں کی برکات کا ظہور دینی رنگ میں ہونے والا تھا۔

وقت آیا تو ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ دست وخیز کے بعد اس بستی کا نیا دور شروع ہوا اور یہاں علمی وعرفانی زندگی کا ستارہ طلوع ہوا۔ جبکہ ہندوستان کی باگ ڈور انگریز کے ہاتھوں میں جاچکی تھی۔ اسلامی شوکت کے چراغ میں صرف دھواں اٹھتا ہوا رہ گیا تھا۔ جو چراغ کے بجھ جانے کا اعلان تھا دہلی کا تخت مغل اقتدار سے خالی ہو چکا تھا۔ اسلامی شعائر رفتہ رفتہ روبزوال تھے۔ دینی تعلم گاہیں اور علمی خانوادے اجڑ چکے تھے۔ دینی شعور رخصت ہور ہا تھا۔ جہالت اور ضلالت کی گھٹائیں افق ہند پر چھا چکی تھیں سنن انبیاء کی جگہ جاہلانہ رسوم ورواجات، مشرکانہ بدعات وخرافات اور ہوا پرستی زور پکڑتی جارہی تھی۔ جس سے دہریت والحاد، فطرت پرستی، آزادفکری، بے قیدی نفس وبا پھوٹ پڑی تھی۔ چمن اسلام میں خوش آواز پرندوں کے زمزموں کی جگہ زاغ وزغن کی مکروہ آوازوں نے لے لی تھی۔ مسلمان مضطرب وبے چین اور مایوسی کا شکار تھے۔ علماء کے لئے پھانسیوں کے پھندے تھے یا جلاوطنی کے مصائب۔

دینی درسگاہ کے قیام کی ضرورت کا احساس:

اس وقت چند نفوس قدسیہ نے اپنے سوز قلوب میں یہ خلش اور کسک محسوس کی کہ ستم رسیدہ مسلمانوں

کے ملی وجود کے تحفظ اور علوم نبوت اور اسلامی معاشرے کو بچانے کی کیا صورت اختیار کی جائے۔ اوران میں دینی شعور اور ایمان دارانہ سیاسی فکر کو حیات نو کسطرح بخشی جائے ! تو یہ صلحائے امت کمر ہمت باندھ کر میدان میں آئے جو رسمی قسم کے لیڈر نہ تھے بلکہ خدا رسیدہ بزرگ اور اولیاء وقت تھے۔ جو غیبی اشارے کے تحت کھڑے ہوئے اور آگے بڑھے جن کے سربراہ حجۃ الاسلام حضرت الامام مالانا محمد قاسم نانوتویؒ تھے۔ جنہوں نے اس غیبی اشارے کو سمجھ کر اسے اس تجویز کی صورت دی کہ ایک دینی درسگاہ قائم کی جائے اور اسکی تعلیم وتربیت اور علم وعمل کے ذریعے ڈوبتے ہوئے مسلمانوں کو سہارا دے کر دلوں کی مردہ زمینوں کو زندہ کیا جائے۔

قیام دار العلوم دیوبند:

چنانچہ ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ بمطابق ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء کو تعلیمی رنگ میں علم گیر احیائے دین کی تحریک کا یہ پودا چھتہ کی مسجد میں (جو آپ حضرات کی نگاہ میں آچکی ہے) ایک انار کے درخت کے نیچے صرف دو آدمیوں کے ذریعے نصب کیا گیا۔ دونوں کا نام محمود تھا۔ ایک محمود معلم اور ایک محمود متعلم۔ جو بعد میں شیخ الھند مولانا محمود حسنؒ کے نام سے معروف زمانہ ہوا۔ اس وقت نہ اس گمنام مدرسہ کے پاس اپنا کوئی مکان تھا نہ مکان بنانے کا سرمایہ ہی نہ پروپگنڈہ تھا نہ اشتہار واعلان کا تخیل، صرف توکل علی اللہ کا سرمایہ تھا۔ جسکی تلقین اور تاکید خود بانی اعظم حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کے ھشتگانہ اساسی اصول میں بار بار یہ شد ومد سے کی گئی ہے۔ (۲۷)

عالمگیر تحریک:

غور کرنے کی بات ہے جس طرح ہندوستان سے اسلامی شوکت ختم ہو جانے کو حادثہ محض مقامی یا

محض ملکی قسم کا نہ تھا بلکہ عالمی رنگ کا تھا جس کے دور رس اثرات دوسرے اسلامی ملکوں پر بھی پڑے چنانچہ تھوڑی ہی مدت کے بعد ہندوستان کی غلامی کتنے ہی ملکوں اور ریاستوں کی غلامی پر منتج ہوئی۔ اسی طرح ایمانی اور علمی رنگ میں احیائے دین کی یہ تحریک جو ''محمد دین'' سے شروع ہوئی تھی۔ ابتدا محض ایک ضعیف کونپل کی صورت میں نمودار ہوئی۔ مگر اہل نظر میں اس کونپل بلکہ اس کے تخم ہی میں ایک تناور شجرہ طیبہ لپٹا ہوا۔ محسوس ہو چکا تھا۔ جس کے شریں ثمرات سے ہندوستان ہی نہیں، دوسرے ممالک بھی بہرہ مند ہونے والے تھے اور وہ دین کی نشاۃ ثانیہ کا مصدر و منشاء بننے والا تھا۔

اس لئے جہاں غلامی رنگ میں اس ملک کی تخریب عالمی تھی وہیں تعلیم رنگ میں یہ تعمیری تحریک بھی بانی اعظم کے فکر پر عالمی ہی رنگ سے اٹھی جو نہ صرف علم دین کے لحاظ سے ہی عالم گیر ہوتی چلی گئی بلکہ قومی اور ملکی مفادات کے لحاظ سے بھی ہمہ گیر ثابت ہوئی تا آنکہ اس تحریک کے پروردوں نے جہاں سو برس میں غلام ہندوستان کو آزاد کروایا وہاں اس کے طبعی نتیجہ کے طور پر جو ممالک اور ریاستیں غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی تھیں وہ بھی رفتہ رفتہ آزادی کا سانس لینے لگیں۔ تخریب اگر عالمی انداز کی تھی تو اس کے رد عمل کے طور پر یہ تعمیر بھی عالمی ہی انداز سے ابھری جس کا علمی اور عملی فیضان چند ہی سالوں میں ایشاء سے آگے بڑھ کر افریقہ تک پھیل گیا اور آج یورپ اور امریکہ تک بھی اس کی شعاعیں پہنچ چکی ہیں۔ جامعہ دارالعلوم دیوبند کے فضلاء نے درس و تدریس کے ساتھ ساتھ مختلف قومی سیاسی اور اجتماعی میدان میں اگر تحریکات کے ذریعے اس ملک میں آزادی کی روح پھونک دی۔ بلکہ یہ روح ۱۸۵۷ء سے پھونکنی شروع کر دی تھی جبکہ، ملک کے دوسرے حصے سراسیما اور خاموش تھے۔ یا خوشامد میں لگے ہوئے تھے ان بزرگوں نے غاصب انگریز کا مقابلہ ابتدا آہنی تلوار سے کیا پھر عمل اور علم کی نا قابل شکست طاقت سے نبرد آزما ہوئے اور علمی رنگ سے یہ جذبات دور س ثابت ہوئے اور آزادی کی لہریں دور دور تک پھیلیں جس سے اس جامعہ کے مؤسسین فضلاء اور روشن ضمیر حلقوں کی سنہری تاریخ بھری ہوئی ہے۔ (۲۸)

دارالعلوم دیوبند کی تعلیم اساسی مقصد:

اس مرکزی جامعہ کی تعلیم کا اساسی مقصد کتاب وسنت اور فقہ اسلامی کی تعلیم وترویج، اس کی عملی تمرین اور عمومی اشاعت وتبلیغ ہے اوراس کے ساتھ ساتھ تعصب امیز منافرتوں کا استیصال کر کے مسلمانوں میں اتحاد پیدا کرنا ہے تاریخ اس پر شاہد ہے کہ بہ حیثیت مکتب فکر۔ اس درسگاہ نے ہر اسلامی طبقہ کی طرف موانست اور محبت کا ہاتھ بڑھایا اور بہ حیثیت جامعہ اس نے اپنی تعلیمی نصاب میں حفظ قرآن سے لیکر تفسیر، اصول تفسیر، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، کلام، بلاغت وبیان، حقائق واسرار اوران منقولات کے ساتھ علوم معقولہ منطق، فلسفہ، ریاضی، ہئیت، عروض وقافیہ اور اختیاری فنون سائنس معلومات عامہ، علم طب، صنعت وحرفت اور خوشخطی وغیرہ نصاب درسی میں شامل کیں تاکہ کوئی بھی علمی، عملی، اخلاقی اور صنعتی طبقہ اس اجنبیت کومحسوس نہ کرے اور نہ صرف یہی بلکہ علم دین کے ہر بنیادی شعبے کواس جامعہ میں مدرسہ وکلیہ کی حیثیت وصورت دی گئی ہے، جیسے مدرسۃ القرآن، مدرسۃ التجوید، مدرسۃ فارسی وریاضی، کلیۃ الطب، کلیۃ الصنائع، کلیۃ الفقہ العربیہ، اورکلیۃ الفقہ والافتاد وغیرہ۔

اس طرح اس درس گاہ نے ایک مذہبی یونیورسٹی اور جامعہ کی صورت اختیار کرلی۔ اور الحمداللہ ہر ہرفن کے متخصص تاحال اس سے ۱۶ ہزار تیار ہوچکے ہیں، اور جامعہ سال بہ سال مائل بہ ترقی ہے۔ ان ۱۶ ہزار فضلاء کی تعداد میں مدرسین بھی ہیں اور مبلغین بھی، خطباء بھی ہیں اور مقررین بھی زعما بھی ہین اور مفکرین بھی، مصنفین بھی ہیں اور مؤرخین بھی، اطباء، جسمانی بھی ہیں اور مصلحان روحانی بھی، فضلاء دارالعلوم کی مذکورہ سولہ ہزار تعداد بلاواسطہ ہے اور بالوسائط ان فضلاء کوبھی شمار کیا جائے جوفضلائے دیوبند کے تیار کردہ ہیں تو یہ تعداد لاکھوں تک پہنچ جاتی ہے اوراس علمی گہوارہ کے لاکھوں لاکھ مستفیدین نہ صرف برصغیر میں بلکہ ایشیاء، افریقہ، یورپ اورامریکہ تک میں بیش بہا دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ (۲۹)

قیام مدارس کی ضرورت واہمیت:

۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کے بعد حضرت بانی دارالعلوم اور جملہ بزرگان دیوبند کی سب سے بڑی سیاست یہ تھی کہ دینی تعلیم گاہیں قائم کر کے مسلمانوں کو سنبھالا جائے چنانچہ حضرت الامام بانی دارالعلوم نے دیوبند کے علاوہ بھی جگہ جگہ بہ نفس نفیس پہنچ کر دینی درسگاہیں قائم کیں اور اپنے متوسلین کو خطوط بھیج کر بڑی تعداد میں مدارس قائم کرائے۔

دارالعلوم دیوبند کے منہاج پر اور قاسمی فکر سے وابستہ معاہدوں و مدارس دینیہ ہی برصغیر میں درحقیقت دین کی بقاء و تحفظ کا ذریعہ ثابت ہوئے اور ہو رہے ہیں اس طرز فکر کی کامیابی پر۔ گزشتہ صدی کے ایک ایک دن اور ایک ایک رات نے مہر تصدیق ثبت کر دی ہے اور آج بحمد اللہ، ایشیاء افریقہ اور یورپ میں دیوبندی مکتب فکر کے ہزاروں مدارس موجود ہیں، جن میں یہی علماء دیوبند علمی، تعلیمی، تبلیغی اور تصنیفی خدمات انجام دے رہے ہیں کہ تعلیم و تربیت کے بغیر تحفظ دین اور اتباع سنت نبویؐ کے راستے پر مسلمانوں کو چلانے اور قائم رکھنے کی اور کوئی صورت نہیں، نبی کریمؐ نے اپنی بعثت کا بنیادی مقصد تعلیم اور تربیت اخلاق ہی ظاہر فرمایا ہے۔(۴۰)

دارالعلوم دیوبند کی علمی و تصنیفی خدمات:

انما بعثت معلماً۔ اور۔ بعثت لا تمم مکارم الاخلاق، یعنی احکام کا تعلق تعلیم سے ہے جو حدیث اول کا مصداق ہے، اور احکام کے مطابق۔۔ زندگی گزارنے کا تعلق تربیت اور تزکیہ اخلاق سے ہے جو دوسری حدیث کا مفاد ہے، اس لئے علماء دارالعلوم نے ان ہی دونوں چیزوں کو اپنی زندگی کا بنیادی مقصد ٹھہرایا اور کامیابی کے ساتھ یہ منازل طے کیں اس مکتب فکر کا دوسرا سلسلہ تصنیف و تالیف کا

ہے تو اس سلسلے میں بھی علماء دیابند کے قلم حقیقت رقم نے پانچ ہزار سے زائد تصانیف کا عظیم الشان ذخیرہ اردو، فارسی عربی، اور انگریزی میں جمع کیا جو برصغیر کے ہر اسلامی مکتب فکر سے بدر جہاز اہداور وقیع ہے۔ تصنیف و تالیف کا سلسلہ آغاز دارالعلوم ہی سے شروع ہو گیا تھا خود حجۃ الاسلام حضرت بانی دارالعلوم کی تصانیف ۳۵ سے زائد ہیں جن میں علم کلام، عقائد اور فقہیات وغیر کو عقلی اور حسی دلائل سے مبرھن کیا ہے اور ان کے بعد ان کے تلامذہ نے اس سلسلے کو نہر سے بحر بنایا، دارالعلوم کے مشہور مصنفین جنہوں نے فنون دینیہ حدیث، تفسیر، فقہ، کلام احسان اجتماعیات، سیاسیات، تاریخ اور سیرت وغیرہ میں تصنیفی خزانہ جمع کیا ہے، ان میں سرفہرست نام، حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کا آتا ہے، جن کی تصانیف کا عدد ایک ہزار تک پہنچا ہوا ہے جو موصوف نے ہر علم وفن میں نثر و نظم میں عربی، فارسی اور اردو میں مدوّن فرمائیں۔

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی مہتمم سادس دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب محدث گوجرانوالا پاکستان، حضرت اقدس مولانا خلیل احمد صاحب سابق مدرس دارلعلوم دیوبند ومحدث مدرسہ مظاہرلعلوم سہارنپوری حضرت علامہ شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب محدث دارالعلوم دیوبند پھر ان کے تلامذہ میں حضرت شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی صاحب ''فتح الملہم'' حضرت علامہ مفتی کفایت اللہ صاحبؒ محدث مدرسہ امینیہ دہلی وصدر جمیعۃ علماء ہند حضرت مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی مدیر رسالہ ''القاسم'' ''الرشید'' دیوبند حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحبؒ شیخ الادب والفقہ دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب سابق صدر مفتی دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا انور شاہ صاحب کاشمیری محدث دارالعلوم دیوبند، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحبؒ مدنی محدث دارالعلوم دیوبند، پھر حضرت علامہ کشمیریؒ کے تلامذہ میں محمد یوسف صاحب بنوری، مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی، ثم المدنی، مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ مفتی اعظم پاکستان، مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی، مدیر برہان دہلی، مولانا منظور نعمانی صاحب مدیر ''الفرقان'' لکھنؤ، مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی شیخ الحدیث جامعہ

اشرفیہ لاہور، نیز حضرت شاہ صاحبؒ کے حقیر ترین تلامذہ میں یہ احقر راقم السطور بھی شامل ہے، جسکی تصنیفات سو سے اوپر ہیں اس کے بعد حضرت مولانا مدنیؒ کے تلامذہ میں مولانا عبدالحق صاحب بانی دارالعلوم اکوڑہ خٹک پاکستان، مولانا سید محمد میاں صاحب محدث مدرسہ امینیہ دہلی مولانا منّت اللہ صاحب رحمانی سربراہ مدرسہ رحمانیہ مونگیر بہار، مولانا حامد الانصاری غازی صاحب وغیرہ اور ہزاروں وہ فضلاء ہیں جن کے قلم سے ہزار ہا تصانیف وجود میں آئیں اور اس طرح تصنیف کے سلسے میں بھی یہ مکتب فکر برصغیر کے تمام مکاتب فکر سے آگے اور ممتاز ہے جس نے دین کے ہر ہر گوشے کو اجاگر کیا اور وقت کے تقاضوں کے مطابق مسائل کو علمی رنگ میں دنیا کے سامنے رکھا۔ (۳۱)

دارالعلوم دیوبند ایک تربیت گاہ:

ساتھ ہی دارالعلوم محض یک تعلیم گاہ ہی نہیں بلکہ ایک عملی ترتیب گاہ بھی ہے جہاں علم کے ساتھ عمل صالح، اخلاق فاضلہ اور کثرت ذکر کی روح بھی طلبہ میں پھونکی اور پیوست کیجاتی ہے اس ادارہ میں حسن سلوک واحسان کے تحت شخصی تربیت کے علاوہ اصولی اور علمی طور پر بھی فن کے مسائل کو کتاب وسنت سے واشگاف کر کے اس مصنوعی تصوف پر کاری ضرب لگائی ہے جو فی زمانہ بنام تصوف چند بندھی جڑی رسوم وبدعات ومحدثات کا مجموعہ ہو کر رہ گیا ہے اس لیے یہاں سے پڑھ کر نکلنے والوں میں علم کے ساتھ عزت نفس وقار استغناء اور خودداری کے ساتھ خاکساری تواضع، زہد وتقوی اور صلاح ورشد کی روشنی بھی راسخ ہوتی ہیے جو اس کے فروعی مدارس میں بھی پھیلی ہوئی ہے دارالعلوم دیوبند برصغیر کے مدارس وجامعات میں ام الجامعات ہے اس لئے ازہر الہند بھی کہا جاتا ہے جس کے فیضان سے ہزار ہا مدارس ومعاہد چل رہے ہیں اور لاکھوں کے قلوب میں ایمانوں کی حفاظت ہو رہی ہے اور بے شمار افراد طریق سنت پر لگے ہوئے ہیں۔

عقلیات کا سد باب:

اسی طرح اس دور کی عقلیت پسندی اور خوگرئی محسوسات چونکہ نقلیات دین کے ماننے میں حارج ہوتی تھی اس لئے انہی فضلاء دارالعلوم دیوبند نے قاسمی رنگ سے متکلمانہ انداز کی بھی سینکڑوں تصنیفیں سطح پر لارکھیں جس سے نام نہاد عقلی شکوک وشبہات ،تمدنی تاویلات اور معاشی تحریکات کا پردہ یکسر چاک ہوگیا۔(۳۲)

دارالعلوم کی امتیازی شان:

اس دارالعلوم میں خصوصیت سے تدریس حدیث پر غیر معمولی توجہ دی جاتی ہے جو قرآن حکیم کی اولین تفسیر اور فقہ اسلامی کا اولین سرچشمہ ہے اس لیے فن حدیث کی تکمیل سے قرآن مبین اور فقہ فی الدین دونوں کے سمجھنے کی صحیح استعداد پیدا ہوجاتی ہے اس کے نصاب کا اساسی حصہ تفسیر ،حدیث فقہ، اصول فقہ، علم کلام، بلاغت ومعانی، ادب عربی، اورصرف ونحو ہے۔ بقیہ فنون بہ طور مبادی واسباب یا بہ طور آثار ونتائج پڑھائے جاتے ہیں۔

اس دارالعلوم کا سلسلہ سند اساتذہ دارالعلوم سے حضرت الامام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی تک اور ان سے سند متصل کے ساتھ نبی کریمؐ تک پہنچتا ہے دارالعلوم کی جماعت خالصۃ اہل سنت والجماعت ہے جسکی بنیاد کتاب وسنت اور فقہ ائمہ پر ہے اس کا اصل، اصول توحید اور عظمت رسالت ہے جو تمام انبیاءؑ کا دین رہا ہے اس کے زوق پر تمام مسائل مین اولین درجہ نقل وروایت اور آثار سلف کو حاصل ہے اس لئے فضلائے ادارہ کتاب وسنت کی مرادات، اقوال سلف سے ان کے متوارک ذوق کی معرفت کے ساتھ اساتذہ وشیوخ کی تربیت وصحبت اور معیت وملازمت سے حاصل کرتے ہیں مگر اس کے ساتھ ہی مکتب فکر عقل وروایت اور

تفقہ فی الدین کو بھی فہم کتاب وسنت کا ایک اہم ترین رکن قرار دیتا ہے۔ (۳۳)

دارالعلوم دیوبند کی مجلس منتظمہ:

انتظامی حیثیت سے اس دارالعلوم کی تعلیمات وانتظامات کی نگران اعلی ایک مؤقر مجلس شوری ہے جس میں ملک کے مقتدر علماء اورارباب فکر ونظر فضلاء شامل ہیں جن میں بعض بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں۔ادارہ اہتمام مجلس شوری کا نمائندہ اور معتمد ہے جوادارہ کا انتظام سنبھالتا ہے اس مرکزی ادارہ اہتمام کے تحت سینکڑوں افراد پر مشتمل اساتذہ اور انتظامی امور سرانجام دینے والاعملہ موجود ہے جو تعلیم کار کے اصول پر کام کرتا ہے۔ان تمام شعبوں کا حقیقی مقصد اساتذہ اور طلباء کی ضروریات کی تکمیل اور نظام تعلیم کی استواری ہے جس پر سالانہ کروڑوں روپے صرف ہوتے ہیں جس کی تکمیل کا شعبہ محاسبی ذمہ دار ہے اس کے ذریعے ہر سال میزانیہ تیار ہو کر مجلس شوری سے منظور کرایا جاتا ہے اور اسے باضابطہ آڈٹ بھی کرایا جاتا ہے۔ (۳۴)

دارالعلوم دیوبند کا قائدانہ کردار:

اسکے ساتھ دارالعلوم کی سرگرمیاں محض درس وتدریس تک محدود نہیں ہیں بلکہ اس میں قومی ملکی اور سیاسی معاملات میں بھی اندرون حدود شرعیہ بڑھ چڑھ کر قائدانہ حصہ لیا اور لے رہا ہے اور اس کے اکابر کے کارنامے بھی تاریخ کے صفحات پر ثبت ہیں حضرت سید احمد شہید بریلویؒ اور حضرت مولانا اسماعیل شہید دہلویؒ جہاد اور اعلاء کلمۃ اللہ کا جو نقش اپنے پاکیزہ لہو سے سینچا تھا وہ ہر وقت علماء دیوبند کے سامنے ہے۔

۱۸۵۷ء میں حضرت نانوتویؒ گنگوہیؒ سرپرست اعظم دارالعلوم نے شاملی کے میدان میں تلوار اٹھائی

اور انگریزوں سے جنگ کی حضرت نانوتویؒ مجاہدین کے قائد تھے پھران کے تلمیذ رشید حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ سابق صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند اسی قیادت کو لے کر اٹھے اور آزادی ہند کے لئے اہی ۱۸۱۵ء کی ریشمی خط کی انقلابی تحریک کے قائد تھے جس کا مرکز افغانستان تھا اور کثیر التعداد سینٹر مختلف ملکوں میں قائم تھے۔ مولانا عبیداللہ سندھی، مولانا محمد میاں عرف مولانا منصور انصاری مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ جیسے سرفروش مجاہدان کے دست راست تھے اس راہ میں ہزاروں شہید ہوئے ہزاروں غازی بنے، خود حضرت شیخ الہند پانچ سال تک فرنگی قید میں مالٹا رہے اور رہا ہونے کے بعد ہندوستان پہنچ کر اسی جوش جہاد سے جمعیت علماء ہند کی سر پرستی فرمائی اور آپ کے بعد یہ جماعت فضلائے دارالعلوم ہی کے تحت مصوف خدمت رہی ۱۹۲۰ء کی تحریک خلافت اور پھر ۱۹۳۰ء کی تحریک آزادی میں دیوبند کے کتنے ہی علماء نے قائدانہ حصہ لیا یہ اسی موروثی جذبہ اور عمل کا اثر تھا کہ جب ملک معظم عبد العزیز آل سعود نے جزیرہ عرب میں اسلامی حکومت کا پروانہ ڈالا تو علماء اسکی تائید کے لیے سفر کر کے حجاز پہنچے۔

اسی طرح ماضی قریب میں جب بیت المقدس اور فلسطین کی آزادی کی تحریک اٹھی تو صیہونی اور برطانوی سامراج کے خلاف علماء دیوبند ہی کا فتوی سب سے پہلے صادر ہوا اور ان مسائل میں دارالعلوم ہی نے تمام مسلمانوں کو اختلاف سے بالاتر ہو کر ایک محاذ پر جمع کیا اور اجتماعی احتجاج عمل میں آیا اسطرح ہندوستان میں مسلمانوں پر مظالم اور انہیں پسماندہ اور متفرق کرنے کے لیے جب بھی نزاعی مسائل کھڑے کیئے گئے تو ان کو ایک پلیٹ فارم پر لانے کے لیے بھی فضلاء دیوبند آگے بڑھے۔ چنانچہ ۱۹۴۷ء میں قیام پاکستان کے وقت دارالعلوم دیوبند کے سرپرست اعلیٰ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے حکم سے دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور حضرت تھانویؒ کے بھانجے، صاحب اعلاء السنن علامہ ظفر احمد عثمانی کی مساعی جمیلہ سے دنیا کے نقشہ پر سب سے بڑی اسلامی مملکت کا وجود عمل میں آیا اور ان دونوں اکابرین ہی نے اس کی اولین پرچم کشائی کی رسم ادا کی۔ (۳۵)

فتنوں کا سد باب:

حاصل یہ کہ جب بھی کوئی سیاسی فتنہ اٹھا جس سے مسلمانوں کو اجتماعی یا مذہبی معاملات کے مجروح ہونے کا اندیشہ ہوا تو علماء دیوبند نے بیرون ملک بھی اس کے سد باب مین وہی پامردی دکھائی جو اندرون ملک ہمیشہ ان کا طرہ امتیاز رہی ہی۔ انگریزی حکومت کے ایماء سے اس ملک میں بہت سی گمراہ کن سیاسی اور مذہبی تحریکیں اٹھیں، جن کے ذریعے یہاں کے باشندوں اور خصوصیت سے مسلمانوں کو راہ راست سے ڈگمگانے کی کوششیں کی گئیں۔ مگر دارالعلوم دیوبند اور اسی کے فضلاء نے پامردی کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا اور بحمد اللہ ان کوششوں کی بدولت مسلمان انگریزی حکومت کی وسیلہ کاریوں سے بہت حد تک محفوظ رہے بعض باطل پسندانہ تحریکات حضرت بانی اعظم کی حیات میں بڑے طمطراق کے ساتھ میدان میں آئیں اور ان کی جانب سے اسلامی احکام و مسائل پر جاہلانہ اور غلط اعتراضات کی بوچھاڑ کی گئی لیکن حضرت بانی دارالعلوم اور پھر ان کے تلامذہ نے مناظروں اور تصنیفات کے ذریعے ان کے خلاف ایک مضبوط بند باندھ کر ان کو ختم کر دیا۔

انکار حدیث کا فتنہ اٹھا تو ان ہی فضلائے دیوبند نے جیسے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی، حضرت مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی نے نہایت مدلل کتابیں تالیف کر کے اس کا سد باب کیا اسی طرح قادیانیت اور دوسرے طریقوں سے مسلمانوں کو مرتد بنانے کی اسکیم تیار ہوئی تو دارالعلوم دیوبند نے پچاس سے زائد فضلاء اس کے مقابلہ کے لیے میدان میں اتار کر ان مکروہ سازشوں کا قلع قمع کیا۔

فقہیات اسلامی میں مداخلت کا فتنہ اٹھا تو دارالعلوم ہی نے قضائے شرعی قائم کرنے کی تحریک اٹھائی اور حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم خامس دارالعلوم نے ۵۰۰ علماء کے دستخطوں سے برطانوی حکومت کے سامنے محکمہ قضائے شرعی کا مطالبہ پیش کر دیا جس سے یہ باطل تحریک مضمحل ہوگئی ماضی قریب میں دوبارہ اس تحریک نے ترمیم فقہ کا روپ اختیار کیا اور عائلی قوانین اور فقہ میں ترمیم کرنے کی آوازیں بلند ہوئیں تو

دارالعلوم ہی کی تحریک پر ممبئی میں تمام مسلم فرقوں کا کنونشن بلایا گیا اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ قائم ہوا جسو کی صدارت بالاتفاق مہتمم حال دارالعلوم دیوبند کے سپرد کی اور بورڈ کی متحدہ احتجاجی آواز پر حکومت نے اعلان کیا کہ وہ خود مسلم پرسنل لا میں کوئی ترمیم نہیں کرے گی غرض برصغیر میں جامعہ دیوبند کے ان علماء ربانیین اور فضلائے صالحین نے درس وتدریس کے مشاغل کے ساتھ مذہبی اور دینی فضاء کو کبھی مکدر اور زہر آلود نہیں ہونے دیا بلکہ قلوب اور دماغوں کو جلا بخشنے کے لیے مدلل تحریر وکتابت اور تقریر وخطاب کے ذریعے ایک زبر دست پشتہ بنا کر ان سیلابوں پر بند باندھ دیا اسطرح برصغیر کے مشرکانہ ماحول میں اس ادارے نے توحید کو اسکی اصلی صورت میں قائم اور برقرار رکھا ہے۔(۳٦)

عالمگیر روابط:

یہ علمی اور عملی ثمرات اس وقت کے ہیں جبکہ دنیا پھیلی ہوئی تھی اور ہر ملک کا دائرہ عمل اپنے ہی تک محدود تھا لیکن آج وسائل نقل وحمل اور ذرائع علم وخبر وسیع تر ہو جانے کے سبب یہ پوری دنیا سمٹ کر ایک عائلہ اور قبیلہ بن چکی ہے اور کوئی بھی ملک محض اپنی داخلی سیاست سے اپنا کام نہیں چلا سکتا جب تک کہ اس کے روابط دوسرے تمام ممالک سے مستحکم نہ ہوں اسی لحاظ سے آج دنیا کے سارے ممالک ملک واحد بن چکے ہیں۔اور پوری دنیا ایک نقطہ پر آچکی ہے اس لیے سیاسی امور ہوں یا انتظامی سب بین الاقوامی رنگ ہی سے نمایاں ہو رہے ہیں اس لیے ہمیں بھی مقامیت سے بڑھ کے بین الاقوامیت کے دائرہ میں قدم رکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی گو دارالعلوم کا مزاج ابتدا ہی سے بین الاقوامی ہے اس نے قومی اور بین الاقوامی اسلامی تحریکات واجتماعات میں شرکت سے کبھی گریز نہیں کیا مؤتمر عالم اسلامی ہو یا رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ مؤتمر السیرۃ والسنۃ دوحہ وقطر، مؤتمر الجغرافیہ ریاض میں اس کے نمائندگان نے شرکت کی اور اب اس اجلاس صد سالہ کے تعارف کے سلسلے میں بھی دارالعلوم نے اپنا وفد کویت، سعودی عرب اور امارات متحدہ بھیجا نیز رابطہ

عالم اسلامی کی فرمائش پر یہاں سے تربیت الاطفال کے سلسلے میں متعدد اہل قلم نے مقالات ارسال کیے اور آج بھی دارالعلوم کا یہی جذبہ ہے کہ اس کے ان علمی اور ثقافتی مقاصد کو اجتماعی رنگ سے عالم گیر بنایا جائے اور اسلامی تعلیمات کو اجتماعی قوت سے عالم کو آشکارا کیا جائے نیز اسلام پر وارد کے جانے والے شکوک وشبہات کا پردہ اجتماعی رنگ سے چاک کیا جائے بلاشبہ اس کے لئے ضرورت تھی کہ بین الاقوامی اشتراک کے ساتھ اسلامی منطقوں کے رجال علم وفضل کو تکلیف دی جائے اور دارالعلوم کی خدمات پیش کر کے ان کی اراءگرامی سے استفادہ کیا جائے۔

اتحاد بین المسلمین کی ضرورت:

اس مقصد کے لیے دارالعلوم کا صد سالہ اجلاس منعقد کیا گیا جس میں پوری دنیا سے علماء نے شرکت کی جن کے سامنے دارالعلوم کی خدمات کو پیش کیا گیا۔ ان خدمات کے پیش کرنے کا منشاء ہرگز ہرگز جامعہ کا تفوق جتانا یا جماعتی خودستائی کرنی نہیں حاشا وکلا۔ بلکہ یہ ہے کہ ماضی کا جوئزہ لے کر مستقبل کے لیے آپ حضرات کے منشاء وتعاون سے ان تبلیغی تعلیمی تہذیبی اور ثقافتی مقاصد کی تعلیم کا کوئی ایسا لائحہ عمل تیا کیا جائے جس کی پشت پر سارے اسلامی منطقوں کی اجتماعی قوت کارفرما ہو جس سے یہ اپنی مقاصد اجتماعی انداز دنیا کے سامنے آسکیں اور عام مسلمانوں کی زندگی پر کوئی عملی اثر ڈال سکیں اور وہ ایمانی اخوت باہمی تعاون علمی اشتراک اور فکری یکسانی ہمت کے ساتھ اجتماعی عزائم وخدمات کو برروئے کار لاسکیں اور ان میں دینی دعوت کا وہ جذبہ ابھر آئے جو قرن اول کا نصب العین تھا اس کے بعد ان کی وہ پستی اور پست ہمتی دور نہیں ہوسکتی جو آج ان پر چھائی ہوئی ہے اگر اسلام کا مقصد واقعی اقوام دنیا کی اصلاح اور انہیں خداپرستی پر لانا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اسلام کے نام لیواؤں کا یہ مقصد نہ ہو اور ظاہر ہے کہ یہ مقصد آج اجتماعی آواز، اجتماعی شعور اجتماعی فکر اور اجتماعی تعاون کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ حقیقت آج کسی دلیل کی محتاج نہیں ہے کہ آج کوئی

آواز بھی اسوقت تک وقیع نہیں بنتی جب تک کہ اس میں ہمہ گیر اور عالمیت نہ ہو اس لئے کہ آج کی سیاست ہے تو بین الاقوامی تمدن و معاشرت ہے تو بین الاقوامی تجارت ہے تو بین الاقوامی صلح و جنگ ہے تو بین الاقوامی حتیٰ کہ کھیل کود بھی ہیں تو بین الاقوامی۔ اس لئے قدرتی طور پر طبائع میں یہ جذبہ آنا ہی چاہیے کہ دین کی دعوت اور اصلاحی آواز ہو تو وہ بھی بین الاقوامی ہی ہو۔ بالخصوص جبکہ اسلام خود ہی اپنی پیغام ہے بلکہ اس نے دنیا میں بین الاقوامیت کا پرداز ڈالا ہے اس لئے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ "لیظھرہ علی الدین کلہ"(۳۷) کا وعدہ پورا ہونے کا وقت آچکا ہے اور وہ یہی وقت ہے کہ جس میں فطرت اسلام پکار کر کہہ رہی ہے کہ یہ بین الاقوامی دین اور اس کے انسانی صلاح و فلاح کے ضامن بین الاقوامی مقاصد اور اسکی ہمہ گیر ثقافت بھی عالمی رنگ سے دنیا کے سامنے آتے ،توحید و سنت کی حامل جماعت تیار کرنے کے بعد حالات رقت کے پیش نظر جامعہ دارالعلوم کی خواہش بجا اور برمحل ہے کہ اس نئی صدی میں امت مسلمہ اسلام کے عالمی مقاصد کو باہمی تعاون سے آگے بڑھائے اور جو کام اب تک شخصی یا انفرادی یا تن تنہا ارادی قوتوں سے ہوا ہے اسے اجتماعی بنائیں تاکہ پوری دنیا اسلام کے صحیح خدوخال سے واقف ہو۔(۳۸)

مدارس کے قیام کا مقصد:

1857ء کی شکست و ریخت کے بعد دینی مذہبی تعلیم کے لئے قومی سرمائے سے چلنے والا سب سے پہلا مدرسہ دارالعلوم تھا، انگریزوں نے مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کو زبردست نقصان پہنچایا تھا، دہلی آگرہ، لاہور، ملتان، گجرات لکھنو، خیرآباد، بنگال مدراس اور بہار وغیرہ کے ہزاروں مدارس ہندوستان کے سلاطین اور امراء کی وقف کردہ جائیدادوں سے چل رہے تھے، مسلمانوں کی تعلیم کا تمام دار و مدار انہی جائیدادوں پر تھا۔ 1838ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت نے ان تمام اوقاف کو بحق سرکار ضبط کرلیا۔ ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر کے بقول مسلمانوں کے تعلیمی ادارے 18 سال کی لوٹ کھسوٹ کے بعد یک قلم مٹ گئے۔

دوسری جگہ وہ صاف لفظوں میں اوقاف کی تباہی کا اعتراف کرتا ہے'' مسلمانوں کے اس الزام کا جواب نہیں دیا جاسکتا کہ ہم نے ان کے تعلیمی اوقاف کا ناجائز استعمال کیا۔ اس حقیقت کو چھپانے سے کیا فائدہ؟ مسلمانوں کے نزدیک اگر ہم اس جائیداد کو جو اس مصرف کے لئے ہمارے قبضے میں دی گئی تھی، ٹھیک ٹھیک استعمال کرتے تو بنگال میں آج بھی ان کے پاس اعلیٰ اور شاندار ادارے موجود ہوتے۔(۳۹)

اس زمانے کی تعلیمی حالت کا اندازہ مہاتما گاندھی کی اس تقریر سے بھی لگایا جاسکتا ہے جو 1920 میں انہوں نے بنارس میں کی تھی اور جس میں انھوں نے کہا تھا'' برٹش گورنمنٹ سے قبل ملک میں 30,000 مدرسے تھے، جن میں دو لاکھ طلباء تعلیم پاتے تھے۔ آج حکومت دفتری بمشکل چھ ہزار مدرسوں کا حوالہ دے سکتی ہے۔

ایک طرف مسلمانوں کی مذہبی تعلیم پر کاری ضرب لگائی گئی اور مدارس کے سلسلے کو مٹا کر رکھدیا، دوسری طرف ملک میں ایسی تعلیم کو رواج دیا گیا، جو اپنے نتائج کے اعتبار سے اسلام، اور مسلمانوں کے لئے سخت نقصان دہ تھی۔ سرکاری تعلیم گاہیں دراصل وہ کارخانے تھے، جہاں مسلمان بچے الحاد و لادینیت کے سانچوں میں ڈھل ڈھل نکلتے تھے۔

لارڈ ولیم بنٹک (1828 / 1823) کے عہد حکومت میں جب وسیع پیمانے پر سرکاری مدارس قائم کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی تو شروع میں انگریزوں کے انتہا پسند طبقوں نے جن میں پادری بھی شامل تھے، اس کی مخالفت کی اور انگریزی کو ذریعہ تعلیم قرار دینے پر زور دیا ان کا یہ مطالبہ منظور کیا گیا اس کا یہ اثر ہوا کہ ہندوستان کے مسلمان اور ہندو عیسائیت سے قریب تر ہونے لگے۔ فرانسی گارساں وتاسی نے یہ بات تسلیم کرتے ہوئے اپنے خطبات میں ایک جگہ لکھا ہے۔ کہ ہندوستان میں یورپین علوم کا جس قدر چرچا بڑھتا جاتا ہے، اسی قدر وہ ہماری تہذیب وتمدن اور ہمارے اصول مذہبی سے قریب تر ہوتے جاتے ہیں۔(۳۹)

ایک اہم سوال:

اس صورت حال میں ہندوستانی مسلمانوں کے سامنے ایک اہم سوال آیا، کہ جو مذہب ایک ہزار برس تک اس ملک میں ہر شعبہ زندگی پر چھایا رہا۔ جس ملک کی زلف سنوارنے میں ہمارے اسلاف اور بزرگوں نے عمر بھر جد جہد کی جس ملک نے صدیوں اسلام اور اسلامی علوم وفنون کی خدمت انجام دی، ان میں اضافے کیے، لاتعداد دانش گاہیں دیں، درس گاہیں دیں، کیا یہ ملک مسلمانوں کے لئے اجنبی ہو جائے گا؟ اس سوال نے یہاں کے اہم فکر کو متاثر کیا ۱۸57ء کی شکست نے یہ تسلیم کر لینے پر مجبور کر دیا تھا کہ ہم اپنی آزادی فنا کر چکے ہیں۔ اور ایک ایسی قوم کو ہم پر مسلط کر دیا گیا ہے، جو ہماری سیاست پر ہی اثر انداز نہیں ہوگی، بلکہ ہمارے مذہب پر بھی اس کے اثرات مرتب ہوں گے، ہماری تعلیم متاثر ہوگی، ہمارے سوچنے کے ڈھنگ میں بھی اسی طرز کے مطابق تبدیلی ناگزیر ہے ذہنوں میں یہ احساس جاگزیں ہوگیا کہ ہم ایک شکست یافتہ قوم ہیں، تنزل نصیب ہیں مفتوح کی حیثیت سے ہمیں زندہ رہنا ہے، فاتح کی حیثیت سے نہیں' اس احساس نے وقت کا سب سے اہم مسئلہ پیدا کیا کہ ہم اپنے آپ کو اس قوم کے زیر اثر رہنے دیں' اپنی تہذیب' ثقافت اور تعلیم کو اس اجنبی قوم کی تہذیب ثقافت اور تعلیم میں تحلیل کر دیں؟ اس سوال کے دو جواب اور مسئلے کے دو حل سوچے گئے' ایک علی گڑھ میں اور دوسرا دیوبند میں علی گڑھ حل کا خلاصہ یہ تھا کہ ہم اپنے حاکم کے علوم اور اس کی زبان سیکھیں تا کہ اجنبیت کی یہ خلیج پٹ سکے' اسی طرزِ فکر نے اس دانش گاہ کی بنیاد رکھوائی' جسے آج مسلم یونیورسٹی کہا جاتا ہے' سرسید مرحوم نے ایجوکیشنل کانفرنس ۱۸۸۶ء کے سالانہ اجلاس میں فرمایا تھا:

''اس وقت ہمیں ضرورت ہے' کہ جس قدر ہو سکے ایک کثیر تعداد میں ایسے نوجوانوں کو پیدا کریں' جو ان علوم میں جو زمانے کی حاجتوں کے لئے ضروری ہیں سربرآوردہ ہوں۔

دیوبند میں جو حل تجویز ہوا' اس کا ماحصل' یہ تھا کہ ہمیں حاکمِ وقت کی زبان اور اس کے علوم کے

بجائے اپنے مذہب اور اپنی زبان وعلوم کی بقاؤ تحفظ کے لئے کوشش کرنی چاہیے' یہی فکر دارالعلوم کی بنیاد کا سبب بنی، دارالعلوم کے بانیوں کا مقصد اسلام کی حفاظت کے لئے مضبوط اور مستحکم قلعوں کی تعمیر کرنا تھا' تاکہ اسلام کو ہر خطرے سے بچایا جاسکے' اور جو چراغ ہزار برسوں تلک ہندوستان میں جلتا رہا وہ لادینیت کی تیز ہواؤں سے گل نہ ہونے پائے' قوم کے نونہال الحاد وتشکیک کے کارخانوں میں جانے کے بجائے ان اداروں میں پلیں' بڑھیں اور پروان چڑھیں' جہاں ان کے مذہب کے بارے میں بتلایا جاسکے' ان کا ذہن' ان کا دماغ ان کا کردار' سب کچھ اسلام کے مطابق بنایا جاسکے' حجاز میں دارالعلوم کے قیام کی اطلاع جب مولانا امداد اللہ مہاجر مکی کو دی گئی تو ان کی زبان مبارک سے نکلا کہ۔

اے اللہ! اس ادارے کو اسلام اور علمِ دین کی حفاظت کا ذریعہ بنانا۔

یہ کہنا کہ دارالعلوم صرف نصابی کتابوں کو پڑھنے پڑھانے کا ادارہ تھا' میرے خیال میں اس سے بڑھ کر دارالعلوم کے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں ہوسکتی دارالعلوم ایک ایسا کارخانہ تھا' جہاں اسلام کے مجاہد اور جاں نثار ڈھلا کرتے تھے۔

مجموعی طور سے دیوبند تحریک نے اس وقت مایوس کن حالات میں امید کا آغاز کیا' جس نے مسلمانوں کی کمرِ ہمت توڑ کر رکھ دی تھی اور بہت سے لوگ حالات کے ساتھ مصالحت پر زور دینے لگے تھے۔ دیوبند مسلمانوں کی رگوں میں زندگی کا خون دوڑایا' نئے عزائم کی روح پھونکی اور اس طرح اسلام کے خلاف سازشوں پر سخت پہرے بٹھادیئے۔(۴۰)

دارالعلوم کا قیام:

اس الہامی تحریک کی ابتداء ۱۵ محرم الحرام ۱۲۸۳ھ مطابق ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء کو ہوئی' یہ تحریک اپنی نوعیت اور افادیت کے لحاظ سے بالکل مختلف تھی ہندوستان میں عربی مدارس اور دینی درسگاہوں کی کبھی کمی نہیں رہی'

لیکن یہ مدرسہ عربی علوم وفنون کی تعلیم سے زیادہ اسلام کی اشاعت اور اس کی دعوت وتبلیغ کے لئے جدوجہد کا عظیم مرکز بن رہا تھا' ابتداء میں اس کی نہ کوئی مستقل عمارت تھی' اور نہ ایسی کوئی باقاعدہ جگہ جہاں اس کا تعلیمی سلسلہ شروع ہوسکتا تھا' ایک چھوٹی سی قدیم مسجد تھی' جو یہاں مسجد چھتہ کے نام سے مشہور ہے' یہی مسجد اس مدرسے کی سب سے پہلی عمارت تھی' درس گاہ کے نام پر ایک درخت انار کا موجود تھا' جو آج بھی موجود ہے یہیں سے درس وتدریس کا سلسلہ شروع ہوا' ایک شاگرد اور ایک استاذ' قصبے کے ملاجی محمد محمود نے سب سے پہلے سبق پڑھایا اور دیوبند ہی کے ایک طالب علم محمود الحسن نے سب سے پہلا حرف پڑھا بعد میں یہی طالب علم مدرسے کا شیخ الحدیث اور صدر مدرس بنا اور شیخ الہند کہلایا اور جن مبارک ہاتھوں سے اس عظیم ادارے کی داغ بیل ڈالی گئی' ان میں حاجی سید عابد حسینؒ مولانا قاسم نانوتویؒ مولانا ذوالفقار علیؒ ومولانا فضل الرحمٰن جیسی قدآور شخصیتیں تھیں۔

ابتداء میں یہ ایک معمولی ادارہ تھا' مگر قیام کے پہلے روز ہی سے اس میں وسعت پیدا ہوتی چلی گئی' قرب وجوار کے بہت سے طلباء اس مدرسے میں تعلیم کی غرض سے جمع ہوگئے' پہلے تعلیمی سال کے اختتام کے موقع پر جو رپورٹ مدرسہ عربی دیوبند کی طرف سے جاری کی گئی تھی اس میں کہا گیا تھا: ابتدائے محرم ۱۲۸۳ھ میں تعدادِ طلبہ ۲۱ تھی' اور آخر ذی الحجہ ۱۲۸۳ھ میں ۷۸ ہوگئی منجملہ ان کے ۵۸ طلباء بیرونجات کے ہیں' جن میں سے ۵۲ طلباء کو اہل دیوبند کی طرف سے کھانا ملتا ہے اور ۶ طلباء اپنے پاس سے کھاتے ہیں''۔

مدرسہ عربی سے دارالعلوم تک:

دارالعلوم قائم ہوا تو اس کا نام بزرگوں نے مدرسہ عربی' فارسی اور ریاضی رکھا' مگر اس نے مختصر سی مدت میں حیرت انگیز ترقی کی اور تیرھواں برس ابھی گزرنے نہیں پایا تھا کہ ذمہ دارانِ مدرسہ کے ذہنوں میں یہ احساس جاگزیں ہوگیا کہ یہ مدرسہ نہ صرف عربی فارسی اور ریاضی کا مدرسہ ہے' بلکہ تمام علوم وفنون کا مرکز

ہے، اور ایسے مدرسے کے لئے مدرسے کی تعبیر سے بہتر دارالعلوم کی تعبیر ہے۔

دارالعلوم نے بہت کم وقت میں ہندوستانی مسلمانوں کے مرکزی ادارے کی حیثیت اختیار کرلی، سینکڑوں کی تعداد میں ایسے علماء تیار کئے، جنہوں نے ہندوستان ہی میں نہیں، بیرون ہند بھی دینی جدوجہد میں قائدانہ حیثیت سے شرکت کی، اور جگہ جگہ مستحکم دینی قلعوں کی تعمیری مہم شروع کردی، یہ ایک زبردست کامیابی اور غیر معمولی ترقی تھی، جو دارالعلوم کو حاصل ہوئی، سب سے زیادہ حیرت انگیز بات یہ تھی کہ یہ مدرسہ صرف ان چندوں پر چل رہا تھا، جو لوگ وقتاً فوقتاً دیا کرتے تھے، اتنے کم پیسوں پر اتنا زبردست کام ایک اعجاز ہی کی حیثیت رکھتا ہے، اس سے پہلے اس طرح کی نظریں موجود نہیں ہیں، سلطنتوں اور امراء و حکام کی نگرانی میں مدارس اور درس گاہیں ہوتیں، تمام مصارف اور اخراجات برداشت کئے جاتے لیکن یہاں معاملہ دوسرا تھا، معمولی چندوں پر گزر بسر تھی اور تعلیمی سے لے کر انتظامی امور تک کے لئے اخراجات کا انتظام ان ہی چندوں سے ہوتا تھا، تعلیم مفت کھانا مفت، رہائش مفت، کتابیں مفت سب کچھ مفت تھا، اور اس پر وظائف بھی دیئے جاتے تھے، آج بھی دارالعلوم ان ہی بنیادوں پر قائم ہے، اب بھی یہاں ہر طالب علم ہر فکر سے آزاد اور ہر پریشانی سے یکسو ہو کر تعلیم حاصل کرسکتا ہے، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اساسی اصول ہشتگانہ میں اس پر زور دیا ہے کہ اخراجات کا یہی نہج باقی رہے، چندوں کی کثرت پر نظر رہے، خود بھی کوشش کریں اور دوسروں سے بھی اس کی کوشش کرائیں طلباء کے کھانے کو نہ صرف باقی رکھا جائے، بلکہ ہمیشہ اسے بڑھائے اور زیادہ سے زیادہ کرنے کی کوشش کی جائے، حکومتِ وقت اور امراء کی شرکت بہت زیادہ مضر ہے غریبوں کے چندوں پر اکتفا کیا جائے، اس لئے کہ ایسے لوگوں کا چندہ موجبِ برکت معلوم ہوتا ہے، جن کو اپنے چندوں سے ناموری مقصود نہ ہو، جب تک اس مدرسے کی کوئی مستقل آمدنی کا ذریعہ نہیں ہے اس وقت تک یہ مدرسہ بشرط توجہ اللہ اسی طرح چلے گا اور اگر ایسی سبیل نکل آئی تو پھر یوں نظر آتا ہے کہ امدادِ غیبی موقوف ہو جائے گی اور کارکنوں میں باہمی نزاع پیدا ہو جائے گا، مختصر یہ کہ آمدن اور تعمیر میں ایک نوع کی بے سروسامانی ضروری ہے۔

بحمداللہ آج بھی دارالعلوم ان ہی اساسی اصولوں کی رہنمائی میں اپنا کام جاری رکھے ہوئے ہے' ابھی حکومت یوپی (ہند) نے ایک لاکھ کی گرانٹ دارالعلوم کو دینا چاہی تھی' مگر دارالعلوم نے قبول کرنے سے انکار کر دیا' اسی توکل اور اعتماد علی اللہ کا نتیجہ ہے' کہ دارالعلوم کا بجٹ برابر بڑھ رہا ہے اور کوئی ضرورت ایسی نہیں ہے' جو پوری نہیں ہو جاتی ہے۔ (۴۲)

دارالعلوم کی جدوجہد:

دارالعلوم نے اپنی تاریخ کے ہر دور میں ان بلند تر مقاصد کو پیش نظر رکھا' جن کے لئے وہ قائم کیا گیا تھا اس کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ اس ادارے سے ایسی نسل تیار کی جائے جو ہر اعتبار سے مکمل ہو' ہر پہلو سے مسلمانوں کی قیادت کا نازک فریضہ انجام دے سکتی ہو' اگر یہ کہا جائے کہ دارالعلوم اپنے اس بلند تر مقصد میں کامیاب رہا' تو ایسی بات ہوگی' جس کی صداقت میں کوئی شبہ نہیں ہے لوگوں نے اس کا اعتراف کیا ہے اور آج بھی کر رہے ہیں' دارالعلوم کے متعلق ایک انگریز مفکر نے یہ رائے دی تھی۔

''دیوبند اسلام کی حدود کی نگہداشت میں بہت سخت ہے لیکن ان حدود کے اندر رہتے ہوئے وہ عقلیت پسند بھی ہے' وہ بھی گمراہی' نفاق اور ذہنی کاہلی کو شکست دینے کے لئے برابر کوشاں ہے' اس کا دینی ماحول مکمل طور پر متکلمانہ ہے' عملی میدان میں دیوبندی علماء عزم راسخ کے ساتھ اس غلط کاری' اوہام پرستی اور لوازم جہالت کے خلاف کمر بستہ ہیں' جو پست دیہاتی سوسائٹی کے رگ و ریشے میں سرایت کئے ہوئے ہے ان کا نقطہ نظر روایتی اسلام ہے' جو اپنی خالص ترین شکل میں ہو وہ سختی کے ساتھ شریعت کا نفاذ چاہتے ہیں' اسلامی تاریخ کے بارے میں ان کا تخیل محققانہ ہے' غیال آزاد خیال طبقے کے' جو اگرچہ زمانہ ماضی میں ایک مثالی دور کا بہت خوشنما اور رنگین نقشہ پیش کرتا ہے' مگر اس نقشے میں تعلیمات اسلامی کی مہذب معلومات کا رنگ بھرنے کے بجائے وہ موجودہ زمانے کے آزادانہ خیالات و نظریات کا رنگ بھر دیتا ہے۔

معاشرتی اعتبار سے دیو بند اس حد تک ترقی پسند ہے کہ وہ تو ہمانہ خیالات کے امتزاج کو ختم کرنے کی کوشش میں بہت شدت کے ساتھ مصروف ہے' یہاں سے جو نسل تیار ہوئی' اس نے عام مسلمانوں کے دلوں میں اپنا اعتبار قائم کیا ہے' ہندوستان کے اسلامی معاشرے نے اس صحیح الفکر گروہ کی رہنمائی قبول کی' اس گروہ میں بڑے بڑے علماء مشائخ' فقیہ، مدرسین' مبلغین' مناظرین' اہل قلم اور اربابِ تصانیف نظر آتے ہیں' ان لوگوں نے جو دینی خدمت انجام دی ہے' اس کی طویل تاریخ ہے' مختصر لفظوں میں اس کا احاطہ ممکن نہیں ہے۔

دار العلوم نے اس وقت دین کی حفاظت کی' جب کہ اس کا چراغ گل ہو رہا تھا' بے دینی والحاد کے بت تراشے جا رہے تھے' ایسے جاں گسل دور میں دار العلوم نے اسلام کی حفاظت کی' اس کا دفاع کیا' ہر داخلی اور خارجی فتنے سے نمٹنے کی کوشش کی اس وقت کی دو مشہور تحریکوں' عیسائیت اور آریہ سماج سے برسوں رسہ کشی رہی' مناظرے ہوئے اور جیت ہمیشہ دیو بند کی ہوئی' یہ دونوں تحریکیں مسلمانوں کا تشخص مجروح کرنے کے لئے کوشاں تھیں' اس مقصد کے لئے بڑے پیمانے پر جدو جہد جاری تھی' وہ انتہائی سخت اور صبر آزما دور تھا' مسلمانوں کا شیرازہ بکھر رہا تھا سید ین کی تحریک کی ناکامی نے رہی سہی کسر بھی پوری کر دی تھی' مسلمان اعتقادی طور پر بڑے مضمحل اور کمزور ہوتے چلے جا رہے تھے' صحیح فکر ختم ہو رہا تھا' غلط خیالات جڑ پکڑ رہے تھے۔

اگر دار العلوم نے ایسے موقع پر ہمت نہ کی ہوتی' تو یہاں کا سیاسی اور مذہبی نقشہ بڑی حد تک مختلف ہوتا' دیو بند کی جدو جہد نے ان تحریکوں کا اثر و رسوخ ختم کیا' ان کے غلط معتقدات کے پردے چاک کئے اور ان سازشوں کے چہرے سے نقاب الٹا جو اسلام کے خلاف کی جا رہی تھیں' یہ انگریزوں کی زبردست شکست تھی' اس سے متاثر ہو کر انھوں نے مسلمانوں میں نئے فتنوں کا بیج بویا' قادیان سے مرزا غلام احمد قادیانی اور ملک کے مختلف حصوں سے مختلف علماء سوء کو کھڑا کیا گیا' ان کی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ مسلمانوں کی طاقت کمزور کریں۔ ان کے خیالات تبدیل کر دیں اور اسلام کے بنیادی عقیدوں پر پتھر برسائیں' اس موقع پر بھی علما

دیوبند میدان میں آئے' انہوں نے اپنی تحریری اور تقریری کوششوں سے ان دونوں تحریکوں کا زور ختم کیا' ہزاروں گمراہوں کو صحیح راستہ دکھایا' اور لاکھوں کا زور ختم کیا' ہزاروں گمراہوں کو صحیح راستہ دکھایا' اور لاکھوں کروڑوں کو حق پر نہایت استقلال اور عزیمت کے ساتھ ڈٹے رہنے کا طریقہ سکھایا۔

دارالعلوم نے اپنی سو سال سے زیادہ پرانی تاریخ میں ہزاروں کتابوں پر مشتمل لٹریچر مسلمانوں کو دیا ہے' یہ لٹریچر ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں بنیادی اہمیت رکھتا ہے' علمی موضوعات پر ان گنت کتابیں' یہاں سے نکلیں' حدیث' تفسیر' فقہ اور دوسرے علوم وفنون پر اردو' عربی' اور فارسی وغیرہ میں زبردست ذخیرہ فراہم کیا گیا۔

درس نظامیہ کی شروحات اور حواشی وتراجم تیار کیے گئے' مناظرانہ لٹریچر مرتب کیا گیا' دارالعلوم کی تحریری خدمت کے لئے صرف حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا اسم گرامی کافی ہے۔ جنہوں نے ایک ہزار سے زائد کتابیں لکھ کر وسعتِ مطالعہ اور قوتِ تحریر کی نا قابلِ فراموش نظیر پیش کی ہے' اور اس زبردست خدمت پر اخلاص وایثار کا یہ عالم کہ کسی بھی کتاب کی رائلٹی اپنے نام' اپنے وارثوں کے نام محفوظ نہیں کی اور نہ کسی ورق پر کوئی معاوضہ قبول کیا' دارالعلوم کا لٹریچر ایک مستند حیثیت رکھتا ہے اور اعتبار کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔

دارالعلوم نے علمی اور تدریسی میدانوں میں بھی زبردست ترقی کی ہے' علمی دنیا کو تدریس کا وہ رنگ بخشا ہے' جو عقل' نقل اور وجدان تینوں پر صحیح اترتا ہے' تعلیم کو تربیت کے ساتھ وابستہ رکھتا ہے' ساتھ ہی ساتھ تبلیغ ودعوت کا کام بھی برابر جاری رہا ہے' سیاسی جدوجہد میں دارالعلوم کی شرکت رہی ہے' اگرچہ من حیث الجماعت دارالعلوم کا نہ پہلے کوئی سیاسی نقطہ نظر تھا اور نہ آج ہے' مگر دارالعلوم کے تمام اہم افراد کا رکسی نہ کسی صورت سیاسی تحریکوں سے وابستہ رہے۔ (۴۳)

دارالعلوم کا حال:

یہ تو ماضی کی ایک مختصر سی جھلک تھی، اس عظیم ادارے کو قائم ہوئے سو سال سے زائد کا طویل عرصہ گزر چکا ہے، مگر یہ آج بھی عالمِ اسلام کے دلوں کی ڈھڑکن ہے آج بھی لوگ اس کے اتباع کو فخر سمجھتے ہیں اور اس کی رہنمائی کو باعثِ نجات تصور کرتے ہیں، اس کے فیوض آج بھی جاری ہیں۔

آج بھی دارالعلوم کو مختلف داخلی فتنوں کی سرکوبی کے لئے تیار رہنا پڑتا ہے، بریلی اور قادیانی فتنوں کی سرکوبی کے لئے اس نے مسلسل جدوجہد کی ہے اور آج بھی امتحان درپیش ہے، دوسری طرف یہاں ہندوستانی مسلمانوں کی رہنمائی کی ذمہ داری بھی عظیم تر ہے، موجودہ حالت میں دارالعلوم نے مسلم پرسنل لا کے سلسلے میں ہمہ گیر جدوجہد کا آغاز کر کے اپنی قائدانہ صلاحیت کا ثبوت فراہم کیا ہے، دارالعلوم کے سربراہ کی سربراہی میں دو سال پہلے اس مقصد کے لئے جو ادارہ تشکیل دیا گیا تھا، وہ اس بات کا واضح ثبوت ہے، کہ دارالعلوم پر ہر مکتبِ فکر کو مکمل اعتماد ہے۔

دارالعلوم کا طرہ امتیاز یہ رہا ہے کہ یہاں کے اساتذہ میں باہمی یگانگت اور اخلاص قائم رہا ہے، کسی نہ کسی صورت آج بھی یہ امتیاز قائم ہے، تعلیم کا معیار بھی بلند ہے، نصاب میں بھی عمومی تقاضوں کے مطابق ترمیم کی جارہی ہے، ضرورت ہے کہ یہ ترمیم ہمہ جہتی ہو اور ہر اعتبار سے مفید ثابت ہو ہمارا یہ طریقہ تعلیم اگرچہ بڑی اہمیت کا حامل ہے، مگر اس میں بھی بعض تبدیلیاں ضروری ہیں، طریقہ تعلیم میں ایسی اصلاحات ہونی چاہیں، جن سے تعلیم مشکل اور پیچیدہ ہونے کے بجائے سہل اور مفید ترین ہو جائے۔

سب سے بڑی کمی تحریر کے میدان میں محسوس ہو رہی ہے ایک زمانہ وہ تھا جب کہ دارالعلوم کا ہر فرد صاحب قلم تھا، مگر آج اس میدان میں بڑا خلا ہے، کتابیں لکھنے کا سلسلہ تو نہ ہونے کے برابر رہ گیا ہے، خود اکابر کی کتابیں بھی دوبارہ تصحیح و ترتیب کے ساتھ چھاپنے کا انتظام نہیں ہو پا رہا ہے، اس میدان کے لئے بھروسے کی نسل تیار نہیں ہو رہی ہے، جو لوگ از خود اس میدان میں آنا چاہتے ہیں ان کے پاس وسائل نہیں ہیں، دارالعلوم کو اللہ نے سہولتیں دی ہیں، وہ چاہیے تو ایسی نسل تیار کرنا مشکل نہیں ہے۔ (۴۴)

قیام دارالعلوم کے لیے خداوندی اشارات:

دارالعلوم دیوبند کا اجراء عام موجودہ طرز پر نہیں ہوا کہ چند افراد نے بیٹھ کر مشورہ کیا ہو کہ ایک مدرسہ قائم کیا جائے گا اور مجموعی رائے سے مدرسہ دیوبند قائم کر دیا گیا ہو بلکہ یہ مدرسہ یا الہام غیب پر قائم کیا گیا ہے وقت کے اہل اللہ اور ارباب قلوب افراد کے قلوب پر یکدم وارد ہوا کہ اس وقت ہندوستان میں جبکہ انگریزی اقتدار مسلط ہو چکا ہے اور اس کے ساتھ ان کا تمدن اور انکے افکار ونظریات طبعا اس ملک پر مسلط ہونے والے ہیں جو یقیناً اسلام کے منافی اور نصرانیت کے شروع کا باعث ہونگے اور ممکن ہے کہ ان کے نفسانی تمدن کے زیر اثر اسلامی معاشرت بلکہ نفس دین ومذہب ہی سے قلوب میں بیگانگی پیدا ہو جائے جو کچھ ہی عرصہ کے بعد ان کی فراست ایمانی کے مطابق یہ خطرہ واقعہ بن کر نمایاں ہونے لگا ایک دیسی مدرسہ قائم کیا جائے جو مسلمانوں کو اس سیلاب کے بہاؤ سے بچا سکے۔

چنانچہ ہر ایک نے اپنے واردات کو ایک مجلس میں بیٹھ کر ظاہر کیا کسی نے کہا مجھ پر منکشف ہوا ہے کہ ان حالات میں ایک دینی مدرسہ قائم کیا جائے جو کم سے کم مسلمانوں کے دین کو محفوظ رکھ سکے کسی نے کہا کہ میرے قلب پر بھی یہی وارد ہوا ہے کہ کسی نے کہا کہ مجھے خواب میں یہی حقیقت دکھلائی گئی ہے غرض قدرتی طور پر ایک باطنی اجماع اس پر منعقد ہو گیا کہ ایک دینی مدرسہ قائم کیا جائے تا کہ اس ملک میں مسلمانوں کا دین محفوظ ہو جائے گو انکی اسلامی شوکت پامال ہو چکی ہے لیکن اگر دین اور دینی جذبات محفوظ ہو جائیں گے تو اس وقت آنا بھی ممکن ہے کہ وہ ان دینی جذبات ودعاوی سے رہتی دنیا کو بھی سنوار سکیں۔ (۴۵)

یہ تھے وہ الہامات غیب جنکے تحت ۱۰ محرم ۱۲۸۳ بمطابق ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء میں اس ادارے کا آغاز کیا گیا اس لئے یہ مدرسہ کسی رسمی مشورہ مفاہمت سے قائم نہیں ہوا بلکہ باشارات غیب وقوع پزیر ہوا حضرت اقدس مولانا محمد قاسم صاحب نانا توی رحمۃ اللہ علیہ نے ان روشن ضمیر رفقاء کے ساتھ اجراء مدرسہ پر مستعد ہوئے اور ملا محمود صاحب دیوبندی جو میرٹھ میں مدرس تھے، میرٹھ ہی میں بلا کر فرمایا کہ آپ کو یہاں دس

روپے ماہوار تنخواہ مل رہی ہے، آپ اپنے وطن دیو بند تشریف لے چلیں، وہاں مدرسہ قائم ہو رہا ہے اور وہیں درس وتدریس شروع فرمادیں آپ کی تنخواہ بھی پندرہ روپے ماہوار ہوگی ملا صاحب جب ہی تشریف لے آئے اور مسجد چھتہ میں جو دارالعلوم سے متصل اور اب دارالعلوم ہی کے زیر انتظام ہے ملا محمود صاحب نے صرف ایک شاگرد مولانا محمود حسن صاحب (شیخ الھند) کو سامعین بٹھلا کر مدرسہ دیو بند کا آغاز کر دیا۔ بعد میں اجراء مدرسہ کا اعلان ہوا اور بتدریج ایک سے دو اور دو سے تین پانچ تک طلباء کی تعداد بڑھنی شروع ہوگئی پھر حضرت نانوتویؒ نے اس مدرسہ کو بلکہ اس جیسے تمام مدارس کیلئے آٹھ اصول وضع فرمائے اور ان پر عنوان یہ رکھا کہ وہ اصول جن پر مدارس چندہ مبنی معلوم ہوتے ہیں مولانا محمد علی جوہر مرحوم جب تحریک خلافت کے موقع پر دیو بند تشریف لائے دارالعلوم میں پہنچے اور یہ اصول ہشتگانہ کہ حضرت ہی کے قلم سے لکھے ہوئے انکے سامنے پیش کئے گئے (جو بجنسہ خزانہ داالعلوم میں حضرت ہی کے قلمی تحریر کے ساتھ محفوظ ہیں تو مولانا کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور فرمایا ان اصول کا عقل سے کیا تعلق یہ تو خزانہ غیب اور معراج معرفت سے نکلے ہوئے ہیں حیرت ہے کہ جن نتائج تک ہم سو برس میں دھکے کھا کر پہنچے ہیں یہ بزرگ سو برس پہلے ہی ان نتائج تک پہنچ چکے تھے۔

اس شہادت اور ہم خدام دارالعلوم کے یقین کی گواہی سے صاف ظاہر ہے کہ اس مدرسہ کے اصول بھی الہامی ہیں کسی رسمی مشورہ مفاہمت کا نتیجہ نہیں اجراء مدرسہ کے بعد یہ مدرس مختلف مسجدوں اور پھر کرایہ کے مکانات میں چلتا رہا سات اٹھ برس کے بعد جب طلباء کی کثرت ہوئی اور رجوع عام ہوا تو ضرورت پیش آئی کہ مدرسے کا کوئی اپنا مستقل مکان ہونا چاہیے تو یہ جگہ اور اسکے حصے جہاں آج دارالعلوم کی وسیع عمارات کھڑی ہوئی ہیں تحریک وترغیب کے بعد مدرسے کیلئے دینے شروع کئے جس سے ایک بڑا قطعہ مدرسے کے ہاتھ آگیا یہ جگہ عموماً شہر کا میلا پورنے اور کوروں کی جگہ تھی۔

حضرت سید احمد شہید کی کرامت:

دار العلوم کے قیام سے تقریباً ایک صدی یا کم وبیش، پہلے یہاں سے حضرت سید احمد شہید بریلوی مع اپنے رفقاء کے گزرے تو فرمایا کہ مجھے یہاں سے علم کی بو آتی ہے جسکا ظہور سو سال بعد ہوا اور اسی گندی جگہ سے بالآخر ۱۸۰۸ء کے بعد دار العلوم کی جگہ کا انتخاب بھی الہامی ہے، جو باشارات غیب پہلے سے منتخب تھی اور آخر کار اسی جگہ پر ان اہل اللہ کا قرعہ فال پڑا اور اس میں دار العلوم کی بنیاد رکھی گئی۔ (۴۶)

مولانا رفیع الدین کا خواب:

زمین مل جانے کے بعد جب حضرت مولانا رفیع الدین صاحب، دیوبندی قدس سرہ، مہتمم ثانی دار العلوم دیوبند (جو نقشبندی خاندان کے اکابر میں سے تھے صاحب کشف اور صاحب کرامات بزرگ تھے) کے زمانہ اہتمام میں عمارت مدرسہ تجویز ہوئی اور اس کی پہلی بنیاد کھود کر تیار کی گئی اور وقت آگیا کہ اسے بھرا جائے اور اس پر عمارت اٹھائی جائے کہ مولانا علیہ الرحمہ نے خواب دیکھا کہ اس زمین پر حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں عصا ہاتھ میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شمال کی جانب سے جو بنیاد کھودی گئی ہے اس سے صحن مدرسہ چھوٹا اور تنگ رہے گا اور آپ نے عصائے مبارک سے دس بیس گز شمال کی جانب ہٹ کر نشان لگایا کہ بنیاد یہاں ہونی چاہیے تاکہ مدرسہ کا صحن وسیع رہے (جہاں تک اب صحن کی لمبائی ہے) مولانا علیہ الرحمہ نے کو خواب دیکھنے کے بعد علی الصبح بنیادوں کے معائنے کیلئے تشریف لے گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نشان لگایا ہوا اسی طرح بدستور موجود تھا تو مولانا نے پھر نہ ممبروں سے پوچھا نہ کسی سے مشورہ کیا اسی نشان پر بنیاد کھدوادی اور مدرسہ کی تعمیر شروع ہوگئی۔

دارالعلوم کا سنگ بنیاد:

اس سے واضح ہوتا ہے کہ دارالعلوم دیوبند کی بنیادیں بھی الہامی اور اشارات غیب کے تحت ہیں اس کا سنگ بنیاد رکھنے کا وقت آیا تو تمام اہل اللہ اور اکابرین جمع ہی نہیں تھے بلکہ ان کے قلوب میں ایک عجیب بشاشت وکیفیت کا نور موجزن تھا سنگ بنیاد میں جس سے بھی پہلی کرنے کو کہا جاتا تو وہ کہتا نہیں فلاں صاحب سے ابتداء کرائی جائے، وہ ہم سب کے بڑے اور اس کے اہل ہیں گویا بے نفسی کا یہ حال تھا کہ اپنے کو کم تر سمجھ کر کوئی بھی آگے نہیں بڑھتا تھا بالا آخر اینٹ حضرت مولانا احمد علیؒ صاحب محدث سہارنپوری سے رکھوائی گئی اور اس کے ہاتھ میں حضرت نانا تویؒ نے حضرت میاں جی منے شاہ صاحب کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھا دیا اور فرمایا کہ یہ وہ شخص ہیں جنہیں صغیرہ گناہ کا بھی تصور نہیں آیا، تو انہوں نے حضرت محدث سہارنپوری کے ساتھ اینٹ رکھی۔ جس سے واضح ہے کہ سنگ بینا درکھنے والے بھی وہ اہل اللہ تھے جو اتباع سنت اور روحانیت میں مستغرق تھے اور بے نفسی میں یدطولی رکھتے تھے۔

حضرت کی ایک کرامت:

حضرت ممدوح دارلعلوم کے صحن (پیش نورودہ) میں کھڑے ہوتے تھے چند طلباء بھی حاضر تھے کہ دورہ حدیث کا ایک طالب علم مطبخ سے کھانا لیکر آپ کے سامنے آیا جبکہ اس وقت مطبخ میں صرف چودہ یا پندرہ طلباء کا کھانا پکتا تھا اور اس نے نہایت ہی گستاخانہ انداز میں شورے کا پیالہ مولانا کے سامنے زمین پر دیکر مارا اور کہا کہ یہ آپ کا انتظام واہتمام کہ اس شوربے میں نہ مصالحہ ہے نہ گھی ہے پانی جیسا شوربہ ہے اور کچھ اور بھی سخت الفاظ کہے اس گستاخی پر طلباء، جوش میں آگئے مگر چونکہ حضرت مولنا پوری متانت کے ساتھ خاموش تھے اور زبان سے کچھ نہیں فرمارہے۔ تھے پھر طلباء بھی خاموش کھڑے رہے بجائے کچھ فرمانے کے مولانا نے اس

گستاخ طالب علم پر تین دفعہ اس کے سر سے پیر تک نگاہ ڈالی جب وہ طالب علم بک جھک کر چلا گیا تو مولانا نے حیرت سے طلباء سے فرمایا کہ کیا یہ مدرسہ دیوبند کا طالب ہے طلباء نے عرض کیا کہ حضرت یہ مدرسہ کا طالب علم ہے فرمایا کہ مدرسہ دیوبند کا طالب علم نہیں طلباء نے کہا کہ مطبخ کے رجسٹر میں اس کا نام باقاعدہ اندارج ہے اور برابر مدرسہ سے کھانا لے رہا ہے فرمایا کچھ بھی ہو یہ مدرسے کا طالب علم نہیں ہے۔

چند دن کے بعد جب چھان بین ہوئی تو ثابت ہوا کہ وہ مدرسے کا طالب علم نہیں ہے اسکا ایک ہم نام دوسرا طالب علم ہے اس نے دھوکے سے محض نام کے اشتراک کی وجہ سے کھانا لینا شروع کر دیا ورنہ اسکا اندارج سرے سے ہی رجسٹر میں نہیں ہے بات کھل جانے پر طلباء نے عرض کیا کہ حضرت بات تو وہی نکلی جو آپ نے ارشاد فرمائی تھی کہ یہ مدرسہ دیوبند کا طالب علم نہیں ہے لیکن آپ نے اس قوت سے کس بنا پر اسکے طالب علم عام ہونے کی نفی فرمائی۔ فرمایا ابتداً میں نے اہتمام سے انکار کیا اور بے زار تھا لیکن جب بھی چھوڑنے کا ارادہ کرتا تو حضرت نانا توی روک دیتے تھے مجبوراً پھر کام میں لگ جاتا تھا اور رد انکار اور جبر و اصرار کے چند دن بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ احاطہ مولسری میں دار العلوم کا کنواں دودھ سے بھرا ہوا اور اس کی من پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں اور دودھ تقسیم فرما رہے ہیں لینے والے آرہے ہیں اور وہ دودھ لے جارہے ہیں کوئی گھڑا لیکر آرہا ہے کوئی لوٹا لیکر کوئی پیالہ اور کسی کے پاس برتن نہیں ہے تو وہ چلو ہی بھر کر دودھ لے رہا ہے اور اس طرح ہزاروں آدمی دودھ لیکر جارہے ہیں فرمایا کہ وہ خواب دیکھنے کے بعد میں مراقب ہوا کہ اس واقعے کا کیا مطلب ہے تو مجھ پر منکشف ہوا کہ کنواں صورت مثال دار العلوم کی ہے اور دودھ صورت مثال علم کی ہے اور قاسم العلوم یعنی تقسیم کنندہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ آکر دودھ لے جانے والے طلباء ہیں جو حسب ظرف علم لے کر جارہے ہیں اس کے بعد فرمایا کہ مدرسہ دیوبند میں جب داخلہ ہوتا ہے اور طلباء آتے ہیں تو میں ہر ایک کو پہچان لیتا ہوں کہ یہ بھی اس مجمع میں تھا اور یہ بھی لیکن اس گستاخ طالب علم پر میں نے سر سے پیر تک تین دفعہ نظر ڈالی یہ اس مجمع میں تھا ہی نہیں اس لئے میں نے قوت سے کہہ دیا کہ

یہ مدرسہ دیو بند کا طالب علم نہیں ہے۔

اس سے اندازہ ہوا کہ اس مدرسے کیلئے طلباء کا انتخاب بھی منانب اللہ ہی ہوتا ہے چنانچہ یہاں نہ اشتہار ہے نہ پروپیگنڈہ اور نہ ترتیبی پمفلٹ کہیں جاتے ہیں کہ طلباء آکر داخل ہوں بلکہ من اللہ جسکے قلب میں داخلے کا داعیہ پیدا ہوتا ہے وہ خود ہی کشاں کشاں چلا آتا ہے۔ (۴۸)

نظم دار العلوم میں غیبی اعانت:

حضرت مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم ثانی دالعلوم کا مقولہ بزرگوں سے سننے میں آیا کہ مدرسہ دیو بند کا اہتمام میں نہیں کرتا بلکہ حضرت نانا توئیؒ کرتے ہیں جو جوان کے قلب پر وارد ہوتا ہے وہ میرے قلب میں منعکس ہو جاتا ہے اور میں وہی کام گزرتا ہوں چنانچہ جب بھی مولانا کوئی غیر معمولی کام کرتے تھے تو اگلے دن حضرت نانا توئیؒ فرماتے کہ مولانا اللہ آپ کو جزائے خیر عطاء فرمائے کچھ عرصہ سے یہی کام جو آپ نے انجام دیا ہے میرے دل میں آرہا ہے کہ اس مدرسہ کے امور مہتممہ بھی اشارات غیب اور الہامات ہی اس انجام پاتے تھے حضرت مولانا رفیع الدین صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ جہاں قوی النسبت اکابر میں سے تھے وہیں امی محض تھے نہ لکھنا جانتے تھے نہ پڑھنا امور متعقلہ مولنا کے ارشاد احکام اہتمام قلمبند ہوتے تو مولانا اس پر اپنی مہر لگا دیتے تھے گویا احکام اہتمام بھی کچھ مادری اسباب ہی قلمبند ہوتے تھے جس میں رسمی نوشت وخواندگی ہوتی تھی حضرت کا امی ہونا خود اسکی بھی دلیل ہے کہ آپ قلبی مضمرات کسی رسمی علم کے تابع نہ تھے بلکہ قلبی ورات ہوتے تھے جنیں ارشادات غیب کے سوا اور کیا کہا جا سکتا تھا۔

حضرت مولانا یعقوب صاحب نانا توئیؒ اولین صدر مدرس دار العلوم دیو بند کا مکاشفہ اپنے بزرگوں سے بار ہا سننے میں آیا فرمایا کہ میں دار العلوم کی وسطی درسگاہ نوردہ سے عرش تک نور کا ایک مسلسل سلسلہ دیکھتا ہوں جس میں کہیں بھی بیچ میں فصل یا انقطاع نہیں اور اس لئے بزرگوں کا بلکہ خود اپنا بھی تجربہ یہ ہے کہ مشکل

سے مشکل مسئلہ جو بہت سے مطالعے میں حل نہیں ہوتا اس درسگاہ میں بیٹھ کر پڑھتے اور سوچنے سے حل ہو جاتا اور اس میں شرح صدر نصیب ہو جاتا ہے۔

اس سے اندازہ ہوا کہ اس مدرسے کا فیضان بھی کچھ رسمی اسباب کے تابع نہیں بلکہ من اللہ قلوب طلباء واساتذہ پر وارد ہوتا ہے اور ان میں علمی شرح صدر پیدا ہو جاتا ہے۔

حضرت مولانا یعقوبؒ کا یہ بھی مکاشفہ تھا کہ درس گاہ نورد کے سامنے کے صحن میں درسگاہ کے ایک دو گز کے فاصلے پر اگر کسی جنازے کی نماز پڑھی جائے تو وہ مغفور ہوتا ہے۔ اس لئے اس جگہ کی تشخیص کے بعد اس پر سیمنٹ کا ایک چوکھٹ بنوایا ہے۔ اور اس پر جنازہ رکھ کر خواہ شہری ہوں یا متعلقین مدرسہ انکے جنازے کی نماز پڑھی جاتی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے۔ کہ اس جگہ کی مقبولیت صرف تعلیم تک اور صرف متعلقین مدرسہ تک محدود نہیں بلکہ عوام بھی اس سے فیضیاب ہو رہے ہیں۔ خواہ وہ اس مدرسے کے تعلیم یافتہ ہوں یا نہ ہوں پھر اس مدرسہ کے اساتذہ اور عہدوں میں بھی تکوینی طور پر ایسے ہی حضرات کا انتخاب ہوتا رہا ہے۔ جو صاحب نسبت اور صاحب دل ہی ہوتے ہیں۔

بہر حال اس مدرسے کی ابتدائی تصور اسکی جگہ انتخاب اس کا اجرا اس کا سنگ بنیاد اس کے ذمہ داروں کا انتخاب اس کے طلباء کی تشخیص، طریق کار اور طریق اجراء احکام سب ہی کچھ اس عالم اسباب کے زیادہ عالم غیب سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے میں نے اس مدرسہ کا لقب الہامی مدرسہ رکھا ہے۔ اس سے اندازہ کر لیا جائے کہ اس کے فقہاء وعلماء جو سو برس میں دس ہزار سے کم تیار نہیں ہوتے۔ جنہوں نے اس ماحول میں تربیت پا کر علوم واعمال کا اکتساب کیا ان کا علم حالات میں محض رسمی نہیں ہو سکتا بلکہ ناگریز طریق پر اس میں معرفت اور گہرائی شامل رہی ہے۔ اور جو بھی دار العلوم کا فاضل ہو حقیقتاً فاضل اور الہام کے ذوق پر تربیت یافتہ ہے وہ جہاں بھی ہے خواہ شہر ہو یا قصبہ اور دیہات کے ایمانوں کی حفاظت کئے ہوئے ہے۔ ہزاروں فضلاء نہیں کہ جنکا نہ نام کس کو معلوم ہے نہ اشتہار اور تشہیر کا سلسلہ ہے مگر ایمان کا تحفظ خاموش

طریقے پر ہورہا ہے اور کوئی بھی دینی فتنہ ایسا نہیں جس کی روک تھام میں وہ حسب استطاعت وقابلیت مصروف نہ ہوں۔

دار العلوم کے فضلاء کا سلسہ اور مرکز سے ان کی وابستگی کسی رسمی تنظیم یا ممبر سازی کے ساتھ نہیں ہے مگر روحانی رشتہ ان ساری تنظیموں سے بالاتر اور مضبوط و مستحکم ہے اور الحمد اللہ کامیاب اور بامراد ہیں۔

تدریس، تصنیف تربیت باطن، تعلیم، مسائل افتاء املاء کے تمام علمی سلسلے ان سے خاموش طریق پر انجام پارہے ہیں۔ اور عالم غیب کے دفاتر کے منضبط ہیں جیسا کہ عالم غیب کے ہی اشاروں سے ان کی اور ان کے مرکز کی ابتداء ہوتی ہے۔ عادتاً کوئی بھی درسگاہ یا تربیت گاہ ایسی نہیں ہے کہ اس کے پردہ سب کے سب ایک روح کے ہوں جب کہ قرآن حکیم نے عمومی طور پر ارشاد بھی فرمایا ہے۔ والذین اوتوا العلم درجت) جنہیں علم سے سرفراز کیا گیا انکے درجات مین اس لئے اس سلسلے کے علماء بھی مختلف المراتب ہیں۔ اور انکی طبعی حضورصیات اور زوقی الوان بھی الگ الگ نہیں۔ لیکن قدر مشترک سب کا ایک اور نصب العین واحد ہے۔ اس سوسال میں ان کی خدمات حق تعالیٰ کے یہاں منضبط ہیں۔ (۴۹)

فصل چہارم: دارالعلوم دیوبند ایک ادارہ ایک تحریک

خدمات شاہ ولی اللہؒ:

شاہ ولی اللہ (۱۱۷۶ھ ۱۷۶۲ء) اور ان کے خاندان نے برصغیر پاک و ہند میں مسلمانوں کی اصلاح اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی تحریک شروع کی اور خاندان نے اکناف واطراف پاک و ہند میں علماء کی ایک ایسی جماعت تیار کر دی جس نے مسلمانوں کے نظری وفکری میلانات اور علمی وسیاسی رجحانات کو بدلا ان میں جہاد وعمل کی روح پھونکی۔ شاہ ولی اللہ کے بعد ان کے لائق فرزندان شاہ عبدالعزیز ۱۲۳۹ھ ۱۸۲۴ء شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر نیز ان کے پوتے شاہ محمد اسماعیل اور نواسے شاہ محمد اسحاق ۱۸۲۵ء نے علوم و فلسفہ ولی اللہی کی خوب نشر واشاعت کی اصلاح عقائد ومعاشرت کے سلسلے میں شاہ اسماعیل کی کتاب تقویۃ الایمان معروف ہے۔ شاہ اسماعیل سکھوں سے جہاد کرتے ہوئے بالاکوٹ کے میدان میں ۱۸۳۱ء میں شہید ہوئے۔ شاہ عبدالعزیز کے انتقال کے بعد ان کے جانشین شاہ محمد اسحاق ہوئے انہوں نے علم وحدیث اور اصلاح معاشرت کی بہت کوشش کی وہ تحریک جہاد کے معین مددگار تھے جب شاہ محمد اسحاق نے برصغیر پاک وہند میں حالات موافق نہ دیکھے تو ۱۲۵۷ھ ۱۸۴۱ء میں حجاز کو ہجرت کر گئے شاہ محمد اسحاق نے اصلاح عقائد ومعاشرت سے متعلق دو کتابیں مسائل اربعین اور مائۃ مسائل مرتب کیں پہلی کتاب محمد زمان خان شروانی رئیس بھیکم پور کی تحریک پر ۱۲۰۰ھ ۱۸۳۹ء میں اور دوسری کتاب ۱۲۴۰ھ ۱۸۲۹ء میں قلعہ معلیٰ دہلی کے بعض شہزادوں اور سلاطین کی فرمائش پر مرتب ہوئی یہ کتابیں اس اعتبار سے بہت اہم ہیں کہ ان میں مسلمانوں کی معاشرتی وسماجی ترقی کا خاص طور سے خیال رکھا گیا ہے۔ اس طرح بالواسطہ ان کی اقتصادی ومعاشی اصلاح کی کوشش کی گئی (۵۰)

شاہ محمد اسحاق کے شاگرد اس زمانے کے مشہور علماء تھے۔ جنہوں نے علم حدیث اور اصلاح معاشرت کی گرانقدر خدمات انجام دیں اس سلسلے میں مفتی عنایت احمد کاکوری مولوی نواب قطب الدین (ف ۱۲۷۹ھ ۶۳۔۱۸۶۲ء) مولانا احمد علی سہانپوری اور شاہ عبدالغنی مجددی خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ اول الذکر دونوں حضرات نے اردو زبان میں عام فہم اردو لٹریچر شائع کیا اور اس طرح مسلم معاشرے کی بڑی خدمات انجام دیں نواب قطب الدین خان نے اردو زبان میں متعدد اصلاحی کتابیں لکھیں۔ حدیث کی مشہور کتاب مشکوٰۃ المصابیح کا اردو ترجمہ کیا۔ اردو زبان میں قرآن کریم کی تفسیر جامع التفسیر کے نام سے لکھی شاہ محمد اسحاق صاحب کے آخرالزکر دونوں شاگردوں مولانا احمد علی سہارنپوری اور شاہ عبدالغنی مجددی نے علم حدیث کی گرانقدر خدمات انجام دیں مولانا علی سہارنپوری نے دہلی میں ایک پریس مطبع احمدی کے نام سے قائم کر کے حدیث کی مشہور کتب جامع ترمذی ۱۲۶۵ھ ۱۸۴۸ء میں اور صحیح بخاری ۱۲۶۷ھ ۱۸۵۰ء میں شائع کیں شاہ عبدالغنی مجددی، شاہ محمد اسحاق کے ہجرت کرنے کے بعد ان کے جانشین ہوئے وہ حدیث کے بڑے عالم اور شاہ مجدد الف ثانی کی اولاد میں تھے۔ انھوں نے حدیث کی خوب نشر و اشاعت کی۔ دیوبند کے نامور علماء ان کے شاگرد ہیں حدیث کی مشہور کتاب سنن ابن ماجہ کا ایک ذیل لکھا۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد جب دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تو وہ حجاز کو ہجرت کر گئے۔ شاہ محمد اسحاق کے علاوہ خاندان عزیزی کے فیض یافتگان میں مفتی صدر الدین آزردہ اور مولانا مملوک علی نانوتوی بھی قابل ذکر ہیں۔ مفتی صدرالدین نامور عالم اور سرکار انگریز کی طرف سے دہلی میں مفتی کے عہدے پر سرفراز تھے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے سلسلے میں معتوب ومقید ہوئے اور مولانا مملوک علی دہلی کالج کے صدر مدرس تھے۔ جو اپنے استاد مولانا رشید الدین خان کے انتقال ۱۸۴۱ء کے بعد دہلی کالج میں شعبہ مشرقی کے صدر مدرس بنے۔ جو علم و فضل کے اعتبار سے اپنا جواب نہیں رکھتے تھے، مدرسے کے علاوہ گھر پر بھی طلبہ کو درس دیتے تھے اور طلبہ ان سے بہت مطمئن تھے مولانا مملوک علی کی تصنیفات میں دو کتابیں تحریر اقلیدس اور تاریخ یمینی قابل ذکر ہے۔

مولانا مملوک علی کے نامور شاگردوں میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ۔ مولانا محمد مظہر نانوتویؒ، مولانا محمد احسن نانوتویؒ، مولانا محمد منیر نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا احمد علی سہارنپوری، مولانا ذوالفقار علی دیوبندی، مولانا فضل الرحمٰن دیوبندی وغیرہ مشہور و معروف ہیں۔ اور یہ تمام حضرات کسی نہ کسی طرح دارالعلوم کی تاسیس و قیام و انتظام میں شریک و ممد رہے مندرجہ بالا تمام علماء علم حدیث میں شاہ عبدالغنی مجددی کے شاگرد ہیں ان میں سے مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا احمد علی سہارنپوری کے علاوہ تمام علماء دہلی کالج کے تعلیم یافتہ ہیں۔ یہ تمام حضرات تعلیم و تدریس سے وابستہ رہے۔ مولانا محمد یعقوب پہلے اجمیر کالج میں اور پھر ڈپٹی انسپکڑ مدارس رہے، مولانا ذوالفقار علی اور مولانا فضل الرحمٰن ڈپٹی انسپکٹر مدارس رہے مولانا محمد مظہر نانوتوی، مولانا محمد احسن نانوتوی، اور مولانا محمد منیر نانوتوی اجمیر، بنارس اور بریلی کالج میں پروفیسر رہے۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد دہلی کی تباہی و بربادی کے برصغیر پاک و ہند میں نہ صرف مسلمانوں کی سیاسی برتری ختم ہوئی بلکہ ان کے تعلیمی و علمی ادارے بھی تباہ و برباد ہو گئے چونکہ برصغیر کی حکومت انگریزوں نے مسلمانوں سے لی تھی اور وہی ان کے سیاسی حریف تھے اور جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں بھی ان ہی نے قیادت کے فرائض انجام دیئے تھے لہذا انتقام میں انگریزوں نے ان ہی کو سب سے زیادہ برباد کیا۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد شاہ محمد اسحاق کے جانشین شاہ عبدالغنی مجددی اور حاجی امداد اللہ ہجرت کر کے حجاز چلے گئے۔ اور ان کے فیض یافتگان نے دہلی کے ولی اللہی تدریسی مرکز کو دوبارہ بحال ہوتے نہ دیکھا تو انہوں نے اس مقصد کے لیے ضلع سہارنپور کے قصبہ دیوبند کو انتخاب کیا۔ تاکہ وہاں ایک درسگاہ قائم کر کے افکار و نظریات کی اشاعت کر سکیں اور ملک گیر پیمانے پر ان نظریات کو پھیلا سکیں۔ (۵۲)

مولانا فضل الرحمٰن مولانا ذوالفقار علی اور ایک صوفی بزرگ حاجی عابد حسین نے یہ تجویز کی کہ ایک مدرسہ دیوبند میں قائم کریں۔ چنانچہ (۱۵) محرم ۱۲۸۳ھ (۳۰ مئی ۱۸۶۶ء) کو دیوبند کی مشہور چھتہ والی مسجد

میں انار کے درخت کے نیچے کھلے صحن میں اس تاریخی درسگاہ کا آغاز ہوا۔جس کی سرپرستی اور رہنمائی مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے کی اور درحقیقت وہی اس مدرسے کے بانی تھے۔اس درسگاہ کے سب سے پہلے طالب علم محمود (حضرت شیخ الہند محمود الحسن) اور پہلے استاد ملا محمود تھے۔جس نے سب سے پہلے چندہ دیا وہ حاجی عابد حسین تھے تھوڑی ہی دیر میں تقریباً چار سو روپے جمع ہوگئے ۔۱۹ محرم ۱۲۵۳ھ (۷ مئی ۱۸۲۷ء) کو ایک اشتہار کے ذریعے قیام مدرسہ کا اعلان کیا گیا۔

پہلے سال کے اختتام تک طلبہ بھی کی تعداد اٹھتر ہوگئی جس میں بیرون ہند کے طلبہ بھی شامل تھے طلبہ کے اضافہ کے ساتھ مدرسین میں بھی اضافہ ہوااور اس مدرسہ کے مہتمم شاہ رفیع الدین مقرر ہوئے جو شاہ عبد الغنی مجدی کے خلیفہ ارشد تھے اور صدر مدرسین مولانا محمد یعقوب نانوتوی مقرر ہوئے جو سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہو چکے تھے انہوں نے صرف تیس روپیہ ماہوار پر یہ ملازمت قبول کرلی۔اس درس گاہ کی شہرت دن بدن اندرون ملک بلکہ اس سے باہر بھی پھیلتی گئی اور طلبہ کی تعداد میں بھی رفتہ رفتہ اضافہ ہوتا رہا یہاں تک کہ چھتہ کی مسجد اس مدرسے کے لئے ناکافی ثابت ہوئی اور مدرسہ ۱۲۹۰ھ، ۱۸۷۳ء میں دیوبند کی جامع مسجد میں منتقل کردیا گیا جس کے دالان اور حجرے طلبہ کی ضروریات کے لئے موزوں سمجھے گئے مگر جلد ہی یہ جگہ بھی ناکافی ثابت ہوئی ، پھر مولانا محمد قاسم نانوتوی نے مدرسے کے لئے آبادی کے باہر ایک کشادہ اور وسیع عمارت بنانے کی تجویز پیش کی اور وسیع قطعہ اراضی خریدنے کے بعد ۲ ذی الحجہ ۱۲۹۳ھ، ۱۸۷۶ء کو جمعہ کے دن موجودہ عمارت کا سنگ بنیاد رکھا گیا مولانا احمد علی سہارنپوری ،مولانا محمد قاسم نانوتوی ،مولانا رشید احمد گنگوہی ،حاجی عابد حسین اور مولانا مظفر حسین کاندھلوی نے علی الترتیب ایک ایک اینٹ رکھی اس مدرسے نے یوماً فیوماً خوب ترقی کی ،اہتمام وانتظام کے لحاظ سے دارالعلوم کو تین ادوار میں تقسیم کرسکتے ہیں۔

۱۸۶۷ء تا ۱۸۹۵ء

۱۸۹۶ء تا ۱۹۲۹ء

۱۹۳۰ء تا حال

دوسرا دور اہتمام مولانا محمد قاسم نانوتوی کے صاحبزادے شمس العلماء حافظ محمد احمد کا ہے۔ان کے طویل دور اہتمام میں مدرسے نے بہت ترقی کی اور ان ہی کے زمانے میں یہ درس گاہ مدرسے کے درجے سے دارالعلوم بنا، ان کے فرزند مولانا محمد طیب لکھتے ہیں

''مالی امدادیں بڑھیں، بڑی بڑی عمارتیں، دارالطلبہ قدیم دارالطلبہ جدید کا کچھ حصہ، دارالحدیث تحتانی، مسجد دارالعلوم کتب خانہ دارالمشورہ، قدیم مہمان خانہ اور مختلف احاطے ارض دارالعلوم پر نمایاں ہوئے کارکنوں میں اضافہ ہوا حاصل یہ کہ اس درس گاہ نے مدرسے سے دارالعلوم اور دارالعلوم سے ایک جامعہ کی صورت اس زمانے میں اختیار کی''

موجودہ مہتمم مولانا محمد طیب کے زمانے میں دارالعلوم نے ان کے والد کے دور سے بھی زیادہ ترقی کی آج دارالعلوم دیوبند ایشیاء میں مسلمانوں کی سب سے بڑی دینی درس گاہ ہے اور بین الاقوامی شہرت کا مالک ہے۔مولانا محمد قاسم نانوتوی نے دارالعلوم کا نظام جمہوری بنیادوں پر رکھا ہے دارالعلوم کی سب سے بڑی با اختیار جماعت مجلس شوری ہے دارالعلوم کا تمام نظم ونسق اسی جماعت کے ہاتھ میں ہے اور اس کے ماتحت ایک مجلس عاملہ ہے مولانا محمد قاسم نانوتوی نے آٹھ اساسی اصول مقرر کیے ہیں انہوں نے صادر و وارد اہل علم وعقل کے مشورے کو قبول کرنے کی رائے دی مولانا نانوتوی نے سرکار اور امراء کی شرکت کو بھی مدرسے کے لیے مضر بتایا ہے اور عوام کے چندے پر زیادہ زور دیا ہے تاکہ یہ درسگاہ جمہوری وعوامی ادارہ رہے اور حکومت کے تغلب واثر سے بھی آزاد رہے برصغیر پاک وہند میں عربی مدارس میں درس نظامی مروج ہے اس نصاب میں معقولات پر زیادہ زور دیا جاتا ہے مگر دارالعلوم دیوبند نے ولی اللہی نصاب کو اپنایا جس میں علوم منقول تفسیر وحدیث وفقہ پر زیادہ توجہ دیجاتی ہے یہی وجہ ہیکہ علوم حدیث پر دارالعلوم دیوبند میں بہت کام ہوا ہے اس سلسلے میں مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا انور شاہ کشمیری، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا

شبیر احمد عثمانی ،مولانا بدر عالم ،مولانا یوسف بنوری ،مولانا منظور احمد نعمانی اور مولانا ظفر احمد عثمانی کے نام خاص طور سے قابل ذکر ہیں مولانا اشرف علی تھانوی کی تو ساری عمر ہی حدیث کی خدمت میں گزری مولانا کشمیری نے جامع ترمذی کی شرح العرف الشذی ،مولانا عثمانی نے صحیح کی شرح فتح الملہم ،مولانا ظفر احمد تھانوی نے اعلاء السنن اور مولانا بنوری نے معارف السنن جیسی بلند پایہ کتابیں لکھیں یہ سارا کام عربی زبان میں ہوا ہے ،اردو زبان میں مولانا بدر عالم کی ترجمان السنة ،مولانا منظور احمد نعمانی کی معارف الحدیث ،مولانا فخر الدین کی ایضاح البخاری ،حدیث کی مشہور و معروف کتب ہیں۔

قرآن کریم کے اردو ترجمہ و تفاسیر میں مولانا محمود الحسن کا ترجمہ قرآن مولانا اشرف علی تھانوی کی تفسیر بیان القرآن اور مفتی محمد شفیع صاحب کی معارف القرآن اور مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی کی معارف القرآن نیز علامہ مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب کی تفسیر بھی قابل ذکر ہے۔

دار العلوم دیوبند کی نمایاں خصوصیات قرآن و حدیث کی خدمت ہے۔حسب ضرورت علم معقول کی کتابیں بھی داخل نصاب ہیں نصاب کی تکمیل کی مدت نو سال ہے جس میں دو سال درجہ تکمیل کے ہیں ،ذریعہ تعلیم اردو ہے مولانا محمد قاسم نانوتوی کو عصری تقاضوں کو پورا پورا احساس تھا ،انہوں نے یہ بھی رائے ظاہر کی دار العلوم میں انگریزی زبان اور سائنس وغیرہ کی بھی تعلیم دی جائے ،بلکہ مولانا نانوتوی نے خود بھی انگریزی پڑھنے کی خواہش ظاہر کی جو پوری نہ ہو سکی ،طلبہ کو معاشی اعتبار سے خود کفیل بنانے کے لئے دار العلوم میں چھوٹی چھوٹی صنعتیں مثلاً کتابت ،جلد سازی ،خیاطی ،پارچہ بافی اور جفت سازی وغیرہ کا بھی اجراء کیا گیا۔(۵۳)

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد انگیزوں نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ہندو کو ہر شعبہ حیات میں آگے بڑھایا۔مسلمان ان سے پیچھے رہ گئے۔گو اس سے پہلے مسلمان ہر شعبہ حیات میں ہندو سے برتر اور

ممتاز تھے انگریزوں کی شہ پر ہندو میں مذہبی وسماجی بیداری بھی پیدا ہوئی۔ برہموسماج اور آریہ سماج اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں آریہ سماج نے غیر ہندو کو ہندو مذہب میں شامل کرنا شروع کر دیا پادریوں نے انگریزی حکومت کے زیر سایہ عیسائیت کی تبلیغ شروع کر دی، غرض مسلمانوں کے لیے نصرانیت اور آریہ دو بڑے فتنے تھے۔ (۵۴)

دارالعلوم دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم نانوتوی نے دلی کے قیام کے زمانے ۱۲۵۲ھ میں جب یہ صورت حال دیکھی کہ پادری بازاروں، میلوں اور عام مجمعوں میں اسلام اور پیغمبر اسلام پر اعتراضات کرتے ہیں تو انہوں نے اپنے شاگردوں سے کہا کہ وہ بھی اسی طرح کھڑے ہوکر بازاروں میں وعظ کیا کریں اور پادریوں کا رد کریں ایک روز خود بھی بغیر تعارف اور اظہار نام مجمع میں پہنچ گئے اور ایک پادری تاراچند سے مناظرہ کیا اور اسکو شکست دی، اس زمانہ میں مولانا محمد قاسم نانوتوی منشی ممتاز علی کے مطبع مجتبائی (دلی) میں مقیم تھے۔

شاہ جہاں پور (یوپی) کے قریب چاند پور میں وہاں کے زمیندار پیارے لال کبیر پنتھی کی سرپرستی اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ رابٹ جارج گری کی اجازت وتائید ۸ مئی ۱۸۷۶ء کو ایک میلہ خداشناسی منعقد ہوا جسمیں عسائی، ہندو اور مسلمان تینوں مذاہب کے نمائندوں کو بذریعہ اشتہارات دعوت دی گئی کہ وہ اپنے مذہب کی حقانیت ثابت کریں مولانا محمد منیر نانوتوی اور مولانا الٰہی بخش رنگین بریلوی کی تحریک پر مولانا محمود الحسن، مولانا فخر الحسن اور مولوی رحیم اللہ بجنوری کے ہمراہ مولانا محمد قاسم نانوتوی نے ابطال تثلیث وشرک اور اثبات توحید میں ایسا بیان کیا کہ حاضرین جلسہ موافق ومخالف مان گئے۔

دوسرے سال مارچ ۱۸۷۷ء میں یہ میلہ پھر منعقد ہوا اس مرتبہ بھی مولانا محمد قاسم نانوتوی پہنچے۔ اس مرتبہ آریہ سماج کے بانی پنڈت دیانند سرسوتی (ف ۱۸۸۴ء) اور اس علاقے کے مشہور لیڈر منشی اندرمن مرادآبادی بھی آئے۔ عیسائی پادریوں اور دیانند سرسوتی نے بھی تقریریں کیں، مولانا محمد قاسم کی تقاریر بحث

وجود، توحید اور تحریف انجیل پر ہوئی مولانا محمد قاسم نانوتوی نے دونوں سال شریک ہوکر عیسائیوں اور ہندوؤں کی سازش کو ناکام بنادیا۔ مولانا محمد قاسم کے بعد دوسرے اکابر علماء نے عیسائیت اور آریہ سماج کا خاص طور سے رد کیا۔

مولانا الیاس صاحب کی تبلیغی خدمات:

اس سلسلے میں مولانا محمد الیاس کا ذکر بھی ضروری ہے انہوں نے میوات میں تبلیغ کا کام نہایت استقلال اور صبر سے انجام دیا اور اس علاقے کو اسلام سے روشناس کرایا۔ مولانا محمد الیاس بن مولوی محمد اسماعیل ۱۳۰۳ھ میں کاندھلہ میں پیدا ہوئے اپنے بھائی محمد یحیٰ (ف ۱۳۳۵ھ) اور مولانا خلیل احمد انبیٹھوی سے تعلیم حاصل کی اور مولانا رشید احمد گنگوہی کے مرید ہوئے تبلیغ کا آغاز ان کے والد مولوی محمد اسماعیل کر چکے تھے مولانا محمد الیاس نے اس کو باقاعدہ تحریک کی شکل دی۔ اور اس کا مرکز درسگاہ نظام الدین اولیاء (دہلی) کو بنایا مولانا الیاس نے میواتیوں کو خاص طور سے تبلیغ کی اور ان کو پکا مسلمان بنایا ورنہ وہ لوگ غیر اسلامی زندگی گزارتے تھے۔ انہوں نے تبلیغ کے لیے عمومی دعوت کا پراگرام بنایا تبلیغی گشت شروع کیئے کلمہ، نماز، اور اسلام کے اصول دارکان کی تبلیغ شروع کی آہستہ آہستہ یہ تحریک میوات کے علاقے سے نکل کر ملک کے دوسرے حصوں میں پھیلی اس تحریک کی کامیابی کے متعلق مولانا ابوالحسن ندوی لکھتے ہیں۔ جس علاقے میں کوسوں مسجد نظر نہیں آتی تھی وہاں گاؤں گاؤں مسجدیں بن گئی اور دیکھتے دیکھتے اس ملک (میوات) میں ہزاروں مسجدیں بن کر کھڑی ہوگئی صدہا مکتب اور متعدد عربی مدرسے قائم ہوگئے حفاظ کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز پہنچی، فارغ التحصیل علماء کی خاصی بڑی تعداد پیدا ہوگئی۔ (۵۵)

مولانا محمد الیاس کے انتقال (۱۳ جولائی ۱۹۴۴ء) کے بعد ان کے جانشین ان کے بیٹے مولانا محمد یوسف ہوئے مولانا محمد یوسف ۱۹۱۷ء میں کاندھلہ میں پیدا ہوئے انہوں نے اپنے والد اور دوسرے علماء

سے تحصیل علم کی مولانا محمد یوسف کے زمانے میں تبلیغ کی تحریک برصغیر پاک وہند سے نکل کر بین الاقوامی حیثیت اختیار کر گئی اور اس کے چرچے دنیا کے کونے کونے میں ہونے لگے اور مولانا محمد یوسف نے ''مختصر سی مدت میں اتنی زبردست کامیابی حاصل کی کہ وہ تحریک جو میوات کے ان پڑھ مسلمانوں کو جمعہ ونماز سکھانے کی تحریک کے نام سے مشہور تھی اس کو پہلے مکمل اور پھر ایک بین الاقوامی تحریک بنا دیا''۔ ۲۰ اپریل ۱۹۶۵ء کو مولانا محمد یوسف کا انتقال ہوا۔ وہ ایک مبلغ کے علاوہ بلند پایہ مصنف بھی تھے۔

دارالعلوم کی طرز کے مدارس:

دارالعلوم دیوبند کے انداز پر پورے برصغیر پاک وہند میں بہت سے مدارس جاری ہوئے جن کی تفاصیل کی یہاں گنجائش نہیں، بلکہ ان میں سے بعض خود مرکزی حیثیت کے حامل ہو گئے ایسے مدارس میں ''مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، مدرسہ امینیہ دہلی، دارالعلوم کراچی، مدرسہ عربیہ اسلامیہ (نیوٹاؤن) کراچی، خیر المدارس ملتان، جامعہ اشرفیہ لاہور، مدرسہ حقانیہ اکوڑہ خٹک، خاص طور سے قابل ذکر ہیں، بلکہ دارالعلوم کے زیر اثر مدارس برہما، نیپال، اور مکہ معظمہ میں قائم ہوئے مکہ کی مشہور درس گاہ مدرسہ صولتیہ، دارلعلوم دیوبند کا sister institution ہے اس کے بانی وسرپرست مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی دیوبند کے اکابر میں تھے مدینہ منورہ میں مدرسہ علوم شرعیہ قائم ہوا جو مولانا حسین احمد مدنیؒ کے بھائی نے قائم کیا۔ (۵۶)

دارالعلوم کے مبلغین:

مکہ اور مدینہ میں اس تحریک کے نامور علماء نے انفرادی حیثیت سے بھی درس وتبلیغ کے فرائض انجام

دیئے اس طرح ان کے افکار وخیالات تمام دنیا کے مسلمانوں تک پہنچے، ان علماء میں شاہ عبدالغنی مجددی، حاجی امداداللہ کے علاوہ، مولانا محمودالحسن، مولانا حسین احمد مدنی، مولوی صدیق احمد، مولانا عبیداللہ سندھی، مولانا بدرعالم اور مولانا عبدالغفور عباسی وغیرہ کے نام لئے جاسکتے ہیں دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل علماء نے نہ صرف درس وتدریس، تصنیف وتالیف، تبلیغ وتذکیر اور افتاء ومناظرہ کے فرائض انجام دیئے۔

دارالعلوم میدان صحافت میں:

بلکہ صحافت وادب کے میدان میں بھی قابل قدر کارنامے انجام دیئے مولانا احسان اللہ خاں تاجور نجیب آبادی (ادبی دنیا لاہور) مولانا مظہر الدین (الامان وحدت، دہلی) مولانا شائق احمد عثمانی (عصر جدید، کلکتہ) مولانا حامد الانصاری (مدینہ بجنور) مولانا سعید احمد اکبرآبادی (برہان دہلی) کسی تعارف کے محتاج نہیں۔(۵۷)

دارالعلوم دیوبند کے اثرات سے دینی اور مذہبی صحافت کی بنیاد مضبوط ہوئی، خاص دارالعلوم دیوبند اور اس کے حلقے سے ''القاسم'' الرشید''المحمود'' (۲) الامداد'' اور ہادی'' وغیرہ مؤقر ماہنامے جاری ہوئے آج بھی دارالعلوم دیوبند سے دو ماہنامے ''دارالعلوم'' (اردو) اور ''دعوت الحق'' (عربی) شائع ہوتے ہیں، اس فہرست میں البلاغ (کراچی) الحق (اکوڑہ خٹک) بینات'' (کراچی) تعلیم القرآن (راولپنڈی) جامعہ'' (جھنگ) اور الرشید (ساہیوال) کا بھی اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ یہ پرچے دینی صحافت کے قابل قدر آرگن ہیں دارالعلوم دیوبند میں چونکہ ذریعہ تعلیم اردو ہے لہذا یہ اردو کی نشرواشاعت کا بہت بڑا مرکز ہے یہاں کے فارغ التحصیل علمائے بنگال دیرماقبائلی علاقے دسوات اور افغانستان وغیرہ میں اردو کو متعارف کراتے ہیں۔

آزاد کشمیر میں دیو بند کی نورانی شعاعیں:

دیو بند کے آفتاب عالمتاب نے جہاں ایک دنیا کو منور کیا اور ہمارے پاکستان کو بھی نور نور کیا وہاں اس نے کشمیر کے بلند و بالا برف پوش پہاڑوں حسین مرغزاروں اور دلربا لالہ زاروں کو بھی محروم نہیں کیا وہاں تعلیم القرآن کے بیسوں مدارس چپے چپے پر فرزندان دارالعلوم نے قائم فرما کر نونہالان ملک وملت کی ذہنی تعلیم وتربیت کا اہتمام وانتظام فرمایا اور سب سے بڑا دینی مدرسہ دارالعلوم تعلیم القرآن پلندری پونچھ آزاد کشمیر جیسا ایک مرکزی علمی ودینی ادارہ دارالعلوم دیو بند ہی کے تعلیم یافتہ حضرت مولانا محمد یوسف خان صاحب نے قائم فرمایا جو ان ہی کی نگرانی میں جہالت کی تاریکیوں کے خلاف جہاد مسلسل میں مصروف ہے اور اس کی خدمت کے ساتھ ساتھ سماجی وسیاسی میدانوں میں بھی خدمات خلق کے لیے رواں دواں ہیں، جس پر وہاں کے عوام نے قدر شناسی کے طور پر انہیں اسمبلی کے ممبر منتخب کر کے نئی آرزوں اور تمناؤں کے ساتھ آگے بھیجا، اس دور افتادہ پہاڑی علاقے میں علم وعمل کی یہ سوزش وتمازت دیو بندی کے وجود باوجود کی ضیا پاشیوں کا نتیجہ ہے خاص کر دیو بند کے ایک عظیم وبے مثل چشم وچراغ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد المدنیؒ کی تربیت وصحبت کیمیا کا نتیجہ وثمرہ ہے اس طرح دیو بند کے منبع فیض کی ضیا پاشیاں وہاں رنگ لا رہی ہیں۔ (۵۸)

دیو بند کے اثرات حجاز مقدس میں:

دارالعلوم دیو بند کے ہمہ گیر فیض رسانی کے اثرات منبع ومرکز اسلام (حجاز مقدس) میں بھی اپنی گرمی دکھاتے رہے، سید الطائفہ حضرت حاجی صاحب امداد اللہ مہاجر مکیؒ ترک وطن کر کے حجاز مقدس میں تشریف لائے اور یہاں بیت الحرام کے جوار رحمت میں رہ کر اطراف واکناف عالم میں فیض رسانی شروع کی۔ مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمۃ جو ہندوستان کے ہی ایک عظیم فرزند حضرت مولانا رحمت اللہؒ کے ایمانی جذبے اور

نورانی سعی کا ثمرہ ہے سو حضرت حاجی صاحب نے اپنا مسکن و مرکز بنایا اور حضرت بانی مدرسہؒ کی رحلت کے بعد اس کی سرپرستی بھی فرمانے لگے۔ بہر کیف اس طرح علماء دیوبند کی یہاں حاضری اور دنیا میں علماء دیوبند اور مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے تعارف کی طرح پڑ گئی۔(۵۹)

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کا درس مسجد نبویؐ میں :

یہاں تک کہ دیوبند کے ایک مایہ ناز فرزند جانشین شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد المدنیؒ نے ہندوستان سے یہاں تشریف لا کر مسجد نبویؐ میں قرآن و حدیث کا درس دینا شروع کیا، حدیث پڑھانے اور قال اللہ وقال رسول اللہ کہنے کی سعادت تو الحمد اللہ آج بھی بہت سے خوش نصیب بزرگان دین کو ملتی ہے لیکن قال صاحب ھذا الروضہ کہہ کر اور در رسولؐ پر بیٹھ کر حدیث شریف پڑھانے کا جو شرف و اعزاز حضرت مدنیؒ کو حاصل ہوا وہ کسی ہی کو نصیب ہو سکتا ہے۔ زہے نصیب 'اٹھارہ سال تک مسجد نبویؐ میں روضہ رسول کے سامنے حضرت مدنیؒ نے علوم قرآن حدیث کی تدریس فرمائی اور اس دوران برصغیر ہندو پاک کے علاوہ افغانستان، ترکی، سمرقند، تاشقند، بخارا، جاوا، سماٹرا، ہند چینی اور بہت عرب ممالک کے طلباء نے حضرت سے استفادہ کیا اور دیوبند کا فیض ان تک پہنچا۔ اور حضرتؒ کے یہ مستفیدین و متوسلین اور دیوبند کے بالواسطہ فیض یافتگان تک موجود ہیں۔(۶۰)

مدرسہ علوم شرعیہ مدینہ منورہ:

اور اسی پر اکتفاء نہیں بلکہ حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ کے حقیقی بھائی حضرت مولانا محمود احمد المدنیؒ نے

مسجد نبویؐ کے بالکل جوار میں ایک باضابطہ دینی درسگاہ مدرسۃ العلوم الشرعیۃ کے نام سے قائم کی اور حرم شریف کے باب الملک کے بالکل جوار میں اب تک موجود فیض رساں ہے اس کے بانی دیوبند ہی کے ایک تربیت یافتہ و مستخرج متبحر عالم تھے اس مدرسہ سے اب تک سینکڑوں علماء نے اکتساب علم وفضل کی سعادت حاصل کی جن میں سے سعودیہ میں اور بعض دوسرے ممالک میں مصروف خدمت ہیں اور اس کا وسیع کتبخانہ جو عظیم، ضخیم اور نایاب کتب پر مشتمل ہے آج تک علمی استفادہ کے لئے موجود ہے۔ (۶۱)

ایک عام نظر:

غرضیکہ براعظم ایشیاء کی اس عظیم بلکہ صحیح لفظوں میں اپنی نوعیت کی واحد بے مثال یونیورسٹی (دارالعلوم دیوبند) کا فیض ایشیاء کے علاوہ یورپ، افریقہ وغیرہ پوری ربع سکون پر پھیلا۔ روئے زمین پر انسانی آبادی کا شاید ہی کوئی ایسا حصہ وخطہ ہو جہاں بالواسطہ یا بلاواسطہ دیوبند کا فیض نہ پہنچا ہو اور ہندوستان میں جہالت کی دبیز تاریکیوں، شرک وبدعت کے گھٹاٹوپ اندھیروں اور غیر ملکی سامراج کے خلاف جہاد میں علمی وعملی میدان میں جو قربانیاں دیوبند نے پیش کی ہیں، اس کا تو ایک زمانہ شاہد ہے اور ان کا انکار یا انگشت نمائی تو سورج پر تھوکنے کے مترادف ہوگی، جس کا ارتکاب شاید کوئی احمق سے احمق اور انتہائی متعصب اور سر پھرا ہی کر سکے گا۔

دیوبند کا فیض عربی زبان میں:

یوں تو دیوبند نے عربی زبان وبیان کی جو ٹھوس اور وقیع خدمت کی ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے کتنے بلغاء، فصحاء اور شعراء دیوبند نے پیدا کئے اس سب کی تفصیل کے لئے تو ایک مستقل دفتر چاہیے، راقم صرف

چند نمونے اس کے پیش کرنا چاہتا ہے کی دیوبند کو علم خصوصاً خدمت حدیث سے عرب کس قدر مستفید ہو رہے ہیں اس سلسلے میں صرف چند ہی کتابوں کے نام پیش کرتا ہوں۔

۱۔ بذل المجھود فی حل سنن ابی داؤد جو حضرت العلامہ خلیل احمد سہارنپوریؒ کی دس سالہ محنت وعرق ریزیکا نتیجہ ہے۔ سنن ابی داؤد کی یہ عظیم و بے مثال شرح جو حال ہی میں قاہرہ مصر میں بیس بیس جلدوں میں ٹائپ پر چھپی ہے، خود عربوں کے لئے حیرت واستعجاب ہے۔

۲۔ اوجز المسالک الی موطاء امام مالک کی یہ اتنی ضخیم اور وقیع شرح جو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا سہارنپوریؒ کی تالیف ہے جو سولہ جلدوں میں بیروت سے چھپ رہی ہے۔

۳۔ لامع الداراری علی جامع البخاری جو شیخ الحدیثؒ کی تعلیقات کے ساتھ دس جلدوں میں قاہرہ میں چھپ رہی ہے۔

۴۔ معارف السنن فی شرح سنن ترمذی جو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف البنوریؒ کے علمی جواہر پاروں کا مجموعہ ہے دس ضخیم جلدوں میں مکمل ہو رہی ہے۔

یہ بطور نمونہ ان چند عظیم کتابوں کا ذکر ہے جس سے عرب دنیا بھی دیوبند کی خدمت حدیث وفیض رسانی سے مستفید ہو رہی ہے، ورنہ اس سلسلے کا احصاء تو بڑے طویل بیان اور وسیع فرصت کا متقاضی ہے۔

تحریک خلافت ترکیہ میں دارالعلوم کا کردار:

ترکوں کی جنگ میں مالی امداد کرنے کے لیے ایک جلسہ منعقد کیا گیا جس میں لوگوں سے پرزور اپیل کی گئی کہ وہ ترکوں کی مالی اعانت کریں کیوں کہ ترک مسلمان کے پیچھے ان مقامات کی عزت کے لیے اپنی جان ہار بیٹھے یہاں تک کہ ہزاروں تلف ہو گئے اتنا ہی کرو کہ تھوڑا تھوڑا روپیہ جمع کر کے ان یتیموں اور زخمیوں کی خبر لو۔ وہاں آدمیوں کی ضرورت نہیں ایک ترکی ایک ایک ہزار کے برابر ہے مگر بوجہ خدمت حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً و خبر گیری علماء و اصلاح و مساجد و دیگر مصارف کثیرہ البتہ روپیہ کی ضرورت ہے ایسے حادثات پر ملت کی بے حسی اور خاموشی افسوسناک ہے علاوہ ازیں سلطان روس بذات خود مع اپنے شاہزادوں کے در بدر روم کی لڑائی کے لیے چندہ مانگتے پھرتے ہیں کیا تمھیں اس خبر کو سن کر بھی غیرت نہیں آتی دور دور کے لوگ ترکوں کی ہمدردی اور دردمندی میں بیقرار ہیں مگر تم کو ہزاروں کے خون اور ہزاروں کے یتیم اور بیوہ ہو جانے کی بھی خبر پر غیرت نہیں۔ اے اللہ صبر و تحمل اتنے بڑے صدمہ پر نہ اف ہے نہ آہ ہے پر یوں سمجھ کر کہ کبھی دل میں سب کچھ ہوتا ہے پر کسی محرک کی ضرورت ہوتی ہے یہ عرض کرنا مناسب سمجھا اب ہم سب ہواخواہاں عام و خاص حاضرین جلسہ کی ہمت کے منتظر اور اس بات کے امیدوار ہیں کہ از جز تا کل اس امر خیر میں سب ہی اہل اسلام شریک ہوئیں گے، باقی اگر اس وجہ سے تامل ہے کہ مبادا سرکار انگریزی اس امر خیر سے ناخوش ہو اور اس سبب سے پھر لینے کے دینے پڑیں ،اس جنگ میں تو حکومت برطانیہ بھی مسلمانوں کی ہم نوا ہے، اول تو ہم جانتے ہیں کہ یہ خیال ان ہی صاحبوں کو ہوگا جن کو اصل حال کی خبر نہیں اور یہ قال انہیں لوگوں کا ہوگا جن کا دینے کو جی نہیں چاہتا دوسرے شہنشاہ روس اور سرکار انگریزی کی مخالفت بھی ایسی نہیں جسکو کوئی نہ جانتا ہو علیٰ ہذا القیاس سلطان روم خود اور ملکہ وسلطنۃ اور سرکار انگیریزی کا اتفاق اور اتحاد بھی ایسا نہیں جو عوام پر ظاہر نہ ہوں۔

اول تو روس کی آمد آمد ہندوستان پر شہرہ آفاق ہے جس سے یہ عیاں ہے کہ روس اور سرکار انگریزی

میں نہایت درجہ کی عداوت ہے دوسرے اخبارات انگریزی اور فارسی اس افسانہ سے مالا مال ہیں کہ سرکار انگریزی روم کی حامی ہے یہاں تک کہ اس لڑائی کے لئے لندن میں روس کا مقابلہ کرنے کو جنگی تیاریاں ہو رہی ہیں اور ان سب کو جانے دو تو دیکھو کہ ہندوستان میں جس قدر حکام عالی مقام کلکتہ اور بمبئی اور مدراس اور لاہور اور الہ آباد اور عظیم آباد اور پشاور وغیرہ میں رہتے ہیں اس قدر اور کسی مقام میں نہیں رہتے اگر فراہمی چندہ معلوم ناگوار خاطر سرکار انگلیشیہ ہوتی تو اس اعلان کے ساتھ کیوں ان مقامات مزکورہ میں ہزارہا روپیہ امدادی سلطان روم کے لئے فراہم کیا جاتا ہے یہ اثر صحبت سلطان روم اور اتحاد باہمی کا نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے اور کیوں نہ ہو، لندن اور ہندوستان کا راستہ مملکت روم میں ہو کر آتا ہے اگر باہم مخالفت ہوتی تو سرکار انگریزی باطمینان خاطر وہاں سے کیوں آسکتی علاوہ بریں حیدرآباد وغیرہ میں سرکار سے اجازت لیکر یہ کام کیا گیا بلکہ کلکتہ والوں سے بذریعہ اخبارات یہ اعلان ہوگیا کہ سرکار انگریزی کی طرف سے کوئی شخص اندیشہ مند نہ ہو بلکہ خود سرکار نے روس کو تباہ کر دیا ہے کہ پانچ لاکھ ہندوستانی مسلمان سلطان روم کی بے تنخواہ کی فوج ہے۔

اور بعض میموں نے لندن میں اشعار انگریزی اس مضمون کے لکھے ہیں کہ جن میں مسلمانان ہند کو مخاطب کر کے یہ لکھا ہے کہ تمہارے ان بزرگوں کی ہڈیاں جن سے تم کو افتخار ہے قبروں میں پڑی دیکھتی ہیں کہ اس واقعہ میں تم کیا کرتے ہو تم کیسے ان کی اولاد اور نام لیوا ہو تم کو غیرت نہیں آتی کہ مکہ معظمہ کی زیارت موقوف کراؤ گے القصہ سرکار کی طرف سے تو اجازت ہے اس پر بھی ہمت نہ کرو گے تو کسی کی زبردستی نہیں مگر یہ بھی یاد رہے کہ اس کا انجام دینا و آخرت میں بجز پشیمانی اور کچھ نہ ہوگا۔ (۶۳)

احسانات ربانی کا بدلہ دینے کی کوشش کیجئے:

خداوند قاضی الحاجات حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک سب کی حاجت روائی کرتا رہا بلکہ علاوہ

حاجت روائی تمہارے خوشنودی خاطر (کیلئے) کیسی کیسی لذتوں کی چیزیں بنائیں اوراس زمانہ سے لیکر آج تک کبھی دریغ نہ کیا سر سے لیکر پاؤں تک آنکھ، ناک ،کان وغیرہ ہزارون نعمتیں ایسی دے رکھی ہیں کہ نہ کسی دوکان پر مل سکیں ، نہ کسی کاریگر سے بن سکیں اور زمین سے لیکر آسمان تک پانی ، ہوا، سورج، چاندوغیرہ بلکہ خود زمین اورنباتات وغیرہ لاکھوں نعمتیں دے رکھی ہین کہ ضروری بھی حد سے زیادہ اور پھر ارزان بھی حد سے زیادہ اور کسی دوکان پر مل سکیں نہ کسی کاری گر سے بن سکیں غرض خداوندکریم نے اس زمانہ سے لیکر ایسے ایسے احسان کیے اور کئے چلا جاتا ہے اورتمہارا ہمارا حال یہ ہے کہ جان چرائے پھرتے ہیں نہ جان دے سکیں نہ مال دے سکیں۔

جب سے ہندوستان میں اسلام آیا اس روز سے لے کر کبھی اسلام کی تقویت یا حفاظت کا خرچ یا حرمین شریفین کی تعمیر یا حفاظت کا خرچ کسی مسلمان کے ذمہ نہیں پڑا ایک یہ خرچ آیا ہے سو اس میں یہ پہلو تہی ہے کچھ خدا سے حیا کرو کیا اس کے ان احسانات بے پایاں کا یہی بدلہ ہے کیا اس کے ان انعامات بیکراں کا یہی صلہ ہے اسی کے مال میں سے اسی کے کام میں دریغ اس سے زیادہ اور کیا بے حیائی ہوگی خدا کے نام میں بہانہ مت کرو ایسا نہ ہو خداوند عالم کسی بہانہ سے اپنے احسانوں میں دریغ کرنے لگے۔

روس کی کامیابی اور مجاہدین کی ناکامی کی صورت میں ملت کو کس خطرہ کا سامنا ہے اس وقت ضرورت میں اس مصرف سے بڑھ کر اور کوئی مصرف نہیں اگر خدانخواستہ روس فتح یاب ہوا تو پھر خاک پاک حرمین شریفین بھی بظاہر اس کے گھوڑوں کی پامال ہوتی نظر آتی ہے، اس صورت میں کیا صاحب تم، دین دار کے خیال میں یہ بات آسکتی ہے کہ اور کوئی مصرف اس مصرف سے زیادہ بہتر ہے تعمیر مساجد نہ ہوگی تو کیا ہوگا مسجدوں کی کون سی کمی ہے جو اور ضرورت ہے پہلے ہی ہزارون ویران پڑی ہیں اور اگر ضرورت سجدہ ہو بھی تو کہیں اس ضرورت کے ہم سنگ ہوگی کہ اندیشہ پامال خاک حرمین شریفین سر پر آلگا، سودوسو مسکین اگر نہ کھلائے گئے تو کیا ہوگا ایک وقت کے کھانے میں کیا زندگانی جاودانی میسر آتی ہے اور ایک وقت نہ کھائے

تو کیا کسی کو موت کھائے جاتی ہے اور اگر ضرورت ہو بھی تو کیا اس سے زیادہ اندیشہ مذکور جان گراں ہے اگر بالفرض بوجہ بھوک و پیاس کسی کی جان تلف بھی ہوگئی تو ایک مسلم تلف ہوگیا یا دس بیس سو پچاس تلف ہوگئے پر خدانخواستہ اگر روس غالب آ گیا تو یوں کہو چند روز میں اسلام روئے زمین سے اٹھ گیا اور یہ باتیں محض خالی معلوم ہوتی ہیں اور اس وجہ سے قابل اعتبار نہیں تو خود قرآن کو دیکھ لیجئے اس میں فرماتے ہیں۔
اجعلتم سقاية الحاج وعمارة المسجد الحرام الخ۔(۶۴)

دینی خدمات جہاد کے موقع پر کس خدمت کو اولیت اور اہمیت ہے:

ان آیات سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ تعمیر مساجد اور حجاج کو پانی پلانا جہاد کے برابر نہیں ہوسکتا ہے بلکہ جہاد مالی ہو یا جانی اس سے بڑھ کر ہے اب خیال فرمایئے خدا کے مکانوں کی خبر گیری اور خدمت گزاری کیوں کر برابر ہو سکتے ہیں اور جب مہمان بھی ہم سنگ نہیں تو ساکین تو کس شمار میں ہیں کیونکہ مہمان دار اور مسکینوں کی خبر گیری سے خدا کے نزدیک بھی افضل اور دنیا کے نزدیک بھی افضل مگر اور مہمانوں سے خدا کے مہمان یعنی حجاج افضل بسبب ان سے بھی یہ مصرف افضل ہوا تو اور کس شمار میں رہے علی ہذا القیاس تعمیر مسجد الحرام جب اس مصرف کے برابر نہ ہوا تو اور مساجد کا کیا ذکر ہے بہر حال عقل سے دیکھو یا نقل سے یہ مصرف سب مصرفوں سے افضل ہے خاص کر جب یہ لحاظ کیا جائے کہ شوکت اسلام اور مقابلہ حرمین شریفین اس زمانہ میں سلطنت روم کے ساتھ ہے اگر خدانخواستہ یہ سلطنت نہ ہوتی تو نہ اسکی شوکت رہے گی اور نہ حرمن شریفین کی عزت رہے گی تو پھر یہ امداد ہر عقل والے کو فرض معلوم ہوگی۔

اس لئے یہ گزارش ہے کہ اگر خدا کی مغفرت کے امیدوار اور اسکے حبیب کے شفاعت کے خواستگار ہو تو حرمین شریفین کے حفاظت میں جان نہیں مال ہی سے مدد کرو بالکل بے حیا نہ بنو کچھ تو شرم کرو، اوروں سے نہیں شرماتے تو خدا اور رسول ہی سے شرماؤ یوں ہاتھ سے مال جو ہاتھ کا میل ہے نہیں چھوٹتا تو ان ننھے منے

بچوں کی آہ وزاری پر رحم کرو جن کے باپ خدا کی راہ میں خاک وخون میں تڑپ تڑپ کر مر گئے ان بیویوں کی بے کسی ہی پر رحم کرو جن کے خاوندان کو تنہا چھوڑ کر خدا کی راہ میں اپنا مال وجان نثار کر گئے یوں بھی غیرت نہیں آتی تو یہی خیال کرو کہ ہزاروں غرباء نے باوجود افلاس اپنا پیٹ کاٹ کر تھوڑا تھوڑا کر کے ہزاروں روپیہ جمع کر دئے جن کی تفصیل ذیل میں درج ہے اور کچھ نہیں ہوسکتا تو زکواۃ ہی عنایت کرو ایسے مصارف میں زکواۃ بھی جائز ہے الغرض بہانوں کو جانے دو وقت ہمت ہے ٹالنے کا وقت نہیں، بلغان (ترک) اگر دنیاوی مقصد کے لئے بھی لڑ رہے ہوں تب بھی ان کا تعاون واجب ہے یہ کیا وہم ہے کہ وہ دنیا کے لئے لڑ رہے ہیں کیا تم کو ان کی نیتوں کی خبر ہوگئی ہے جو یہ بدگمانی ہے کیا بدگمانیوں کی ممانعت کی تم کو خبر نہیں اور اگر یہ بدگمانی فرض کرو صحیح بھی ہو تو کا ئی شجاعان ترک ہندو معماروں سے بھی گیے گزرے ہو گئے کہ اگر کوئی ہندو معمار مسجد بناتا ہے تو اس کی تنخواہ پر امید ثابت نہیں وہ اپنے پیٹ کیلئے کام کرتا ہے دنیا کیلئے مرتا کھپتا ہے مگر یوں سمجھ کر کہ آ کر ہماری ہی مسجد بناتا ہے کس خوشی کس امید پر اسکو روپیہ دیتے ہو۔ یہاں بھی اگر یہی سمجھ لو کیا بے جا شجاعان ترک اگر دنیا کیلئے مارتے ہیں تو کیا ہوا تمہارا ہی دین شر کفر سے محفوظ ہو جاتا ہے تمہارا ہی کعبہ قبلہ اور تمہارا ہی مدینہ منورہ اور تمہارا ہی نبی پاک شہ لولاک کا روضہ اطہر کی عزت وحرمت قائم رہتی ہے۔

باالجملہ ہمت نہ ہارو قلیل وکثیر جس قدر ہو سکے عطا کرو واللہ الموفق۔ (۶۵)

مالی اعانت:

چندہ کی اپیل کے بعد اس موقع پر جو چندہ ہوا اس کی تفصیل حسب ذیل ہے

فرد حساب جمع خرچ خرچ چندہ مخدومان عسا کر سلطانی

تین ہزار نو سو اٹھاسی روپیہ ساڑھے پندرہ آنہ 15 / 3988

از ساکنان قصبہ دیوبند سہارنپور   آٹھ سو چونسٹھ روپے تیرہ آنہ 13 / 864

مدرسان ومہتمان مدرسہ عربی دیوبند ایک سوتیرہ روپے بارہ آنہ 12/113

ازطلبہ مدرسہ عربی دیوبند ایک سوچوالیس روپے دآنہ 1/144

ازقصبہ نانوتہ ضلع سہارنپور معرفت جناب مولوی محمد قاسم صاحب پانچ سو روپے چودہ آنہ 14/565

از مظفر نگر (معرفت جناب مولوی محی الدین ،مولوی محمد منعم صاحبان) بارہ سوباسٹھ روپے پندرہ آنہ 15/1262

ازتھانہ بھون ضلع مظفرنگر (معرفت مولوی فتح محمد صاحب) ایک سوبارہ روپے پانچ آنہ 5/112

ازخاص سہارنپور (معرفت مولوی جمال الدین صاحب) تہتر روپے سات آنے 7/73

ازقصبہ منگو ضلع سہارنپور (معرفت حافظ نظیر احمد وقاضی عنائت علی صاحب) پینتالیس روپے ساڑھے پندرہ آنہ ساڑھے 15/45

ازاکبرالہ آباد (معرفت منشی عبدالرزاق) پچپن روپے آٹھ آنہ 8/55

ازموضع پھلاوہ ،لاوڈ ضلع میرٹھ (معرفت حافظ نذیر احمد وقاضی عنایت علی صاحب) پینتالیس روپے ساڑھے پندرہ آنے ساڑھے 15/45

ازقصبہ پورقاضی ضلع مظفرنگر (معرفت حکیم محمد اکبر صاحب) پینتالیس روپے ایک آنہ 1/45

ازمرروہہ ضلع مرادآباد (معرفت مولوی احمد حسن صاحب)

وازجمیر پور (معرفت منشی صادق علی صاحب) بیس روپے 20

ازنوراللہ خان صاحب رئیس میرٹھ پچیس روپے 25

ازشاملی ضلع مظفرنگر (معرفت حافظ محمد حسین صاحب) اٹھائیس روپے 28

ازجوالاپور ضلع سہارنپور (معرفت مولوی منظور احمد صاحب) چالیس روپے بارہ آنہ 12/40

از قصبہ گلاؤٹھی ضلع بلند شہر (معرفت منشی مہران علی صاحب) ایک سو بیس روپے پندرہ آنے 120/15

ازمولوی الٰہی خیر صاحب رئیس مارہر ضلع ایٹہ اڑتیس روپے ساڑھے تین آنہ ساڑھے 38/3

ازقصبہ انبہٹہ ضلع سہارنپور (معرفت مولوی صدیق علی وحافظ محمد علی صاحب) ایک سو پینسٹھ روپے چودہ آنے 165/14

از قصبہ ہاپوڑ ضلع میرٹھ (معرفت منشی الطاف علی صاحب) نوے روپے 90

از قصبہ راجو پور ضلع سہارنپور (معرفت منشی محمد اسماعیل صاحب) پینسٹھ روپے بارہ آنے 65/12

ازموضع گھوگھریکی ضلع سہارنپور بائیس روپے پانچ آنے 22/5

ازموضع دھن پور ضلع سہارنپور (معرفت خلیفہ بشیر احمد صاحب) گیارہ روپے 11

ازقصبہ ٹاہر ضلع شاہ جہان پور (معرفت مولوی عبدالحق صاحب) سات روپے 7

ازموضع پلڑہ ضلع سہارنپور (معرفت جبوں خان صاحب) چوہتر روپے ایک آنہ 74/1

ازراؤ امداد علی خان صاحب مالک کارخانہ شکرم سہارنپور چھیاسٹھ روپے بارہ آنہ 66/12

مجموعہ رقومات درج بالا تین ہزار نو سو اٹھاسی روپے 3988

تفصیل ارسال رقوم:

ارسال نقد بخدمت جناب شہبندر حسین حسیب صاحب بہادر مقیم بمبئی (تین ہزار نو سو چھیاسٹھ روپے 3966)

بتاریخ 29 ذی الحجہ 1293ھ (رسید از محرم الحرام 1294ھ) ایک ہزار دو سو روپے 1200

بتاریخ 29 محرم الحرام 1294ھ (مندرجہ مورخہ 16 صفر 1294ھ) دو سو روپے 200

بتاریخ 17 ربیع الثانی (مندرجہ رسید مورخہ) 5 جمادی الاولی 1294ھ نو سو پینتالیس روپے 945

بتاریخ 10 جمادی الاولی 1294ھ (مندرجہ رسید مورخہ یکم جمادی الثانی 1294ھ) آٹھ سو پچپن روپے 855

بتاریخ 23 جمادی لاولی 1294ھ (مندرجہ رسید مورخہ یکم جمادی الثانی 1294ھ) ساٹھ روپے بارہ آنہ 60/12

بتاریخ 25 جمادی الثانی 1294ھ (مندرجہ رسید مورخہ 2 رجب المرجب 1294ھ) آٹھ سو پینتیس روپے سات آنہ 835/7

بتاریخ 25 جمادی الثانی 1294ھ (مندرجہ رسید 2 رجب المرجب 1294ھ) چوہتر روپے ایک آنہ 74/1

خرچ متفرق بائیس روپے ساڑھے تین آنہ۔(٦٧)

دار العلوم کی طرف سے دیے گئے چندہ پر نمائندگان ترکیہ کے شکریہ کے خطوط:

رسید اول جناب فضل تاب حاجی محمد عابد صاحب و جناب مولوی محمد یعقوب صاحب ومولوی محمد قاسم صاحب ومولوی محمد رفیع الدین صاحب مہتممان مدرسہ عربی دیوبند سلمہم اللہ تعالیٰ

بعد سلام مسنون الاسلام

موضوع آنکہ مکتوب بہجت اسلوب آں حضرت مع مبلغ ایک ہزار صد روپیہ

نوٹ:

بنگالی کہ بہمراد ارساں آں بہ باب عالی برائے مجروحین وایتام دار اہل عسا کرہ منصورہ صرف شود مرسل بود موصول گردید حقیقتنا مساعی جمیلہ آں حضرات کہ بمقتضائے حمیت دینیہ بظہور آمدہ مستحق ممنونیت شکوریت ہست وبحول اللہ تعالیٰ مبلغ مذکور حسب خواہش بہ باب عالی تبلیغ میکنم درسیدی کہ آزاں حاجی رسید درعتب موصول آں حضرات خواہد شد ودر جواب ہم نشر خواہد گردید وہم چنیں ہر مبلغ کہ حسب تحریر ایشاں رسیدہ باشد انشاء اللہ تعالیٰ معالافتخار ودر تبلیغ آں دریغ نخواہد روا دارد زیادہ والسلام مورخہ ۱۰ محرم الحرام ۱۲۹۴ھ

حسین حسیب

سر شہبندر دولت عثمانیہ عالیہ در بمبئی

نقل رسید جناب کونسلر جنرل، دولت عثمانیہ

حسین حسیب آفندی بہادر

سفیر محترم، حضرت سلطان روم ترکی مقیم بمبئی)

پہلے خط اور رسید کا ترجمہ　　　　بادشاہی پرچم کا نشان

جناب فضائل مآب حاجی محمد عابد صاحب وجناب مولوی محمد یعقوب صاحب ومولوی محمد قاسم صاحب ومولوی محمد رفیع الدین صاحب مہتممان مدرسہ عربی دیوبند

بعد سلام مسنون واضح ہو کہ آپ صاحبان کا نفیس خط ایک ہزار دوسو روپے کے بنگالی نوٹ کے ساتھ ملا جس کے روانہ کرنے کا مقصد ہمارے باب عالی (عالم اسلام کے سیاسی مرکز اور خلیفہ ترکی کے دفتر) سے وابستہ زخمیوں یتیموں اور لشکر کے متعلقین خرچ ہے وصول ہوا حقیقت یہ کہ آپ سب کی کوششیں جو دینی حمیت کی وجہ سے ظہور میں آئی ہیں ممنونیت اور شکر کی مستحق ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے (میں) اس رقم کو آپ صاحبان کی خواہش کے مطابق باب عالی بھیجدوں گا اور وہ رسید جو باب عالی سے آئی گی ملتے ہی آپ صاحبان کو بھیجدی جائے گی اور الجوائب (ترکی حکومت کے سرکاری اخبار) میں بھی چھاپ دیا جائے گا اور اسی طرح ہر وہ رقم جو آپکی تحریرات کے مطابق ارسال کی جائے گی　انشاء اللہ تعالیٰ عزت واحترام کے ساتھ (وصول کی جائی گی اور) اس کی روانگی میں کوتاہی کو موقع نہیں دیا جائے گا۔

زیادہ کیا لکھوں۔

والسلام

حسین حسیب سرشہبندر دولت عثمانیہ　　　۱۱محرم الحرام ۱۲۹۴ھ

دوسرا خط اور رسید:

جناب فضائل مآب مولوی محمد قاسم صاحب ومولوی محمد یعقوب صاحب ومولوی محمد رفیع الدین صاحب ومحمد عابد صاحب۔ مہتممان مدرسہ عربی دیوبند سلمہم اللہ تعالیٰ

بعد سلام مسنون، مشہور باد کہ مبلغ دوصد روپیہ بابت اعانت عساکر قسط دوم کہ ارسال فرمودند موصول گردید، وروانہ کردہ شد خاطر شریف جمع دارند وانچہ از اظہار مہربانی ہا کہ بہ نسبت من فرمودہ اند گویا بلسان حال من اظہار بزرگی وشرف خود فرمودہ اند ایزد تعالیٰ توفیق خیر مزید گرداند۔

والسلام

سرشہبندر دولت عثمانیہ در بمبئی ۱۶ صفر ۱۲۹۴ھ

درسرے خط اور رسید کا ترجمہ:

جناب فضائل مآب مولوی محمد قاسم صاحب مولوی محمد یعقوب صاحب ومولوی محمد رفیع الدین صاحب ومحمد عابد صاحب مہتممان مدرسہ عربی دیوبند۔

سلام مسنون کے بعد واضح ہو کہ مبلغ دوسو روپے جو ترکی کی فوج کی مدد کیلئے بھیجا ہے مل گیا ہے اور (باب عالی) روانہ کردیا ہے اطمنان فرمائیں۔

اور جو کچھ کہ عنایت اور کلمات لطف میرے متعلق فرمائے ہیں وہ گویا میری زبان حال سے اپنی بزرگی اور شرافت ظاہر فرمائی ہے اللہ تعالیٰ خیر کی توفیق میں اضافہ فرمائے۔

والسلام

۱۴ صفر ۱۲۹۴ھ

کونسلر جنرل حکومت ترکی بمبئی

رسید صوم:

تیسرا خط اور رسید:

سر شہبندر دولت عالیہ عثمانیہ بمبئی۔

حضرات فضائل ماب جناب مولوی محمد قاسم صاحب و جناب۔ مولوی محمد رفیع الدین صاحب و جناب مولوی محمد یعقوب صاحب۔ جناب محمد عابد صاحب سلمہم اللہ تعالیٰ۔

رقیم کریم آں حضرات مع رقم نہ صد و چہل و پنج روپیہ نقد کہ مع معارف مرقومہ نہ صد و شصت و سہ روپیہ و یک آنہ میشود، موصول گردید و باعث خوشنودی باشد ایزد تعالیٰ فائز اجر جزیل و ذکر جمیل کناد و چنانچہ معلوم است رقم چہارہ صد روپیہ کہ او دو دفعہ کردہ فرستادہ بودند موصول دار الخلافہ شدہ بمجلس اعانت حربیہ سپرد شد چنانچہ تفصیل آں در اخبار دار الخلافہ در عدد بفد ہم مسطور شدہ و یقین کہ از ملاحظہ عالی گزشتہ باشد و ایں رقم و رقوم دیگر کہ از اطراف ہندوستان رسیدہ کہ بجملہ آں پنجاہ ہزار روپیہ زر شرعہ جناب معلی القاب نواب صاحب والی رام پور است عنقریب مرسل خواہد شد و رسید با رسیدہ خواہد شد خاطر جمع دراند۔

والسلام

۵ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۴ھ

حسین حبیب

سر شہبندر دولت عالیہ عثمانیہ در بمبئی

تیسرا خط اور رسید کا ترجمہ:

فضائل کی علامات جناب مولوی محمد قاسم حب و جناب مولوی محمد رفیع الدین صاحب و جناب مولوی محمد یعقوب صاحب و جناب حاجی محمد عابد صاحب۔

آپ صاحبان کا محترم عنایت نامہ نوسو پینتالیس روپے نقد جو لکھے ہوئے اخراجات شامل کر کے نوسو تریسٹھ روپے ایک آنہ ہوتے ہیں مل گئے اور خوشی کا سبب ہوئے اللہ تعالیٰ یہ رقم (دینے والوں کو) بہترین اجر پر فائز فرمائے اور ان کا بہترین ذکر فرمائے۔

جیسا کہ معلوم ہے کہ رقم چودہ سو روپے جو پہلے دو دفعہ کر کے روانہ کئے گئے تھے دارالخلافہ (باب عالی ترکی) میں پہنچ گئے اور جنگ کی مدد کرنے والی مجلس کے سپرد کر دیئے گئے جیسا کہ اس کی تفصیل دارالخلافہ کے اخبار کے سترہویں (۱۷) شمارہ میں لکھی گئی ہے اور یقین ہے کہ یہ اخبار اور تفصیل ملاحظہ سے گزری ہوگی اور یہ رقم بھی اور رقومات کے ساتھ جو ہندوستان کے مختلف حصوں سے پہنچی ہیں جس میں سے وہ پچاس ہزار روپے کی عنایت بھی ہے جو نواب صاحب رام کی طرف سے ہے عنقریب (دارالخلافہ) روانہ ہوگی اور ان کی رسیدیں رسیدوں کی ترتیب کے مطابق روانہ کی جائیں گی اطمینان فرمائیں۔

والسلام

۵ جمادی الاول ۱۲۹۴ھ

چوتھا خط اور رسید مرسلہ رقم:

جناب حمیت وفضیلت مآب مولوی محمد قاسم صاحب، مولوی محمد رفیع الدین صاحب، مولوی محمد یعقوب صاحب، ومولوی محمد عابد صاحب سلمہم المنان۔ مہتممان مدرسہ اسلامیہ عربی دیوبند۔

بعد سلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ موضوع خاطر باد کہ رقیم کریم مورخہ دہم شہر جمادی الاول ۱۲۹۴ھ مع یازدہ قطعات کرنسی نوٹ، تعدادی ہفت صد و پنجاہ و پنج روپیہ حسب تفصیل ذیل کہ از روئے حمیت دینی وہمدردی برادران اسلام برائے مجروحین وایتام عساکر نصرت مآثر حضرت ظل الٰہی مرسل بود، موصول گردید انشاءاللہ مبلغ مذکور مع الافتخار بتاریخ ۲۵ جون رواں بمحل مقصود ارسال خواہم داشت و رسید کہ از باب عالی می رسد در عقب فرستادہ خواہد شد از مہتممان و مدرسان مدرسہ اسلامی عربی دیوبند بتیس روپے بارہ آنہ ۳۲ ازطلبہ مدرسہ اسلامیہ عربی دیوبند ۲۱ روپے سوا چار آنے از ساکنان دیوبند دوسوانچاس روپے ساڑھے آٹھ آنے ۲۴۹ ازمظفرنگر تین سو پینتالیس روپے دو آنے ۳۴۵ ازاکبرآباد پچپن روپے از پھلاودہ ضلع میرٹھ پچیس روپے آٹھ آنے۔ تھانہ بھون ضلع مظفرنگر پچیس روپے تیرہ آنے

والسلام

المرقوم یکم جمادی الاخر ۱۲۹۴ھ مطابق ۱۳ جون ۱۸۷۷ء

حسین حسیب سرشہبندر دولت عالیہ عثمانیہ در بمبئی

چوتھے خط اور رسید کا ترجمہ:

حمیت وفضیلت مآب جناب مولوی محمد قاسم صاحب، ومولوی محمد رفیع الدین صاحب، ومولوی محمد یعقوب صاحب، ومولوی محمد عابد صاحب، مہتمان مدرسہ اسلامیہ عربی دیوبند۔

اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے بعد معلوم ہو کہ آپ صاحبان کا گرامی نامہ جو دس جمادی الاول ۱۲۹۴ھ (۲۴ مئی ۱۸۷۷ء) کا لکھا ہوا ہے گیارہ عدد کرنسی نوٹوں کے ساتھ جسکی مقدار ۷۷۵ روپے ہے درج ذیل تفصیل کے مطابق جو حضرت سایہ الٰہی (خلیفۃ المسلمین) کے لشکر کے زخمیوں اور یتیموں کے لئے حمیت دینی اور اسلامی بھائیوں کی ہمدردی ظاہر کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے، مل گیا ہے، انشاء اللہ تعالیٰ روانہ کی گئی یہ رقم اعزاز کے ساتھ (۲۵ جون ۱۸۷۷ء) (۱۲ جمادی الثانی ۱۲۹۴ھ) اسکی منزل مقصود کے لئے روانہ کردونگا اور وہ رسید جو باب عالی (آستانہ، ترکی) سے آئیگی، بعد میں بھیجی جائے گی۔

تفصیل

مہتمان مدرسہ اسلامیہ عربی دیوبند کی طرف سے بتیس روپے بارہ آنے -/32

مدرسہ اسلامیہ دیوبند کے طلباء کی جانب سے اکیس روپے ساڑھے چار آنے -/21

ساکنان دیوبند کی جانب سے دوسو انچاس روپے آٹھ آنے -/249

مظفر نگر سے تین سو پنتالیس روپے دو آنے -/345

اکبر آباد سے پچپن روپے -/55

پھلاودہ ضلع میرٹھ سے سینتیس روپے ساڑھے آٹھ آنے -/37

تھانہ بھون ضلع مظفر نگر سے بتیس روپے تیرہ آن 13-32

والسلام

مکتوبہ یکم جمادی الاخر ۱۲۹۴ھ ۱۳ جون ۱۸۷۷ء

پانچواں خط اور رسید مرسلہ رقم:

جناب حمیت باب امداد علی صاحب مالک کارخانہ شکرم سہارنپور۔

سلامت باشد

بعد سلام مسنون، موضوع آنکہ مرسلہ جناب یعنی رقم شصت وشش روپیہ دوازدہ آنہ کہ برائے مصارف یتیمان وبیوگان عساکر نصرت ماثر حضرت خلافت پناہی کہ از راہ جمیعت دینی مرسل بود موصول گردید انشاء اللہ العزیز مبلغ مذکور بتاریخ ۲۵ جون رواں عجل مقصود روانہ خواہد شد ورسیدے کہ از باب عالی می آید متعاقب فرستادہ شود۔

والسلام

المرقوم ۱۳ جون ۱۸۷۷ء

پانچواں خط اور رسید کا ترجمہ:

جناب حمیت ماب امداد علی خان صاحب مالک کارخانہ شکرم سہارنپور۔ بخیریت ہونگے۔

سلام مسنون کے بعد معلوم ہو کہ جناب کی بھیجی ہوئی رقم چھیاسٹھ روپے بارہ آنے جو خلیفۃ المسلمین کی فوجوں کے یتیموں اور بیواؤں کے خرچ کے لئے دینی یک جہتی کے خیال سے روانہ کی گئی تھی مل گئی ہے انشاء اللہ العزیز روانہ کی ہوئی یہ رقم ۲۵ جون کو اپنی منزل کے لئے روانہ ہوگی اور جو رسید باب عالی سے آئے گی بعد میں بھیج دی جائے گی۔

۱۳ جون ۱۸۷۷ء

چھٹا خط اور رسید رقم:

جناب فضائل مآب مولوی محمد قاسم صاحب ومولوی رفیع الدین صاحب ومولوی محمد یعقوب صاحب۔ حاجی محمد عابد صاحب۔ مہتمان مدرسہ اسلامیہ دیوبند واراکین انجمن تائید مجروحان وایتام دار اہل عساکر سلطانی سلمہم اللہ تعالیٰ۔

رقم ہشت صد روپیہ کہ ہفت صد و بست وپنجاہ روپیہ وہفت آنہ مرسلہ انجمن آں حضرات بود مع ہفت وچہار روپیہ ونہ آنہ مرسلہ جیون خانی صاحب موصول گردید وبطور سابق بہ باب عالی ارسال داشتہ خواہد شد تا در مصرف مذکور صرف کردہ آید ورسید جیون خانی صاحب علیحدہ حسب درخواست حضرات مصحوب ایں مکتوب فرشادہ شدہ ورسیدات قسط اول کہ عبارت از دوازدہ صد روپیہ ورقم دیگر دوصد روپیہ بود از باب عالی رسیدہ وبہ آں بزرگواران مع محفوظیت تانہ ذات جلالت سمات پناہی روانہ گردیدہ امید کہ دیدنش باعث سروریت خواہد شد، ایزد تقدس وتعالیٰ اجر جزیل مرحمت فرماید۔

والسلام فی ۲ رجب ۱۲۹۴ھ سر شہبندر دولت عالیہ عثمانیہ در بمبئی

چھٹے خط اور رسید کا ترجمہ:

جناب فضائل مآب مولوی محمد قاسم صاحب ومولوی محمد رفیع الدین صاحب ومولوی محمد یعقوب صاحب اور حاجی محمد عابد صاحب۔ مہتمان مدرسہ اسلامیہ دیوبند اور اراکین ، انجمن منور ضمیان دیتامی ، واہل لشکر (سلطان ترکی) رقم آٹھ سو روپے جس میں سات سو پچیس روپے سات آنہ آپ صاحبان کی انجمن کے روانہ ہوئے تھے مع چوہتر روپے نو آنے کے جو جیون خان صاحب کے بھیجے ہوئے تھے مل گئے ہیں اور پچھلی رقموں کی طرح باب عالی کو روانہ کردئے جائیں گے تاکہ مذکورہ مصرف میں خرچ کئے جائیں اور جیون خان صاحب کی رسید یہ خط لکھنے والے رفقاء کی گزارش کے مطابق علیحدہ روانہ ہوگی۔

اور پہلی قسط کی رقم بارہ سو روپے کی رسید اور دوسری رسید دو سو روپے کی تھی باب عالی سے آگئی ہے اور ان بزرگواران کو صدارت پناہ (صدر اعظم) کے والا نامہ کے ساتھ روانہ کی گئی ہے امید ہے کہ اس خط (اور رسید) کا دیکھنا خوشی کا سبب ہوگا زیادہ کیا لکھوں حق تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائے۔

والسلام ۲ ر جب ۱۲۹۴ھ (۱۴ جولائی ۱۸۷۷ء)

ساتواں خط اور رسید:

جناب حمیت مآب جیون خان صاحب سلامت باشند۔

رقم ہفتاد و چہار روپیہ و نہ آنہ کہ بہ معرفت حضرات فضائل مآب مہتممان مدرسہ اسلامیہ دیوبند مرسل بود موصول گردید خاطر شریف جمع دارند انشاء اللہ تعالیٰ مع الامنیۃ الشامہ بباب عالی فرشادہ خواہد شد تا بہ مجلس اعانت حربیہ میردہ آید و در مصرف مذکور صرف کردہ شود و رسید مبلغ مذکور چنیں کہ فی رسید فرستادہ خواہد شد۔

والسلام ۳ ر جب ۱۲۹۴ھ

ساتواں خط اور رسید کا ترجمہ:

حمیت مآب جناب جیون خان صاحب: بعافیت ہوں گے۔

رقم چوہتر روپے جو کہ مہتمان مدرسہ اسلامیہ دیوبند کی معرفت روانہ کی گئی تھی مل گئی اطمینان رکھیے۔ انشاء اللہ پوری دیانت کے ساتھ باب عالی کو روانہ کی جائے گی تا کہ مجلس مددگار جنگ کو ہدایت کردی جائے گی تا کہ مذکورہ (مقررہ) جگہ پر خرچ ہو اور اس رقم کی رسید جب پہنچے گی بھیج دی جائے گی۔

والسلام

۲ ر جب ۱۲۹۴ھ (۱۴ جولائی ۱۸۷۷ء

کونسلر جنرل حکومت عثمانیہ بمبئی حسین حسیب

وزیر اعظم خلافت عثمانیہ کا شکریہ کا خط:

واضح ہو کہ دفتر خاص باب عالی شاہنشاہ ظل الٰہی سلطان روم خلد اللہ ملکہ سے بھی رسیدات آئیں چونکہ وہ زبان ترکی میں ہیں انکا تلفظ اور تفہم دشوار ہے اس لئے انہیں نقل نہیں کیا مگر شکریہ وزیر اعظم روم سلطنت باب عالی سے بعبارت فارسی ضرور باعث افتخار ہندوستان ہے نقل کرتے ہیں شکریہ از جانب دستور معظم و صدر اعظم جناب ابراہیم ادہم صاحب بہادر لازال ظلہ وکرمہ جناب ہندوستان مدرسہ دیوبند ضلع سہارن پور فضیلت مابان صاحب۔

اعانت نقد رقم بجہت اولاد و عیال عساکر شاہانہ کہ در جنگ سربستان شربت شہادت نوشیدہ بوند پیش ازیں فراہم آوردہ ارسال فرمودہ بودید بتمامی واصل گردید برائے توزیع آں باب استحقاق بانجمن مخصوص تسلیم نمودہ شدوازیں ہمت فتوت مندانہ کہ مجرد از غیرت دینیہ و جمعیت اسلامیہ شما بوقوع آمدہ است ہمہ وکلائے دولت عالیہ عثمانیہ فرحناک گشتہ وعلی الخصوص بدرجہ کمال بادی خوشنودیت ایں مخلص بے ریا گردیدہ است۔ مبلغ مرسل علاوہ برآنکہ باضطراب محتاجین تخفیفے بہم رسایندہ کسا ازیں اعانت حصہ دار شدند بملاحظہ آنکہ ممالک بعید و ہندوستان برادران دینی ہستند کہ برحال پر ملال بچشم تاسف نگاہی می کنند و بر رحم ہائے کہ از دشمنان دین خوردہ ایم مرہم تسلیف می نہند اظہار مزید شکرانیت کردند و اشک رقت ریختہ حصہ خود شہا نرا گرافتند بنابریں از جناب رب مستقان کہ نصیر و یگانہ است التماس آں دارم کہ سعی جمیل شما عند اللہ مشکور گشتہ در دنیا و عقبی مظہر اجر جزیل باشد۔

والسلام

۹ جمادی الاول ۱۲۹۴ھ

عن دار الخلافۃ العالیہ العثمانیہ

وزیراعظم ابراہیم ادہم

ترجمہ: مکتوب وزیراعظم حکومت عثمانیہ (ابراہیم ادہم) ترکی کا شکریہ کا خط جناب مدرسین مدرسہ دیوبند ضلع سہارن پور کے نام۔

فاضلاں محترم نقد تعاون (اور امداد) کی رقم شاہی فوج کے ایسے جوانوں کی اولاد اور اہل خاندان کے لیے جنھوں نے سربستان کی جنگ میں شہادت کا جام پی لیا ہے اور اس سے پہلے بھی جو رقم اکٹھی کر کے روانہ فرمائی تھی سب پوری مل گئی ہے اور اس سخاوت نشان ہمت سے جو آپ صاحبان کی غیرت دینی اور حمیت اسلامی کی وجہ سے وجود میں آئی ہے عثمانی حکومت کے سب نمائندے بہت خوش ہوئے ہیں اور خاص طور سے مجھ مخلص کی انتہائی مسرت کا سبب ہوئی ہے روانہ کی گئی رقم اس کے علاوہ کہ اسے وصول کر کے ضرورت مندوں کو اپنی تکلیف اور نقصان میں (کسی قدر) کمی کا احساس ہوگا یہ بات مزید تشکر کا سبب ہے کہ دور دراز ملکوں اور ہندوستان میں ان کے دینی بھائی ہیں جو ہمارے خستہ حال سے غمگین ہیں اور ان زخمیوں پر جو ہم (عثمانی فوجیوں اور ان کے اہل وعیال خاندان) نے دین کے دشمنوں سے کھائے ہیں تسلی کا مرہم رکھتے ہیں اور اپنے آنسو بہاتے ہوئے اس خدمت میں اپنا حصہ لے رہے ہیں۔

اس وجہ سے رب تعالیٰ شانہ سے جو مدد فرمانے والا اور ظاہر کرنے والا ہے یہ التجا کرتا ہوں کہ آپ صاحبان کی یہ مبارک کوشش حق تعالیٰ کے یہاں مقبول ہو کر دنیا اور آخرت میں اجر عظیم کی صورت میں ظاہر ہو۔

والسلام

۹ جمادی الاول ۱۲۹۴ھ

دارالخلافۃ عالیہ عثمانیہ وزیراعظم ابراہیم ادہم

حقیقت اور خاتمہ کلام:

یہ تھے وہ مختصر دلگداز اسباب وعلل جن کی وجہ سے حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ اور آپ کے رفقاء کار نے فراست ایمانی اور دیدہ بصیرت سے اندازہ کرلیا کہ اگر ان نازک حالات میں مذہبی اور دینی طور پر مسلمانوں کی حفاظت وتربیت کا کوئی معقول اور خاطر خواہ، انتظام نہ کیا گیا اور قرآن وحدیث وفقہ وتاریخ اسلامی اور سلف صالحین کے اعلیٰ کارناموں اور اقدار سے ان کو باخبر نہ رکھا گیا تو سخت خطرہ ہے۔ کہ العیاذ باللہ مسلمان کہیں نصرانیت اور دیگر فتنوں کے دام ہمرنگ زمین ہی میں نہ الجھ جائیں جس جال کو بچھانے میں شاہان فرنگ اور پنڈتوں اور دیگر باطل پرستوں کے عزائم وساعی کوئی راز پنہاں نہ تھے، مسلمانوں کی اجتماعی شیرازہ بندی کو پراگندہ کرنے اور آئیندہ ان کو دینی ماحول اور دینی علوم وفنون سے بے بہرہ رکھنے کی جو کاوشیں اس ملک میں ہورہی تھیں ان تمام پریشانیوں کو سوچنے اور سمجھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت نانوتویؒ اور آپکے رفقاء کار کو بے قرار دل مرحمت فرمایا تھا جو مستقبل بعید کو اب تدبر وتفکر کے آئینہ میں حال کی طرح دیکھ رہے تھے اور متلاشیان حق کے ایک ایک فرد کو زبان حال سے پکار پکار کر یہ کہہ رہے تھے:

کھول کر آنکھیں میرے آئینہ گفتار میں   آنے والے دور کی دھندلی سی اک تصویر دیکھ (۷۰)

۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۷ء بروز جمعرات تاریخ کا وہ مبارک دن تھا جس میں پیغمبر خدا کی دی ہوئی امانت کا چشمہ علم سرزمین دیوبند سے پھوٹا اور رشد وہدایت کا پورا شجرہ طوبیٰ بن کر پھیلا جس کے لذیذ پھل سے دنیائے اسلام کی علم بھوک ختم ہوئی اور جس کی سرسبز وشاداب شاخوں کے نیچے جہالت وغفلت کی بادسموم میں جھلسنے والوں کو چین اور اطمینان نصیب ہوا اور اس صفاف چشمہ سے نہریں اور ندیاں پھوٹ پھوٹ کر نکلیں اور ایشیا بھر کے مردہ دلوں کو زندہ اور اجڑے ہوئے قلوب کو لہلہاتا ہوا چمن بنادیا۔ اس مبارک مدرسہ کے آغاز کی خبر جب بتانے والوں نے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کو مکہ مکرمہ میں بتائی اور یہ کہا کہ حضرت ہم نے دیوبند میں ایک مدرسہ قائم کیا ہے اس کے لیے دعا کی جائے تو حضرت حاجی صاحب

نے فرمایا ''سبحان اللہ آپ فرماتے ہیں، ہم نے مدرسہ قائم کیا ہے یہ خبر نہیں کہ کتنی پیشانیاں اوقات سحر میں سربسجود ہو کر گڑگڑاتی رہیں کہ خداوند ہندوستان میں بقائی اسلام اور تحفظ علم کا کوئی زریعہ قائم کر۔ یہ مدرسہ انھی سحر گاہی دعاؤں کا ثمرہ ہے۔'' بلاشبہ دارالعلوم دیوبند ہندوستان میں تحفظ اور بقائے اسلام کا ذریعہ ہے اور اس کی وجہ سے ہزاروں پیاسوں کو سیرابی نصیب ہوئی:

پینے میں آ گیا کہاں لپٹی ہیں اڑ کے مستیاں　　اتنی ہے تند مے یہاں مست ہوں اور پی نہیں

اس میں ذرہ برابر شبہ اور شک نہیں کہ دارالعلوم دیوبند اور اس کی دیگر سینکڑوں شاخوں سے قرآن وحدیث فقہ اور علم دین کی جو نشر و اشاعت ہوئی اس صدی کے اندر تمام جہاں میں اس کی نظیر تلاش کرنا بے سود ہے بلاشبہ قاہرہ یونیورسٹی صدیوں سے حکومت مصر کے زیر سایہ دین اور علم دین کی خدمت سرانجام دے رہی ہے، مگر صورت وسیرت، گفتار و کردار، ظاہر و باطن کے اعتبار سے علم وعمل کا جو نمونہ مادر علوم دارالعلوم دیوبند نے اور اس کی شاخوں نے قائم کی ہے وہ اس دور انحطاط میں کہیں نہیں مل سکتا۔ دارالعلوم دیوبند اور اس کی قائم کردہ دیگر شاخوں میں ہزاروں جید اور ربانی علماء کرام اور صوفیاء عظام پیدا ہوئے جن کی بدولت رب العزت نے لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کو توحید وسنت کا داعی وشیدائی بننے کا شرف عطا فرمایا اور علم ظاہری کے علاوہ جس طرح لوگوں کے دلوں کو ان سے صفائی اور روشنی نصیب ہوئی اور شرک وبدعت، حسد وتکبر اور اتباع ہوا سے جس طرح ان کو چھٹکارا حاصل ہوا۔ وہ کسی منصف مزاج اور ہوشمند مسلمان سے اوجھل نہیں ہے، ایک طرف تو ایک اس طرح کے قائم کردہ دینی مدارس، سے سینکڑوں ثقہ مدرس، بہترین مبلغ، عمدہ ترین مناظر، اعلی مصنف، نڈر مجاہد، بیباک سیاستدان اور محقق پروفیسر تیار ہوئے جو اپنے اپنے میدان میں سبقت لے گئے۔ اور دوسری طرف قرآن وسنت اور سلف صالحین کی واضح ہدایات کی صریح روشنی میں ایسے اہل سلوک، صاحب باطن، زاہد اور صوفی پیدا ہوئے جنہوں نے اپنی خداداد صلاحیت اور للٰہیت اور روحانیت سے لوگوں کے قلوب اور اذہان کو منور کیا، ان میں توحید وسنت کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ خدا خوفی اور فکر آخرت

پیدا کی، دنیا کی ناپائیداری اور بے ثباتی کا نقشہ ان کے دلوں میں نقش کیا آنے والی خبر اور حشر ونشر کی حقیقی زندگی کے حاصل کرنے کا سبق دیا جنت اور دوزخ کی ابدیت اور انکی حقوق کے علاوہ مخلوق کے باہمی حقوق کو محفوظ وملحوظ رکھنے کی شدت سے تلقین کی نفس امارہ اور شیطان کی پیروی سے لوگوں کو ڈرایا اور سلف صالحین کے صحیح دینی جذبات ان میں اجاگر کیئے الغرض دل کے اس چھوٹے سے ٹکڑے کے اخلاق ذمیمہ سے بچنے اور اوصاف فاضلہ سے متصف ہونے کے وہ گر بتلائے جو اس دور میں صرف انہی حضرات کا حصہ ہوسکتا ہے، دیوبند کیا اس روحانی تعلیم کا یو۔پی کے مشہور گریجویٹ اور شگفتہ نگار شاعر اکبر الہ آبادیؒ نے کس خوبی سے ذکر کیا ہے:

ہے دل روشن مثال دیوبند اور ندوہ ہے زبان ہوشمند
علی گڑھ کی بھی اہتم تشبیہ لو اک معزز پیٹ بس اس کو کہو(۱۷)

حواشی باب چہارم

۱۔ محمد طیب قاری، تاریخ دارالعلوم دیوبند، دیوبند مکتبہ قاسمیہ، ص ۱۱ تا ۱۲

۲۔ ایضا ص ۱۷ تا ۱۹

۳۔ محمد طیب قاری، تاریخ دارالعلوم دیوبند، دیوبند مکتبہ قاسمیہ، ص ۱۵۵ تا ۱۵۶

۴۔ محمد میاں سید، علمائے ہند کا شاندار ماضی، کراچی مکتبہ رشیدیہ ۱۹۸۶ء ص ۶۰۵

۵۔ محمد میاں سید، علمائے ہند کا شاندار ماضی، کراچی مکتبہ رشیدیہ، ج ۵ ص ۶۷

۶۔ محمد میاں سید، علمائے ہند کا شاندار ماضی، کراچی مکتبہ رشیدیہ، ۱۹۸۶ء ج ۵ ص ۶۹

۷۔ ایضا ج ۵ ۶۰ ص ۷۰

۸۔ تھانوی حکیم الامت اشرف علی، ارواح ثلاثہ ملتان، تالیفات اشرفیہ ۱۹۹۱ء ج ۵، ص ۷۲

۹۔ ارمغان مدرسہ، بحوالہ دارالعلوم نمبر ۳۳

۱۰۔ دارالعلوم نمبر ص ۱۹

۱۱۔ محمد میاں، علمائے ہند کا شاندار ماضی، کراچی مکتبہ رشیدیہ ۱۹۸۶ء ص ۴۸

۱۲۔ ایضا ج ۵، ۶ ص ۷۳

۱۳۔ محمد میاں سید، علمائے ہند کا شاندار ماضی، کراچی مکتبہ رشیدیہ ۱۹۸۶ء ج ۵، ۶ ص ۲۱۷

۱۴۔ قادری ایوب، محمد پروفیسر دارالعلوم دیوبند نمبر لاہور مکتبہ رشیدیہ ص ۴۹۰

۱۵۔ محمد میاں سید، علمائے ہند کا شاندار ماضی کراچی مکتبہ رشیدیہ ۱۹۸۶ء

۱۶۔ محمد طیب قاری، تاریخ دار العلوم دیوبند، دیوبند مکتبہ قاسمیہ ص۱۸۰

۱۷۔ ایضا ص۲۰۰

۱۸۔ ایضا

۱۹۔ محمد میاں سید، علمائے ہند کا شاندار ماضی کراچی مکتبہ رشیدیہ ص۲۲۱

۲۰۔ البقرہ/۱۰۹

۲۱۔ الشوریٰ/۳۸

۲۲۔ محمد طیب قاری تاریخ دار العلوم دیوبند۔ دیوبند مکتبہ قاسمیہ ص۳۰۰

۲۳۔ ایضا

۲۴۔ سوانح قاسمی

۲۵۔ ایضا

۲۶۔ ایضا

۲۷۔ محمد میاں سید، علمائے ہند کا شاندار ماضی کراچی مکتبہ رشیدیہ، ص۲۷۰

۲۸۔ ایضا

۲۹۔ ایضا

۳۰۔ ایضا

۳۱۔ محمد طیب، تاریخ دار العلوم دیوبند، دیوبند مکتبہ قاسمی ص۲۰۰

۳۲۔ ایضا

۳۳۔ ایضا

۳۴۔ محمد طیب قاری، تاریخ دار العلوم دیو بند، مکتبہ قاسمی ص ۲۰۰

۳۵۔ احمد سعید پروفیسر، قیام پاکستان میں علمائے دیو بند کا کردار، لاہور ادارہ اسلامیات ص ۹۰

۳۶۔ ایضا ص ۷۷

۳۷۔ ایضا ص ۸

۳۸۔ محمد طیب، قاری تاریخ دار العلوم دیو بند، دیو بند مکتبہ قاسمیہ، ص ۲۰۰

۳۹۔ انوار الحسن شیر کوٹی پروفیسر علمائے دیو بند ایک تاریخی جائزہ س۔ن ص ۷۰

۴۰۔ ایضا

۴۱۔ ایضا

۴۲۔ احمد سعید پروفیسر، قیام پاکستان میں علمائے دیو بند کا کردار، لاہور ادارہ اسلامیات

۴۳۔ محمد میاں سید، علمائے ہند کا شاندار ماضی کراچی مکتبہ رشیدیہ، ص ۲۷۰

۴۴۔ ایضا

۴۵۔ تھانوی حکیم الامت اشرف علی، ارواح ثلاثہ ج ۵، ص ۲۷ تالیفات اشرفیہ ملتان ۱۹۹۱ء

۴۶۔ تحسیس دار العلوم دیو بند دار العلوم ۱۹، علمائے ہند کا شاندار ماضی، ج ۵ ص ۶۷

۴۷ ایضا

۴۸۔ محمد طیب، قاری تاریخ دار العلوم دیو بند، دیو بند مکتبہ قاسمیہ ص ۲۰

۴۹۔ انوار الحسن شیر کوٹی پروفیسر علمائے دیو بند ایک تاریخی جائزہ س۔ن ص ۷۰

۵۰۔ ایضا

۵۱۔ انوارالحسن شیرکوٹی پروفیسر، علمائے دیوبند ایک تاریخی جائزہ، س ن۔ص ۷۰

۵۲۔ اصغرحسین حیات شیخ الہند، لاہور ادارہ اسلامیات ص ۴۰

۵۳۔ عثمانی محمد تقی، البلاغ کراچی ربیع الاول ۱۳۹۰ھ

۵۴۔ شروانی وکیل احمد، الصیانۃ مجلّہ شہریہ لاہور محرم ۱۴۰۲ھ

۵۵۔ اکبرشاہ بخاری، بیس بڑے مسلمان ملتان ادارہ تالیفات اشرفیہ ص ۶۰

۵۶۔ اکبرشاہ بخاری، تحریک پاکستان اور علمائے دیوبند کراچی ایچ ایم سعید ص ۹۷

۵۷۔ ایضا

۵۸۔ کشمیری انور مجلّہ الحسن، لاہور جمادی الاول ۱۴۰۳ھ

۵۹۔ ترمذی عبدالشکور، تذکرہ مدنی، لاہور مکتبہ الحسن ص ۸۰

۶۰۔ ایضا

۶۱۔ محمد طیب قاری، تاریخ دارالعلوم دیوبند دیوبند مکتبہ قاسمیہ ص ۲۰۰

۶۲۔ ایضا ۸۷

۶۳۔ ایضا ۲۰۵

۶۴۔ ایضا ۲۶۶

۶۵۔ محمد میاں سید، علمائے ہند کا شاندار ماضی، لاہور ادارہ اسلامیات ص ۸۷

۶۶۔ محمد طیب قاری، تاریخ دارالعلوم دیوبند، دیوبند مکتبہ قاسمیہ ص ۲۰

۶۷۔ ترمذی عبدالشکور، تذکرہ مدنی، لاہور مکتبہ الحسن ص ۸۰

۶۸۔ شروانی وکیل احمد، الصیانۃ مجلّہ شہریہ لاہور محرم ۱۴۰۲ھ

۶۹۔ ایضا

۷۰۔ محمد طیب قاری، تاریخ دارالعلوم دیوبند دیوبند مکتبہ قاسمیہ ص ۲۰۰

۷۱۔ ایضا ۲۱۷

☆☆☆☆☆

باب پنجم:

مولانا محمد قاسم نانوتوی کی خدمات تصوف

باب پنجم: مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی خدمات تصوف

حضرت کا بچپن ہی سے تصوف کی طرف میلان:

حضرت مولانو محمد قاسم نانوتویؒ بچپن ہی سے تصوف کی طرف مائل تھے۔انتہائی سادہ مزاج کے مالک تھے۔ساری ساری رات ذکر وعبادت اور تلاوت قرآن مجید میں مشغول رہتے۔مکان کی چھت پر ایک ٹوٹی پھوٹی سی چارپائی رکھی ہوتی تھی اس پر پڑے رہتے۔ایک وقت کی پکی ہوئی روٹی کئی کئی وقت تک کھاتے،کھیل کود ودیگر مشاغل میں اپنا وقت گزارنے کی بجائے اولیاء وعارفین کی مجالس میں شریک ہوتے ان کے مواعظ کوتوجہ ودھیان سے سنتے اوران پرعمل پیرا ہو جاتے (۱)

دنیا سے بے رغبتی:

حضرت مولانا محمود حسن صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے سارے بزرگ آفتاب وماہتاب تھے۔ایک سے ایک اعلیٰ وافضل تھا۔لیکن بہر حال جس کی قیام گاہ پر جاکر دیکھا ضروریات زندگی میں سے کچھ نہ کچھ سامان پایا۔حضرت گنگوہیؒ کے حجرہ میں بہر حال سامان مباح میں سے ضروریات تھیں۔حضرت حاجی امداداللہ صاحبؒ کے حجرہ میں بہر حال کچھ نہ کچھ اشیاء نظر پڑتی تھیں لیکن اس منقطع عن الخلق اورزاہد فی الدنیا ذات (حضرت قاسم العلوم) کے حجرے میں کچھ بھی تو نظر نہ آتا تھا۔چٹائی بھی اگرایک تھی تو ٹوٹی ہوئی،گویا عمر بھر کے لیے اسی ایک چٹائی کومنتخب کرلیا گیا تھا،نہ کوئی صندوق تھا نہ کبھی کپڑوں کی گھٹڑی بندھتی تھی۔سفر

میں جب یہ حضرات جاتے تھے تو مثلاً حضرت گنگوہی کے خادم خاص عبداللہ شاہ صندوق لیتے۔ کپڑے لگاتے سامان سفر مہیا ہوتا، اہتمام ہوتا لیکن یہاں کوئی اہتمام نہ تھا اگر ایک آدھ کپڑا ہوا تو کسی کے پاس رکھوا دیا ورنہ عموماً اسی ایک کپڑے میں سفر ہوتا جو حضر میں پہنے ہوتے تھے۔ البتہ ایک نیلی لنگی ساتھ رہتی تھی جب کپڑے زیادہ میلے ہو گئے تو لنگی باندھ کر کپڑے اتار لیئے اور خود ہی دھو لئے۔ اور وہ لباس بھی کیا تھا جو اتنی قلت کے ساتھ رہتا تھا بغیر کرتے کے بندوں دارا چکن اور پاجامہ، سردی ہوتی تو مختصر سا عمامہ ورنہ عموماً ایک کنٹوپ تمام سردی سر پر رہتا تھا۔ مدت العمر کسی کپڑے میں کبھی بٹن نہیں لگائے اور فرماتے تھے کہ یہ نصاریٰ کی علامت ہے بلکہ ہر جگہ بند استعمال فرماتے تھے۔ اپنے لیے کبھی کچھ نہ تھا اور سب کے لیے سب کچھ تھا اگر ان کے پاس کوئی دنیا ہی کی تلاش میں آتا تو وہ دنیا سے بھی محروم نہ جاتا تھا۔ بہت کچھ آتا مگر اس میں اپنے لیے کچھ نہ تھا بلکہ دوسروں کے لیے اور یہی فرمایا کہ دوسروں کا حق ہے (۲)

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے ایک بڑے مربی اور راہ سنت کے خاص رہنما حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلویؒ:

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ علم وکمال کے جن دریاؤں سے فیض یاب اور سیراب ہوئے اور فکر ومعرفت کے جن چشموں سے سرشار ہو کر خود ساقی علم اور قاسم العلوم کہے گئے۔ ان میں سے ایک بہت اہم بہت ہی ممتاز اور بہت نمایاں شخصیت حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلویؒ کی ہے اور اس حقیقت کا حضرت مولانا نانوتویؒ کے زمانہ سے برملا اعتراف کیا گیا ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کی حضرت مولانا مظفر حسین سے نیازمندی عقیدت وارادت اور حضرت مولانا سے استفادہ نیز حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کی زندگی پر حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کی صحبت وتربیت کے گہرے اثرات اور حضرت مولانا

کی تصوفانہ خدمات میں حضرت مولانا کی توجہات کے اثر کا حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی، سر سید احمد، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن اور مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے تذکرہ کیا ہے۔ مگر اس تذکرہ سے پہلے حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کا تعارف وتذکرہ ضروری ہے (۳)

رأس الاتقیاء حضرت مولانا مظفر حسین صاحب:

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب ۱۲۲۰ھ (۱۸۰۵) میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم خاندان کے علماء خصوصاً حضرت مفتی الٰہی بخش صاحب سے حاصل کی۔ غالباً متوسط یا ابتدائی اعلیٰ کتابوں کی تعلیم کے زمانہ سے دہلی بھیج دیئے گئے تھے۔ حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب کے مدرسہ میں قیام رہا۔ وہیں تعلیم حاصل کی شاہ محمد اسحٰق صاحب سے حدیث پڑھی اور شاہ صاحب کے بڑے بھائی شاہ محمد یعقوب صاحب سے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے اور اجازت وخلافت پائی۔ مولانا کے والد مولانا محمود بخش صاحب بھی اپنے عہد کے ممتاز اہل تقویٰ اور ان لوگوں میں سے تھے جن پر ناز کیا جاتا ہے۔ مولانا کا ایک واقعہ ہماری دینی ملی تاریخ کا ایک یادگار واقعہ اور اسی دستاویز بن گیا ہے جس کو حق وانصاف اور سچائی کی مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے اور حق یہ ہے کہ یہی ایک واقعہ بڑی سوانحات اور کتابوں پر بھاری ہے اس واقعہ کی افادیت کے پیش نظر اس کو یہاں پر پیش کیا جانا ضروری ہے۔ قصہ یہ ہے کہ قصبہ کاندھلہ کی پرانی جامع مسجد جو عہد محمد تغلق کی یادگار تھی۔ ۱۲۵۵ھ (۱۸۴۰) سے پہلے کسی وقت اچانک منہدم ہوگئی تھی جامع مسجد کے لیے بڑی اور کھلی جگہ کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی لیکن پرانی مسجد کے گرنے کے بعد جو ایسی جگہ پر تھی کہ وہاں کسی سمت میں بھی اضافہ نہیں ہوسکتا تھا اس لیے قصبہ کے ایک ذمہ دار شیخ محی الدین صاحب نے ارادہ کیا قدیم جامع مسجد کے شمال میں سڑک کے دوسری طرف ان کی جو زمین پڑی ہوتھی وہاں بڑی اور نئی مسجد تعمیر ہو، منصوبہ کے مطابق کام شروع ہوگیا، مگر اس جگہ کے جنوب مشرقی گوشہ میں کچھ حصہ اجاڑ اور پرانا پڑا ہوا تھا۔ کچھ مسلمانوں کا ارادہ ہوا کہ اس

جگہ کو بھی مسجد میں شامل کرلیا جائے، مگر یہ جگہ اصلاً ہندوؤں کی تھی، انہوں نے مزاحمت کی، انگریزی حکومت شروع ہوچکی تھی، مقدمہ انگریزی عدالت میں گیا، کلکٹر نے طرفین کی گواہیاں اور کاغذات طلب کیے، مگر طرفین کے کاغذی ثبوت ایسے پختہ نہیں تھے کہ ان پر صاف فیصلہ کیا جاسکے، اس کے لیے قصبہ کے ذمہ دار لوگوں کی گواہی اور بیان لینے چاہے اور اس میں دانش مندی یہ کی کہ ہندوؤں کے حق کے لیے مسلمانوں کی اور مسلمانوں کے دعویٰ کے لیے ہندوؤں کی گواہی کرانے کا ارادہ کیا۔ اس لیے پہلے مسلمانوں سے پوچھا کہ کوئی ہندو ایسا ہے جو اس ویران جگہ کے مسجد کی ملکیت ہونے کی گواہی دے اور ہندوؤں سے یہ کہا کہ تم کسی ایسے مسلمان کا نام بتاؤ سچائی سے کہہ دے کہ یہ جگی ہندوؤں کی ہے۔ مسلمانوں نے تو معذرت کی کہ ہمیں کسی ہندوؤ سے امید نہیں کہ وہ اس جگہ کے مسجد کی ملکیت ہونے کی گواہی دے گا لیکن ہندوؤں نے کہہ دیا کہ اگرچہ معاملہ مذہبی نوعیت کا ہے اور اس میں کسی مسلمان کا بولنا اور ہندوؤں کے حق میں گواہی دینا سخت مشکل اور خطرہ کا کام ہے مگر ایک مسلمان بزرگ ایسے ہیں کہ انہوں نے زندگی میں کبھی جھوٹ نہیں بولا، امید ہے کہ وہ اس معاملہ میں بھی جھوٹ نہیں بولیں گے، اور سچ بات کہ دیں گے۔ کلکٹر نے دریافت کیا تو انہوں نے مولانا محمود بخش کا نام بتایا، (جو حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کے والد ماجد تھے)۔

کلکٹر نے مولانا کو طلب کیا اور کہا کہ آپ آکر گواہی دیجیے اور بتلائیے کہ صحیح معاملہ کیا ہے مولانا نے جواب میں فرمایا کہ میں نے قسم کھا رکھی ہے کہ میں کسی انگریز کا منہ نہیں دیکھوں گا، اس لیے میں تمھارے پاس آنے اور گواہی دینے سے معذور ہوں کلکٹر کا دوبارہ پیام آیا کہ جب آپ گواہی کے لیے آئیں گے تو اس کا انتظام کیا جائے گا کہ کوئی انگریز یا میں آپ کے سامنے نہ ہوں اور چونکہ مقدمہ اہم اور نازک ہے اور آپ ہی کی گواہی پر اس کا فیصلہ ہونا ہے اور کہا جاتا ہے کہ انگریز نے یہ بھی لکھا تھا کہ قرآن پاک کا حکم ہے۔ "ولا تکتمو الشهادة و من يكتمها فانه اثم قلبه" (٤) اس وقت مولانا نے اپنے آنے کی منظوری دیدی۔ اور مقررہ وقت پر کلکٹر کے کیمپ پر تشریف لے گئے، کلکٹر اندر خیمہ میں بیٹھا تھا، مولانا کا باہر انتظام کیا گیا تھا تا

کہ آمنا سامنا نہ ہو، مقدمہ کے دونوں فریق ہندو اور مسلمان بڑی مقدار میں جمع تھے، کلکٹر نے مولانا صاحب سے اس جگہ کے بارے میں معلوم کیا گہ یہ جگہ کس کی ہے؟ مولانا نے صاف کہہ دیا کہ سچی بات یہ ہے کہ یہ جگہ ہندوؤں کی ہے اس پر مسلمانوں کا دعویٰ غلط ہے۔ کلکٹر نے مولانا کی اس گواہی پر مقدمہ کا فیصلہ کر دیا وہ جگہ ہندوؤں کو مل گئی۔ (۴)

حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کی امتیازی صفات:

اخلاص تقوی اور اعلیٰ درجہ کا اتباع سنت حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کی امتیازی صفات ہیں۔ جن میں مولانا کے دیکھنے اور جاننے والے علماء اور تذکرہ نگاروں کے بقول، مولانا کے دور میں بھی مولانا کی کوئی مثال نہیں تھی اور بعد کے دور کا تو کہنا ہی کیا ان کمالات کے ساتھ ساتھ سادگی، تواضع، مسکنت اور غریب بے یار و مددگار لوگوں کی خدمت وخبر گیری میں بھی بے مثال تھے۔ مولانا مظفر حسین صاحب کو بڑی مرجعت اور قبول عام حاصل تھا۔ ان کی خانقاہ میں اہل علم وکمال، اصحاب دولت وثروت اور عوام کا جمگھٹا رہتا تھا، جس میں قلعہ معلی دلی کے بہت سے شہزادے بھی تھے جو مولانا کے مریدین ومستفیدین میں شامل تھے اور حضرت مولانا کی زیارت کے لیے کاندھلہ آتے رہتے تھے۔ مولانا محمد حسین فقیر کے رسالہ ''منع حقہ'' میں ہے۔

لائے تھے مکہ سے تشریف ایک بار	میں ہوا حاضر تو دیکھا بے شمار
آئے حضرت کی زیارت کے لیے	اہل ایماں دور سے، نزدیک سے
کتنے شہزادہ بھی آئے دہلوی	اور تو سب کچھ مدارت ان کی تھی (۵)

حضرت مولانا کی ذات سے بہت ہی فیض ہوا، ہزاروں ہزار آدمیوں نے بیعت کی اور دین وشریعت کی راہ پر مستقیم ہوئے۔ حضرت مولانا کی صحبت کا کم سے کم اثر یہ تھا کہ جو بھی مولانا سے بیعت ہو جاتا تھا اس کی نماز کبھی قضاء نہیں ہوتی تھی اور مولانا کے متوسلین میں ایسے لوگوں کی خاصی تعداد بیان کی جاتی ہے

جن کی مولانا سے وابستگی کے بعد بیس پچیس سال تک کبھی تہجد بھی قضا نہیں ہوئی۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا مظفر حسین صاحب سے ابتدائی زمانہ طالب علمی ہی سے واقف تھے۔ بعد میں یہ عقیدت وتعلق بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ مولانا محمد قاسم اخلاص، فنائیت اور بے نفسی میں حضرت مولانا مظفر حسین کے رنگ میں بالکل رنگے گئے ویسے ہی سادگی، وہی معمولی لباس، وہی تواضع ومسکنت کا انداز، وہی دین کی خدمت کی لگن، وہی اخلاص ودردمندی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا بھی حال ومزاج بن گئی تھی جو حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کا ذوق ومزاج تھا۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کو مولانا کے فیض وصحبت اور حسن وتربیت سے جو ایک بہت بڑی دولت ونعمت حاصل ہوئی وہ اتباع سنت کا گہرا رچا ہوا ذوق اور پیروی رسول کا والہانہ بے نہایت جذبہ تھا جس کے سامنے ہر کیفیت ہیچ اور بڑی سے بڑی دولت حقیر و بے وقعت تھی۔(۶)

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے حضرت مولانا سے منجملہ اور کمالات کے اتباع سنت بطور خاص حاصل کیا۔ یہاں تک کہ جو لوگ مولانا قاسمؒ سے ابتدائی زمانہ طالب علمی سے واقف تھے وہ مولانا نانوتویؒ کی حضرت مولانا سے عقیدت ومحبت کو بھی جانتے تھے کہتے تھے ''مولانا مظفر حسین کے رنگ میں رنگے گئے ہیں'' سرسید احمد کی شہادت ہے کہ مولانا مظفر حسین صاحبؒ کی صحبت نے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو اتباع سنت پر بہت زیادہ راغب کردیا تھا۔(۷)

بدعات کو مٹانے کی تحریک: یہ قدرتی اور طبعی بات ہے کہ جس شخص کو اتباع سنت کا جس درجہ کا ذوق ہوگا۔ اس کو اس قدر احیاء سنت کی لگن ہوگی اور جس قدر احیاء سنت کی لگن ہوگی بدعات کو مٹانے اور اس کے خلاف جدوجہد کا جذبہ اس سے کہیں طاقت ور ہوگا یہ وہ قدر مشترک ہے جو تمام مصلحین ومجددین اور ''لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ'' کی دعوت دینے والوں میں مجموعی طور سے پائی جاتی ہے یہ ممکن ہی نہیں کہ اتباع سنت کا صحیح ذوق ہو اور بدعات سے نفرت نہ ہو، سنت کی لگن ہو اور مردہ سنتوں کو زندہ

کرنے کی لگن نہ ہو یہی تمام صفات حضرت مولانا کی ذات میں بدرجہ کمال پائی جاتی تھیں اور اب جب کہ ان کی وفات کو ایک سو چالیس سال ہو رہے ہیں اور ان کے دیکھنے والوں کو بھی دنیا سے گزرے ہوئے ستر پچھتر سال ہو رہے ہیں لیکن ان کے علاقے میں اب بھی ایسے اثرات موجود ہیں اور ایسے لوگ موجود ہیں کہ جن کے نورانی چہرے، سادگی، اخلاص، دین کی طلب واتباع سنت کا شوق دور سے بتا دیتا ہے کہ انہوں نے کسی بڑے صاحب ولی کو دیکھا ہے یا ان کے بڑوں نے کسی ایسے شخص کی صحبت اٹھائی ہے۔ الغرض مولانا نے بدعات کو مٹانے اور احیاءِ سنت کے لیے مختلف پہلوؤں سے مختلف میدانوں میں بھرپور اور طاقتور جدوجہد فرمائی ہے۔ (۸)

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی احیائے سنت کی تحریک: اسی زمانہ سے مولانا قاسمؒ نے بھی حضرت مولانا کی اس کوشش وجدوجہد کی پوری پوری پیروی فرمائی اور ہمیشہ احیاءِ سنت اور بدعات کے خلاف جدوجہد میں سرگرم رہے۔ خود بیواؤں سے نکاح کیا، اپنے خاندان کی بیواؤں کے نکاح کروائے۔ اس کا اثر علاقے میں پھیلا اور دور تک اس کے اثرات پہنچے۔ حضرت مولانا محمد یعقوب نے اس تاریخی حقیقت اور مولانا مظفر حسین کی خدمات وتربیت کے اثرات کا اس طرح اظہار فرمایا ہے۔ ''بیواؤں کے نکاح کی بنا اول حضرت مولانا مظفر حسینؒ سے ہوئی اور والد مرحوم (مولانا مملوک العلی) نے اس کا نہایت خوبصورتی سے اجراء فرمایا اور ان دونوں بزرگوں کے قدم قدم حضرت مولانا محمد قاسم نے اس کو پورا پورا شائع کیا۔ (۹)

حضرت جی صاحب سے بیعت:

مولانا حضرت حاجی صاحب سے نوعمری ہی سے واقف تھے کیونکہ حضرت حاجی صاحب کی ننہیال اسی خاندان میں تھی جو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کا خاندان تھا، اس رشتہ کی وجہ سے حضرت مولانا کا خاندان اور گھرانہ حضرت حاجی صاحب کا بھی گھر اور خاندان تھا۔ حضرت حاجی صاحب کا نانوتہ کثرت سے آنا جانا

رہتا تھا۔ حضرت مولانا محمد قاسم اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب (جو بچپن کے ہم جولی بھی تھے) اوائل عمر ہی سے حضرت حاجی صاحب سے مانوس تھے۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے ان دونوں کو کتابوں کی جلدیں بنانا اور جزبندی کرنا سکھایا تھا۔ اس تعارف اور ملاقات میں دوستی اور روابط کی جگہ عقیدت ومحبت کا عنصر زمانہ طالب علمی میں اس وقت شامل ہوا جب یہ دونوں صاحبان حضرت مولانا مملوک العلی سے تعلیم حاصل کرنے کے لیے دہلی گئے اور دونوں کا حضرت کے مکان محلّہ کوچہ چیلان دہلی میں قیام ہوا۔ حضرت مولانا مملوک العلی کے پاس طلبہ کی تعلیم وتربیت اور اسباق کی وجہ سے ایک لمحہ بھی فرصت کے لیے نہیں تھا تعلیم کے مشتاق طلبہ کو بعض اوقات حضرت مولانا سے ایک سبق پڑھنے کے لیے وقت لینے میں ہفتوں اور مہینوں گزر جاتے تھے اور حضرت مولانا کے پاس اتنا وقت بھی نہیں ہوتا تھا کہ ایک نئے سبق کی گنجائش نکال لیں، حالانکہ مولانا طلبہ کو مایوس لٹا دینا ایک طرح سے گناہ اور برا سمجھتے تھے مگر فرصت نہ ہونے کی وجہ سے مجبور ہو جاتے تھے۔ حضرت مولانا نانوتوی اور رشید احمد گنگوہیؒ بھی مولانا سے سلم العلوم کا سبق پڑھنا چاہتے تھے مگر مولانا وقت کے فقدان کی وجہ سے معذوری ظاہر کرتے بہر حال ان دونوں کے متواتر تقاضہ پر ہفتہ میں ایک سبق کے لیے گنجائش نکال لی گئی ایسے سبق کی محتاج بیان نہیں لیکن اگر حضرت حاجی صاحب مولانا مملوک العلی کے پاس آجاتے تھے تو ایسا عزیز اور قیمتی وقت بھی حضرت حاجی صاحب کے لیے وقف ہو جاتا تھا اس وقت میں جو اسباق طے ہوتے وہ سب ختم ہو جاتے اور مولانا فرمادیا کرتے۔ ''بھائی اب حاجی صاحب آگئے، اب سبق پھر ہوگا'' اگرچہ حضرت مولانا مملوک العلی صاحب حضرت حاجی صاحب کے والد سے بھی غالباً بڑے تھے اور حضرت حاجی صاحب حضرت مولانا سے تقریباً انتیس سال چھوٹے تھے اور اس زمانہ میں حضرت مولانا کا دہلی کے علمی حلقوں میں جو مقام تھا اور علم وکمال کے جس مرتبہ پر فائز تھے وہ علمی حیثیت سے حضرت حاجی صاحب کی ظاہری علمی لیاقت سے بہت بلند تھا مگر حضرت مولانا، حضرت حاجی صاحب سے اکرام واحترام کا جو معاملہ فرماتے وہ ایسا تھا جو اپنے بڑے بزرگوں یا زیادہ سے زیادہ عالی مرتبہ معاصرین کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

حضرت مولانا کی طرف سے حضرت حاجی صاحب کی اس قدر ومنزلت کی وجہ سے حضرت گنگوہیؒ اور حضرت مولانا قاسمؒ کو یہ فیصلہ کرنے میں غالبا دیر نہیں ہوئی کہ حضرت حاجی امداداللہ صاحب کا مقام ومرتبہ اس سے بلند وبالاتر ہے جو ابتک وہ سمجھتے تھے اسی خیال کی وجہ سے اب حاجی صاحب سے رشتہ داری اور کسی قدر دوستی کے تعلقات عقیدت ومحبت میں بدل گئے تھے۔ اس عقیدت ومحبت میں اضافہ ہوتا رہا اس دوران معرفت وسلوک میں حضرت حاجی صاحب کے بلند مقام اور ممتاز مشائخ سے حاجی صاحب کی اجازت وخلافت کا ذکر بھی آتا رہا ہوگا مگر دونوں صاحبان نے حضرت حاجی صاحب سے بیعت کا ارادہ نہیں کیا زمانہ طالب علمی کے اختتام تک حضرت نانوتویؒ اور حضرت گنگوہیؒ کو حضرت شاہ عبدالغنی مجددی سے بیعت ہونے کا ارادہ تھا مگر بیعت کا فیصلہ نہیں کر سکے تھے کہ دونوں صاحبان تعلیم مکمل کر کے وطن واپس پہنچ گئے۔ مگر اصلاح، تربیت باطن اور قلب کی صفائی کے لیے کسی خدارسیدہ اور کامل کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کا خیال تازہ رہا اسی دوران مولانا گنگوہیؒ نے گنگوہ میں درس تعلیم شروع فرمادی غالبا سبق میں ایک اختلافی بحث پر گفتگو ہوئی جو شیخ محمد تھانویؒ تک پہنچی۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت گنگوہیؒ، مولانا شیخ محمد سے بحث وتحقیق کے لئے گنگوہ سے تھانہ بھون آئے تھے مگر اس سے پہلے کہ مولانا شیخ محمد تھانویؒ سے ملاقات ہوتی حضرت حاجی صاحب کا نیاز حاصل ہوگیا۔ حضرت حاجی صاحب کو جب مقصد سفر کا علم ہوا تو اس بحث ومناظرہ سے منع کیا مولانا گنگوہیؒ نے مولانا شیخ محمد سے گفتگو کا خیال دل سے نکال دیا اور اسی ملاقات میں حضرت حاجی صاحب کے ہاتھ پر بیعت ہوگئے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی حضرت حاجی صاحب کے ہاتھ پر بیعت کی پر مسرت خبر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کو ملی تو آپ نے بھی حضرت حاجی صاحب کے دامن سے وابستہ ہونے کا ارادہ فرمالیا۔ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ اٹھارہ یا انیس سال کی عمر میں حضرت حاجی صاحب کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور راہ سلوک اختیار کی اس طرح ظاہری علوم کے علاوہ باطنی علوم اور تصوف وورع میں وہ مقام حاصل کیا جو ان کے زمانے میں انہی کے لئے واہب حقیقی نے مخصوص کر رکھا تھا جس کے ذریعے سینکڑوں حضرات کو روحانی فیض

بھی حاصل ہوا اور تزکیہ نفس کے وہ اعلیٰ مراتب بھی قادر مطلق نے انہی کی بدولت مرحمت فرمائے جو اس دور میں بہت کم کسی اور کو حاصل اور نصیب ہوئے ہوں گے سچ ہے کہ:

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ سے جو روحانی فیض رواں ہوا اس میں حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی تربیت و سرپرستی کا بھی بہت بڑا دخل ہے اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کے حالات بھی مختصراً ذکر کر دیئے جائیں۔

قطب الاقطاب حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ:

حضرت حاجی صاحب کی ولادت باسعادت ۲۲ صفر ۱۲۳۳ھ بروز شنبہ قصبہ نانوتہ ضلع سہارنپور میں ہوئی، والد ماجد نے اسم مبارک امداد حسین اور تاریخی نام ظفر احمد رکھا۔ حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰق دہلوی نواسہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے امداد اللہ لقب متعین فرمایا اور آپ اسی لقب سے مشہور ہوئے، آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی حافظ محمد امین ہے جن کا نسب شیخ شہاب الدین معروف بہ فرخ شاہ کابلی کے واسطہ سے امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطابؓ سے ملتا ہے آپ ابھی سات سال ہی کے تھے کہ والدہ ماجدہ کا انتقال ہوگیا بچپن ہی سے آپ کو کھیل کود کی طرف رغبت نہ تھی۔ بچپن میں قرآن مجید حفظ کرنے کی کوشش کی لیکن حفظ نہ کر سکے البتہ ۱۲۵۸ھ میں مکہ معظمہ میں چند روز میں حفظ کی تکمیل کر لی۔

ابتدائی فارسی کتب مولانا مملوک علی سے پڑھیں اسی زمانہ کے کچھ اساتذہ سے ابتدائی صرف و نحو بھی پڑھی۔ مولانا رحمت علی صاحب تھانویؒ سے شیخ عبدالحق دہلوی کی تکمیل الایمان پڑھی، خوش نویسی میر پنجہ کش سے سیکھی، ابھی علوم ظاہری کی تکمیل نہ ہوئی تھی کہ دل میں خدا طلبی کا شوق پیدا ہوا۔ تیرہ سال کی عمر میں مولانا نصیر الدین چراغ دہلوی سے بیعت ہوئے (جو شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کے شاگرد تھے)۔ چند

دن شیخ کی خدمت میں رہ کر خلافت حاصل کر لی، مشکوۃ شریف کا ایک ربع مولانا محمد قلندر محدث جلال آبادی سے پڑھا، فقہ اکبر مولانا عبدالرحیم نانوتویؒ سے پڑھی۔ حاجی صاحب نے روز مثنوی پڑھنے کا معمول بنایا اس دوران آپ نے خواب میں دیکھا کہ حضورؐ نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر میاں جی نور محمد کے سپرد کر دیا، حاجی صاحب نے میاں جی کو دیکھا نہیں تھا اس لیے ان کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ مولانا محمد قلندر محدث جلال آباد کی رہنمائی سے آپ میاں جی نور محمد تک پہنچے، ان کو دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ وہی خواب والے بزرگ ہیں، انہوں نے بغیر کوئی بات کہے سنے دریافت کیا کیا تم کو اپنے خواب پر پورا یقین ہے یہ پہلی کرامت میاں جی کی ظاہر ہوئی ایک مدت تک آپ کی خدمت میں رہے اور چاروں سلسلوں میں بیعت وخلافت سے سرفراز ہوئے۔(۱۰)

میاں جی نے ۱۲۵۹ھ میں وفات پائی اور حاجی صاحب انکی خانقاہ میں جلوہ افروز ہوئے۔ حاجی امداداللہ صاحب اگر چہ علم شریعت میں علامہ دوراں اور مشہور زمانہ مولوی نہ تھے لیکن علم لدنی سے آراستہ تھے اور نور عرفان وایقان سے سرتا پا پیراستہ شیخ وقت تھے جن کی وجہ سے قصبہ تھانہ بھون انوار و برکات وتجلیات الہی کا مظہر بنا ہوا تھا۔ بڑے بڑے علماء کا رجوع بیعت واصلاح کے لیے حضرت حاجی صاحب کی طرف ہو رہا تھا۔ اس چمنستان سے سراب ہونے والے افراد میں سے چند کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی قدس سرہ۔

حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہ۔

حضرت مولانا فیض الحسن صاحب سہارنپوریؒ۔

حضرت مولانا احمد حسن ڈسکوی پٹیالوی، مدرس اول، مدرسہ دارالعلوم کانپور۔

تحریک آزادی میں حضرت حاجی صاحب کا کردار:

مغلوں کے دارالحکومت کے زوال سے اور ہندوستان میں انگریزوں کے تسلط کے بعد ہی اہل درد علماء نے آزادی کی کوشش شروع کردی تھی چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ایک انقلابی جماعت کی داغ بیل ڈال دی جس کی آبیاری شاہ عبدالعزیز دہلوی، شاہ سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید نے کی۔ تحریک آزادی کا پہلا معرکہ ۲۴ ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ یا ۶ امئی ۱۸۳۱ کو بالاکوٹ کے مقام پر ہوا، اس معرکہ میں سینکڑوں علماء، حفاظ اور مشائخ شریک ہوئے اس معرکہ میں حاجی صاحب کے شیخ میاں جی نور محمد صاحب بھی شریک تھے اس معرکہ میں سید احمد شہید، شاہ اسماعیل شہید اور شاہ عبدالرحیم شہید ہوئے۔ (۱۱)

مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اس معرکہ کے بارہ میں تحریر مانے ہیں ''ہندوستان کی بہت بڑی بدقسمتی تھی کہ غداران وطن سکھوں نے نمک حرام کمپنی کا ساتھ دے کر آزادی وطن کی راہ میں روڑے کا کام کیا'' (۱۲)

بظاہر یہ تحریک ناکام ہوئی لیکن اہل درد علماء حضرات موقع اور وقت کے انتظار میں تھے کہ کب دوبارہ اس تحریک کو شروع کیا جائے چنانچہ ٹھیک ۲۶ سال کے بعد ۱۸۵۷ء میں جب مغلیہ خاندان کے آخری چشم و چراغ بہادر شاہ ظفر نے انگریزوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے ایک اعلان جاری کیا کہ انگریزوں کے خلاف جنگ جاری ہے اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذہبی رہنماؤں کے ذمہ لازم ہے کہ وہ اس سلسلے میں ہماری اعانت کریں، اس اعلان کی خوب تشہیر کی گئی اور اس کے بعد ہی ہر گھر میں تحریک آزادی کا جوش پیدا ہوگیا۔ جب دہلی کے اس انقلاب کی خبر تھانہ بھون پہنچی تو یہاں کے علماء کا ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا محمد یعقوب، مولانا رحمت اللہ کیرانوی اور حضرت حاجی صاحب کے اسماء گرامی خاص طور سے قابل ذکر ہیں اس اجلاس میں ایک باقاعدہ منظم پروگرام طے کیا گیا اور حسب ذیل افراد کو حسب ذیل ذمہ داریاں سونپی گئیں۔ حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کو امیر منتخب کیا گیا۔ مولانا قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، حافظ ضامن شہید اور مولانا منیر جیسے علماء اور اکابر کو فوج، حفاظت، فصل

خصومات اور عدل وقانون وغیرہ کے شعبے سپرد کیے گئے اور بادشاہ دہلی کو بھی اس جیسے نظام میں داخل ہونے اور نظم وضبط قائم کرنے کا مشورہ دینے کے لیے شبیر علی مراد آبادی کو دہلی بھیجا گیا۔ بہر حال مقامی یا علاقائی حیثیت میں آئین اور دستور کے مطابق حکومت کا ایک نظام زیر قیادت حاجی صاحب رمضان شریف کے فورا بعد مئی کے اواخر یا جون کے شروع میں تھانہ بھون میں قائم کیا گیا۔ لیکن کوئی اقدام اس وقت تک مناسب نہیں سمجھا گیا جبتک مرکز میں ایک صالح نظام وجود پزیر نہ ہو اور اس علاقائی نظام کا رابطہ اس مرکز صالح سے منسلک نہ ہو جائے۔ (۱۳)

۲ جولائی ۱۸۵۷ کو جنرل بخت علی خان منظم اور باضابطہ فوج لے کر دہلی پہنچ گئے، جنرل بخت نے نہ صرف فوج کو منظم کیا بلکہ نظام کو شریعت کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی اور علماء کا اجتماع جامع مسجد دہلی میں کیا جہاں سے جہاد کا فتوی صادر کیا گیا اس فتوی کے بعد تھانہ بھون میں بھی ایک اجتماع کیا گیا جس میں سب حضرات نے حضرت حاجی صاحب کے ہاتھ پر بیعت جہاد کی اور تیاری جہاد شروع کر دی گئی جہاں حاجی صاحب کو امام مقرر کیا گیا مولانا قاسم نانوتوی کو سپہ سالار افواج مقرر کیا گیا۔ مولانا رشید احمد گنگوہی کو قاضی بنایا گیا۔ مولانا محمد منیر اور حافظ ضامن صاحب میمنہ اور میسرہ کے آفیسر مقرر کیے گئے۔

مذکورہ بالا حضرات کے تقوی وراست بازی کا بہت شہرہ تھا اس لیے جلد ہی لوگوں کا اجتماع ہو گیا اور ایک معتد بہ جماعت ان کے ہمراہ ہوگئی اور تھانہ بھون میں اسلامی ریاست کا عملی قیام ہو گیا جس کو دارالاسلام کا نام دیا گیا۔ (۱۴)

اسی اثنا میں خبر آئی کہ ایک توپ خانہ سہارنپور سے شاملی بھیجا جا رہا ہے ایک پلٹن لا رہی ہے رات کو یہاں سے گزرے گی۔ فکر ہوئی کہ اس کا کیسے مقابلہ کیا جائے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ تیں چالیس افراد کو لے کر ایک باغ میں چھپ گئے جس کے پاس سے یہ توپ خانہ گزرنا تھا۔ جب وہاں سے یہ پلٹن گزری اچانک سب نے فائر کھول دیا۔ انگریز پسپا ہوئے توپ خانہ چھوڑ کر بھاگ گئے، مولانا رشید احمد نے

توپ لیکر حاجی امداداللہ صاحب مہاجر مکی کی خدمت میں پیش کردی اس سے لوگوں میں ان حضرات کی فراست کی دھاک بیٹھ گئی۔اس کے بعد طے پایا کہ شاملی پر چڑھائی کی جائے جوکہ تحصیل بھی تھی چنانچہ حملہ کیا گیا اور بعد از حملہ یہ تحصیل فتح ہوئی البتہ اس میں ایک عظیم نقصان یہ ہوا کہ حافظ ضامن صاحب شہید ہو گئے۔(۱۵)

۱۹ستمبر ۱۸۵۷ کو بہادر شاہ ظفر گرفتار ہوئے۔دہلی پر انگریز فوج کا قبضہ ہوگیا۔اس کے بعد اطراف میں انگریزوں نے حملے شروع کردئے اور آخر کار تھانہ بھون پر ۲۲ ہزار فوج حملہ آور ہوئی،مجاہدین نے دو گھنٹے تک دلیرانہ مقابلہ کیا جوتوپ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے انگریزوں سے چھینی تھی اسکو بھی کام میں لایا گیا اور اسلحہ کی کمی کے باوجود ڈٹ کر مقابلہ کیا گیا قصبہ کے گرد فصیل کے دروازے بند کردئے گئے لیکن افسوس کہ دو گھنٹے سے زائد مقابلہ جاری نہ رہ سکا،دشمن کی جدید توپوں کی گولہ باری نے فصیل توڑدی، دروازے اڑادیے اور مٹی کا تیل چھڑک کر گھروں کو آگ لگادی جو ملا اس کو تہہ تیغ کیا۔انگریزوں نے مال واسباب خوب لوٹا اور تھانہ بھون ایک اجڑا دیار بن گیا۔لیکن انگریز پھر بھی حضرت حاجی امداداللہ اور مولانا قاسم نانوتوی کو گرفتار نہ کرسکا یہ حضرات بچ کر نکلنے میں کامیاب ہوگئے اس معرکہ میں بہت سے مسلمان شہید ہوگئے جو بچ گئے کچھ روپوش ہوگئے اور کچھ ہجرت کر گئے۔ حضرت حاجی امداداللہ بھی مکہ مکرمہ ہجرت کر گئے ۔انگریزوں نے تھانہ بھون کو باغیوں کا مرکز قرار دے کر مسلمانوں کی تمام صحرائی وسکنائی جائیدادیں ضبط کرلی تھیں یہ حکومت برطانیہ کی طرف سے اس حقیقت پر مہر ثبت کرنے کے مترادف ہے کہ اس جہاد آزادی کے باغی اہل تھانہ بھون ہی تھے۔(۱۶)

ان حقائق سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ اہلیان تھانہ بھون خصوصاً میاں جی نور محمد کے خلفاء ومجاہدین نے مسلمانوں کی نہ صرف دینی رہنمائی فرمائی بلکہ وقت پڑنے پر سیاسی رہنمائی بھی فرمائی اور مجاہدانہ انداز میں سرفروشانہ لڑتے ہوئے اسلام کے جھنڈے کو بلند رکھا۔مختصر یہ کہ حضرت حاجی

صاحب غیبی امداد خداوندی کے زیر سایہ حجاز مقدس پہنچے اور وہاں پہنچ کر زہد وتقوی، ریاضت ومجاہدہ اور توکل علی اللہ کی وہ مثال قائم کی کہ عہد صحابہ کی یاد تازہ ہوگئی،

۱۸۵۷ء کی تحریک کی ناکامی کے بعد آپ نے حجاز میں بیٹھ کر ہندوستانی تحریکات کی قیادت کی آپ کے رفقاء کار میں سے مولانا قاسم نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد مظہر ہندوستان ہی میں تھے انہوں نے اس تحریک کی نشاۃ ثانیہ کے لیے دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارنپور، جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد قائم کر لیے۔ بانیان مدارس کے دلوں میں انگریز کی طرف سے نفرت کا جذبہ موجزن تھا اسی وجہ سے ۱۲۸۳ھ ۱۸۶۶ء سے لے کر ۱۹۴۷ء تک دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور کے اکابرین ہر دور میں انگریزوں سے نبرد آزما نظر آئے ہیں کبھی خلافت مومنٹ، کبھی تحریک ریشمی رومال، اور پھر آخر کار تحریک پاکستان میں مولانا اشرف علی تھانوی خلیفہ اجل حاجی امداداللہ اہم کردار ادا کرتے رہے جس کے نتیجے میں آزاد مملکت پاکستان کا قیام عمل میں آتا ہے (۱۷)

دنیا کی عظیم ترین خانقاہ دارالعلوم دیوبند:

دنیا کا کوئی کام بغیر کسی سبب، داعیہ اور محرک کے معرض وجود اور منصۂ شہود پر نہیں آتا، ہم جب ٹھنڈے دل کے ساتھ ہندوستان کی تاریخ پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں کم وبیش ایک ہزار سال تک مسلمانوں کی حکومت اور دور اقتدار نظر آتا ہے جس میں نہایت فراخدلی سے ہر فرقہ اور ہر مذہب کو اپنی مذہبی رسومات بجالانے کی آزادی تھی جب گردش زمانہ سے سلطنت مغلیہ کا ٹمٹماتا ہوا چراغ گل ہوگیا اور اپنوں کی بداعمالیوں کی وجہ سے ظالم اور جابر برطانیہ قہر الٰہی کی صورت میں ہندوستان پر نمودار ہوا تو اس کے مقابلہ کے لیے ہندوستان کی دیگر اقوام عموماً اور مسلمان خصوصاً میدان میں نکلے اور عملی طور پر اس کے خلاف جہاد کیا جس کو انگریز کے منحوس دور میں نمک خوران برطانیہ غدر ۱۸۵۷ کے ساتھ تعبیر کرتے رہے ہیں اس جہاد میں کون

کونسے حضرات شریک تھے اور کس کس مقام پر لڑے؟ اور ہر مقام پر اس کا کیا کیا نتیجہ برآمد ہوا یہ اور اس قسم کے کئی اور دیگر امور ہمارے حیطہ امکان سے باہر ہونے کے علاوہ ہمارے موضوع سے خارج ہیں ہمیں تو اثبات مدعیٰ کے لیے بانی دارالعلوم دیوبند اور ان کے چیدہ چیدہ بعض اصحاب کا تذکرہ کرنا ہے کہ انہوں نے کس حد تک انگریز کے خلاف جہاد کیا؟ اور انگریز نے ان کے خلاف کیا رائے قائم کی اور اس وقت انگریز کے اہل ہند اور خصوصاً مسلمانوں کے خلاف کیا عزائم تھے اور وہ ہندوستان میں کیا دیکھنا اور کیا کرنا چاہتا تھا اور کس حد تک وہ کر چکا ہے جب ہم تاریخ کے اس موڑ پر آتے ہیں اور تاریخ کے اوراق میں وہ دلگداز واقعات پڑھتے ہیں اور دیکھتے ہیں تو ہماری آنکھیں پرنم ہو جاتی ہیں۔ ہاتھ میں قلم لرزتا ہے دل سیماب کی طرح بیقرار ہو جاتا ہے۔ سانس رکنے لگتا ہے اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جاتا ہے تمام واقعات تو تاریخ میں پڑھیے ہم مشتے نمونہ از خروارے چند حقائق کی طرف اشارہ کر دیتے ہیں۔

جہاد شاملی:

اھل ہند جب انگریز کے مظالم کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور جب اس کے خلاف لڑتے ہوئے لاکھوں جانیں جاتی رہیں اور ہزاروں مسلمان شہید ہوئے اور تیرہ ہزار سے زائد جید علمائے کرام کو تختہ دار پر چڑھایا گیا اور پھانسی پر لٹکایا گیا اس وقت میدان کارزار کے پاس شاید ہی کوئی درخت ایسا ہو گا جس پر مظلوم ہندوستانیوں اور شہید مسلمانوں کی لاشیں نہ لٹکتی ہوں اور ظالم انگریز کے کارندے ان کو دیکھ کر خوش نہ ہوئے ہوں اس دور میں حضرت حاجی امداد اللہ کی قیادت میں تھانہ بھون سے مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا لشکر روانہ ہوا شاملی کی گڑھی کی طرف جو انگریز کے کارندوں اور اس کی افواج کا ایک مضبوط قلعہ تھا اس لشکر میں حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت حافظ ضامن صاحبؒ شہید خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ آپ سمجھتے ہیں کہ کہاں جابر اور ظالم برطانیہ جو ملک پر برسر اقتدار تھا اور کہاں نہتے اور بے

سروسامان مجاہد مگران بہادروں اور دلیروں نے اور ان میں خصوصیت کے ساتھ حضرت نانوتویؒ نے اپنی شجاعت کے خداداد جوہر اس جہاد شاملی میں دکھائے بالآخران حضرات کوشکست ہوئی کچھ حضرات تو زخمی ہوئے اور حافظ ضامن صاحب شہید ہو گئے الغرض مقابلہ خوب ہوا اور بعض دیو پیکر فوجیوں کو جن میں ایک سکھ بھی تھا جسکو حضرت نانوتویؒ نے تلوار سے کاٹ کر مولی کی طرح دو ٹکڑے کر دیا تھا۔جہنم رسید کیا گیا اور غالباً ایسے ہی موقع کے لیے کہا گیا ہے۔

شکست و فتح نصیبوں سے ولی اے میر　　　مقابلہ تو دلے ناتواں نے خوب کیا

وارنٹ گرفتاری:

جب انگریزوں کوعلم ہوا کہ حضرت حاجی صاحب ،حضرت رشید احمد گنگوہی صاحب اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ جو اپنے زمانہ کے نامور صوفی اور عالم تھے ہمارے خلاف جہاد میں شریک ہوتے ہیں تو ان تینوں کو وارنٹ گرفتاری جاری کیے گئے۔چنانچہ حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی لکھتے ہیں کہ ''ان حضرات کے نام چونکہ تجویز ہو چکا تھا اس لیے لوگ تلاش میں ساعی اور حراست کے لیے تگ ودو میں پھرتے رہے ''انگریز کے ایسے ظالم حکم سے بچنے کے لیے کچھ دن تو یہ حضرات احباب کے شدید اصرار پر روپوش رہے پھر نکل آئے جب لاکھوں انسانوں پر برطانیہ ظلم کر چکا تو بیرونی دنیا کی مزید بدنامی سے بچنے کے لئے اور اہل ہند پر اپنا فرعونی احسان جتلانے کی خاطر کچھ عرصہ بعد وارنٹ گرفتاری اور دیگر کئی سخت احکام واپس لے لئے گئے اس طرح ان مظلوموں کی ظالم کے ہاتھ سے گوخلاصی ہوئی اس جہاد اور ہنگامہ میں اہل ہند اس قدر حق بجانب تھے کہ خود ظالم انگریز اس کا اقرار کیے بغیر نہ رہ سکے چنانچہ مسٹر لیکی اس ہنگامہ کے بارے میں اپنا خیال ظاہر کرتا ہے کہ ''اگر دنیا میں کوئی بغاوت حق بجانب کہی جاسکتی ہے تو وہ ہندوستان کے ہندو مسلمان کی بغاوت تھی۔'' (۱۸)

اس ہنگامہ میں انگریز نے مسلمانوں سے کیا سلوک کیا اس کا نمونہ بھی دیکھے جائے۔ مسٹر رسل کا یہ مقولہ ہے کہ ''مسلمانوں کو خنزیر کی کھالوں میں سی دیا گیا اور قتل کرنے سے قبل خنزیر کی چربی ان کے بدن پر مل گئی اور پھر انہیں جلا دیا گیا۔'' ملاحظہ کیجیے کہ ظالم برطانیہ نے کس قدر سفاکانہ اور حیا سوز حرکتیں مسلمانوں پہ روا رکھیں اور کس قدر ان کے بیگناہ خون سے ہولی کھیلی گئی مگر با ایں ہمہ مسلمان مردانہ وار اس ظالم کے سامنے ایمان سے بھرپور سینے تان کر پیش ہوتے رہے اور زبان حال سے یوں خطاب کرتے تھے کہ:

فضول قتل کی دیتا ہے دھمکیاں صیاد　　گئے وہ دن کہ ہمیں زندگی کی حسرت تھی

عزائم برطانیہ:

انگریز کو جب ہندوستان پر سیاسی اقتدار حاصل ہو گیا تو شیخ چلی کی طرح اس کے دل میں خفیہ اور پنہاں آرزوئیں اور ارادے زبان اور قلم کی نوک سے بھی ظاہر ہونے لگے۔ گورنر ہند لارڈ امین برا نے ۱۸۴۳ میں ڈیوک آف ولنگڈن کو لکھا ہے کہ میں اس عقیدہ سے چشم پوشی نہیں کر سکتا کہ مسلمانوں کی قوم اصولاً ہماری دشمن ہے اس لیے ہماری حقیقی پالیسی یہ ہے کہ ہم ہندوؤں کی رضا جوئی رہیں۔'' انڈیا کی سپریم کونسل کے باوقار رکن سر چارلس ٹربلیوین جو حکومت کی طرف سے گورنری کے بلند عہدہ پر جائز تھا پورے وثوق سے یہ کہتے ہوئے کہ یہ میرا یقین ہے کہ یہ امیدیں قائم کیے ہوئے تھا کہ جس طرح ہمارے بزرگ کل کے کل عیسائی ہو گئے تھے، اس طرح یہاں ہندوستان میں کئی ایک ساتھ عیسائی ہو جائیں گے۔ (۱۹)

برطانیہ کی پارلیمنٹ کے ممبر مسٹر یفلس نے آغاز ۱۸۵۷ء میں پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے یہ کہا کہ ''خدا تعالیٰ نے ہمیں یہ دن دکھایا ہے کہ ہندوستان کی سلطنت انگلستان کے زیر نگین ہے تاکہ عیسیٰؑ کا جھنڈا ایک سرے سے دوسرے سرے تک لہرائے، ہر شخص کو اپنی تمام تر کوشش تمام ہندوستان کو عیسائی بنانے کے عظیم الشان کام کی تکمیل میں صرف کرنی چاہیے اور اس میں تساہل نہ کرنا چاہیے۔ (۲۰) لارڈ برائس نے

کہا کہ ''ان بدمعاش مسلمانوں کو بتادینا چاہیے کہ خدا کے حکم سے صرف انگریز ہی ہندوستان پر حکومت کریں گے۔(۲۲) اس نازک دور اور نامساعد حالات میں علماء دیوبند نے جس طرح ہمت واستقلال کا ثبوت دیا ہے اس میں ان کا کوئی شریک نہیں ہوسکتا۔ آخر بتائیے کہ اس وقت تمام گمراہ کن تحریکوں کا کس نے مقابلہ کیا؟ ظالم برطانیہ کے فولادی پنجہ سے کس نے جان عزیز کو ہتھیلی میں رکھ جہاد ۱۸۵۷ء میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا؟ آریوں اور پادریوں کا کس نے تعاقب کیا۔ انکی تردید میں کس نے کتابیں اور رسالے لکھے۔ تقریروں کے ذریعہ سے اسلام کی حقانیت واضح کرتے ہوئے ان باطل فرقوں کے مکائد اور وسیہ کاریوں سے مسلمانوں کو کس نے آگاہ کیا اور اس ہنگامہ میں کس طبقہ کے علماء کے ساتھ انتہائی بیہمانہ سلوک کیا گیا؟ اور ملک عزیز سے جلاوطنی کی وحشیانہ سزائیں کس طبقہ کی اکثریت کو دی گئیں اور تختہ دار پر لٹکنے کے لیے زبان حال سے یہ کہتے ہوئے کس نے خوشیاں منائیں کہ:

فنا فی اللہ کی تہ میں بقا کا راز مظمر ہے　　　جسے مرنا نہیں آتا اسے جینا نہیں آتا

برطانیہ کا ایک دور ایسا بھی گزرا ہے کہ جن کا یہ دعوی تھا کہ ہماری حکومت میں سورج غروب نہیں ہوتا اگر ایک جگہ غروب ہوتا ہے تو دوسری جگہ طلوع ہوتو ہے اور برطانیہ کے مغرور وزیراعظم مسٹر گلیڈن سٹون نے یہ کہا تھا کہ اگر آسمان بھی ہمارے سروں پر گرنا چاہیے تو ہم اسے سینگوں پر تھام سکتے ہیں (معاذ اللہ) اس دور میں بھی علماء دیوبند نے اس ظالم برطانیہ کے خلاف صدائے حق بلند کی اور اس سے نبرد آزما ہوئے چنانچہ یو۔پی کے گورنر سر جیمس امنسٹن نے اسیر مالٹا حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی کے بارے میں لکھا ہے کہ ''اگر اس شخص کو جلا کر راکھ بھی کردیا جائے تو وہ بھی اس کوچہ سے نہیں اڑے گی جس میں انگریز کھڑا ہوگا۔'' نیز یہ بھی اس شخص کا مقولہ ہے کہ ''اگر اس کی بوٹی بوٹی کردی جائے تو ہر بوٹی سے انگریز کے خلاف عداوت ٹپکے گی۔ غالبا ایسے ہی موقع کے لیے کہا گیا ہے۔

وہی مومن ہے جس کو دیکھ کر باطل پکار اٹھے　　　کہ اس مرد خدا پہ چل نہیں سکتا فسوں ہمارا

عیسائی بنانے کے لیے طریق کار:

انگریز نے ہندوستان میں زمام حکومت ہاتھ میں لیتے ہی تمام ہندوستانیوں کو ایک ساتھ عیسائی بنانے کا خواب دیکھنا شروع کیا۔ اور اس کے لئے ملازمتوں، میموں، نوکریوں اور چھوکریوں کی پیشکش کے علاوہ اور بھی کئی حربے اختیار کئے گئے ان میں سے ایکطریق کار یہ بھی تھا کہ ہندوسنتانیوں کو اس قدر مفلوک الحال کردیا جائے کہ وہ عیسائی کی جھولی میں پڑنے کے لیے لاچار اور مجبور ہوجائیں چنانچہ عوام کی غربت اس حد تک عملاً پہنچادی گئی تھی کہ بقول سرسید صاحب ڈیڑھ آنہ یومیہ یا ڈیڑھ سیر اناج پر ہندوستانی اپنی گردن کٹوانے پر بخوشی تیار ہوجاتا تھا۔ (۲۳)

سب سے زیادہ مہلک اور خطرناک طریقہ جو انگریز نے اختیار کیا تھا کہ قرآن پاک اور اس کی تعلیم علوم اسلامیہ کو یکسر مٹا دیا جائے تاکہ ایمان وایقان کی وہ پختگی جو مسلمانوں کو حاصل ہے وہ بالکل ختم ہوجائے اور عیسائیت کا راستہ ان کے لئے بالکل سہل اور آسان ہوجائے اور اس کے مقابلہ میں انگریزی تعلیم کو اس قدر عام اور رائج کردیا جائے کہ کوئی شخص اپنے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ پائے چنانچہ قرآن کریم جیسی جامع ومکمل، بے نظیر وانقلاب انگیز کتاب کی بے پناہ قوت وطاقت سے خائف اور بدحواس ہوکر برطانیہ کے مشہور ذمہ دار وزیراعظم مسٹر گلیڈسٹون نے بھرے مجمع میں قرآن کریم کو اٹھاتے ہوئے بلند آواز سے یہ کہا تھا کہ ''جب تک یہ کتاب دنیا میں باقی ہے دینا متمدن اور مہذب نہیں ہوسکتی۔ اور ہنری بریگنٹن طاس نے کہا کہ ''مسلمان کسی ایسی گورنمنٹ کے جس کا مذہب دوسرا ہو اچھی رعایا نہیں ہوسکتے اس لیے احکام قرآنی کی موجودگی میں یہ ممکن نہیں ہے۔ (۲۴)

الغرض قرآن کریم کو مٹانے اور مسلمانوں کے اسلامی جذبات کو ہندوستان سے نیست ونابود کرنے کے لیے ایسے حربے استعمال کیے گئے کہ شیطان بھی دم بخود رہ گیا اور لارڈ میکالے نے تو صاف لفظوں میں کہا کہ ''ہماری تعلیم کا مقصد ایسے نوجوان پیدا کرنا ہے جو رنگ ونسل کے اعتبار سے ہندوستانی ہوں تو دل

ودماغ کے اعتبار سے فرنگی۔(۲۵)

سچ پوچھے تو ان کو کافی حدتک کامیابی حاصل ہوئی جیسا کہ کسی بھی صاحب علم پر یہ مخفی نہیں ہے یہ وہ طریقہ کار تھا جو براہ راست حکومت برطانیہ اور اس کے ذمہ دار اصحاب نے اختیار کر رکھا تھا۔اس کے علاوہ پادری صاحبان کی طرف سے جن کی حفاظت ونگرانی اور مالی سرپرستی انگریز کر رہا تھا عیسائیت کی جو جارحانہ تبلیغ ہندوستان میں شروع کی گئی وہ اپنے مقام پر ایک عظیم سانحہ اور آفت ارضی میں سی ایک بہت بڑی آفت تھی مسلمانوں پر تو انگریزی حکومت کی طرف سے صدہا آئینی پابندیاں تھیں کہ وہ انگریز کے خلاف لب کشائی کرنے کے مجاز نہیں مگر العیاذ باللہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پادریوں پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہ تھی بقول کسے:

ہے اہل دل کے لیے اب یہ نظم بست وکشاد　　　کہ سنگ وخشت مقدر ہیں اور سگ آزاد

پادریوں کی تبلیغ:

ہندوستان میں مسلمانوں کے ہاتھوں سے سلطنت اور اقتدار جانے کی دیر تھی کہ مختلف قسم کے مذہبی فتنے نمودار ہوئے اور ساون کے مینڈکوں کی طرح بازاروں، گلی کوچوں اور محفلوں میں پادری صاحبان جوق در جوق اور جماعت در جماعت گردش کرتے ہوتے اور مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈالتے ہوئے نظر آنے لگے اور ہندوستان میں شائید ہی کوئی قابل ذکر شہر اور خوش نصیب قصبہ ایسا ہوگا جس کو پادرو صاحبان نے اس دور میں اپنے منحوس پاؤں سے نہ روندا ہو اور مسلمانوں کے خلاف خوب زہر اگل کر مسلمانوں کی دل آزاری نہ کی ہو اور جارحانہ رنگ میں عیسائیت کی تبلیغ میں کوئی کمی چھوڑی ہو اور مسلمانوں کو چیلنج نہ دیا ہو۔

کچھ اپنوں کے بارے میں:

جابر برطانیہ اور پادریوں کے فتنے اسلام کے خلاف جو کچھ کرتے رہے تو انہوں نے کیا ہی مگر صد افسوس ہے کہ پیغمبر عربی ﷺ کے لگائے اور خون اور پسینے سے سینچے ہوئے باغ کو ویران کرنے کی کوشش میں صرف دشمن ہی نہیں بلکہ محب نما دوست بھی مصروف تھے۔ معصیت اور جہالت کی گھنگھور گھٹائیں اُمڈ اُمڈ کر ہندوستان میں محیط ہوگئی تھیں بھولے بھالے مسلمان ہندوؤں کی روش اور ان کے رسم و رواج کے کچھ ایسے غلام اور دلدادہ بن چکے تھے کہ بجائے سنت نبویؐ کے اسوۂ حسنہ کے انہی کے رسم رواج کو اپنا لیا تھا۔ دین سے غفلت اور بے خبری اکثر مسلمانوں کے دلوں پر اس طرح چھائی ہوئی تھی کہ جس طرح موسم برسات میں گھنے اور سیاہ بادل آفتاب کو ڈھانپ لیتے ہیں اور دن کو رات بنا دیتے ہیں غرضیکہ کہ دلوں کی کایا کچھ ایسے رنگ میں پلٹی ہوئی تھی کہ بربادی کا نام شادی تجویز کر رکھا تھا اور جہالت و گمراہی کا طوفان رشد و ہدایت کی مضبوط دیواروں سے ٹکراتا ہوا چلتا تھا علم شریعت کو تحقیر اور سنت نبویہ کی تذلیل بڑھتی جاتی تھی۔ عوام علمائے حق سے بے نیاز تھے، بدعات کو جزو اسلام بنا لیا گیا تھا کہیں رفض و تشیع کا غلبہ تھا کہیں ڈھول و قوالی حد نگاہ تک پھیلے ہوئے تھے، کہیں بازاری عورتوں کے گانے اور کہیں تعزیہ پرستی کا عروج تھا اس وقت ایسے حالات کو دیکھ کر اہل دل حضرات پر کیا گذرتی ہوگی اس کا پوچھنا ہی کیا

بیمار غم کا حال خود آنکھوں سے دیکھ لو — کیا پوچھتے ہو دل پہ جو گزر گئی

حواشی باب پنجم

۱۔ کاندھلوی راشدنورالحسن سوانح قاسمی احوال وآثاروباقیات، لاہور مکتبہ سید احمد شہید ص ۳۰

۲۔ تھانوی اشرف علی حکیم الامت، ارواح ثلاثہ، دہلی مجتبائی ۱۲۵۲ص ۲۵

۳۔ نانوتوی مولانا محمد قاسم احوال وکمالات دیوبند مکتبہ قاسمیہ ص ۴۶

۴۔ البقرہ/۲۸۳

۵۔ مجلّہ صحیفہ نور کاندھلہ ص ۱۴۱

۶۔ رسالہ منع حقہ، منظوم، ص ۹، ۱۰ (مطبع رنگین دہلی ۱۳۲۲ھ)

۷۔ احتشام الحسن مولانا، کاندھلوی حالات مشائخ کاندھلہ دیوبند مکتبہ قاسمیہ، ص ۲۶

۸۔ میرٹھی عاشق الٰہی مولانا تذکرۃ الرشید، ادارہ اسلامیات ۱۹۸۶ء ص ۲۰۶

۹۔ عبدالحئی مولانا دہلی اوراس کے اطراف، لاہور مکتبہ رحمانیہ ص ۱۱۷

۱۰۔ مجذوب خواجہ عزیز الحسن اشرف السوانح ملتان ادارہ تالیفات اشرفیہ ص ۱۶۴ ج ۱

۱۱۔ تھانوی اشرف علی مولانا امدادالمشتاق لاہور ادارہ اسلامیات ص ۲۲

۱۲۔ امدادالمشتاق بحوالہ بالا ۲۲

۱۳۔ اکبر شاہ بخاری تحریک پاکستان اور علماء دیوبند لاہور ادارہ اسلامیات ص ۶۶

۱۴۔ سید محمد میاں مولانا، علماء ہند کا شاندار ماضی لاہور مکتبہ محمودیہ ص ۹۰

۱۵۔ اکبر شاہ بخاری، اکابر علماء دیوبند ملتان ادارہ تالیفات اشرفیہ ص ۲۳

۱۶۔ محمد احمد تھانوی حافظ ضامن شہید جریدہ الاشرف محرم ۱۴۰۹ھ

۱۷۔ جمیل احمد تھانوی، مفتی، تعمیر پاکستان میں علماء کا کردار ص ۷

۱۸۔ تحریک پاکستان اور علماء دیوبند ص ۷۳

۱۹۔ بحوالہ حکومت خود اختیاری ص ۴۲ تذکرۃ الرشید حصہ اول ص ۷۷ تمغہ کا دوسرا رخ ص ۴۸۰

۲۰۔ زکریا شیخ الحدیث، آپ بیتی لاہور مکتبہ احسان ص ۶۹

۲۱۔ عبدالکریم، مسلمانوں کا روشن مستقبل لاہور مکتبہ عبیدیہ ص ۱۴۳

۲۲۔ عبداللہ، حکومت خود اختیاری اور علماء حق کے مجاہدانہ کارنامے لاہور مکتبہ عبیدیہ ص ۱۳۶

۲۳۔ کاندھلوی، راشد نور الحسن سوانح قاسمی ص ۸۴

۲۴۔ محولہ بالا حکومت خود اختیاری ص ۵۵

۲۵۔ مجلّہ شہریہ مدینہ بجنور ۲۸ فروری ۱۹۲۶ء

☆☆☆☆☆

باب ششم:

مناظرات

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ

باب ششم: مناظرات مولانا محمد قاسم نانوتوی

پس منظر:

۱۸۵۷ء میں سرزمین ہند پر انگریز کے تسلط اور اہل اسلام کے ہاتھوں سے زمام اقتدار کے زوال کے بعد باطل کی طرف سے اسلام پر جس جس راہ سے حملے ہونے شروع ہوئے اس کا اندازہ اس وقت کے حالات کا مطالعہ کرنے والا ہر شخص بخوبی لگا سکتا ہے۔ اسلام کا آفتاب طلوع ہونے کے بعد سے ۱۲ سو سال تک مسلسل عیسائیت پر زوال آتا رہا۔ اہل اسلام کے ہاتھوں طاقت کے مقابلہ میں شکست کھا کر اگر یہود و نصاریٰ کو قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں سے لیکر ہندوستان تک ہزاروں میل کا علاقہ مسلمانوں کے قبضہ میں دینا پڑا تو اقتصادی میدان میں بھی مسلمان تاجروں نے ہر محاظ پر ان کو شکست دی، اخلاقی برتری کا ڈھونگ بھی مسلمان کے مقابلہ میں عالم پر اثر انداز نہ ہوسکا مذہبی اور نظریاتی اعتبار سے تو عیسائیت اور یہودیت کے مینار پہلے ہی مسمار ہو چکے تھے اس ہمہ گیر زوال کے دوررس اثرات و نتائج سے گھبرا کر بالآخر عیسائی مفکر یہ سوچنے پر مجبور ہوئے کہ ان اسباب پر سنجیدگی سے غور کیا جائے اور قوم کو اس سے آگاہ کیا جائے چنانچہ (ٹی ڈبلیو آرنلڈ) نے پریچنگ آف اسلام کے نام سے کتاب لکھی جسمیں میں دنیائے عیسائیت کے زوال اور اسلام کے عروج پر علاقہ وار مفصل روشنی ڈالی گئی شاید مصنف کا مقصد اس کتاب سے یہ ہوگا کہ عیسائی اہل اسلام کو آئندہ ایسے مواقع فراہم نہیں کرے گا۔ اور اس طرح اسلام کی علاقائی وسعت محدود ہو جائے گی۔

لیکن اس کی نظر یہاں تک نہیں پہنچ سکی کہ اسلام کے بارے میں اللہ رب العالمین نے قرآن پاک میں اعلان کیا۔ ھوالذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ۔(۱)(وہ اللہ تعالیٰ جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا تا کہ اس کے دین کو تمام ادیان عالم پر غالب کردے)اور رسول اللہ کا ارشاد مبارک ہے۔(الاسلام یعلوا ولایعلی علیہ) اسلام سربلند اور غالب ہوگا، اس پر کوئی دین غالب نہیں آسکتا، جس دین کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے پھلینے اور غالب آنے ہی کا ارادہ کرلیا ہو اس کے لیے نہ کسی کے مواقع فراہم کرنے کی ضرورت باقی رہتی ہے نہ کسی کی ذاتی جدوجہد پر اس کا انحصار ہوتا ہے۔ جس دین کا مقصد ہی غالب آنا ہو اسے ایک زمانہ تک غلبہ حاصل ہونے والے ذرائع ورسائل کو زمانہ مستقبل میں دہرانے کی ضرورت نہیں۔

حق تعالیٰ اسلام کی سربلندی کیلئے ہر دور میں نئے ہادی اور رہنما بھیجتا رہتا ہے۔ جو نت نئے اسلوب بیان اور انوکھے انداز میں تبلیغ کے ذریعے قوم کو ہدایت وحق کی راہ دکھاتے رہتے ہیں۔

ہندوستان پر غلبہ حاصل ہوجانے کے بعد انگریز نے سمجھا کہ اب مسلمانوں کے دین کے راستے مسدود کرنا ہمارے لیے آسان ہوگا۔ مگر شاید اس نے کسی کتاب میں یہ نہیں پڑھا تھا کہ مسلمان قوم جان ومال عزت وابرو کیلئے مرنا کوئی فخر نہیں جانتی بلکہ دین ومذہب کیلئے کٹ مرنا اور سینہ سپر ہونا اسکی گھٹی میں پڑا ہوا ہے بہرحال انگریز نے جس راہ سے دین میں رکاوٹ پیدا کرنے کی کوشش کی اہل اسلام نے اسی راستہ سے ہر طرح مقابلہ کیا۔

یہاں یہ اعتراف قابل ذکر ہے انگریز حکومت نے حکمرانی تسلط کے باوجود اہل اسلام پر تبلیغی پابندی نہیں لگائی بلکہ دلائل وبراہین سے غلبہ حاصل کرنا چاہا۔ ظاہر ہے کہ اس راہ کے شہسواروں سے مقابلہ کرنا عیسائیوں کے بس میں نہیں تھا۔ ہندوستان میں انگریز کے حربوں کا مختلف انداز سے جواب دیا گیا اور متفرق تدابیر سے اسلام کی حفاظت کی گئی۔

حضرت مولنا محمد ادریس کاندھلویؒ فرماتے ہیں، انگریز اقتدار کے بعد تمام عیسائی حکومتوں نے عیسائیت کی تبلیغ کا جال بچھا دیا۔ ہندوستان سے اسلامی حکومت کے زوال کے بعد انگریزی اقتدار آیا۔ انگریز حکومت کیونکہ مذہباً عیسائی تھے اس طرح سے عیسائیت کی تبلیغ میں کوئی دقیقہ اٹھ نہیں رکھا۔ مگر علمائے دین پر بھی کسی قسم کی کوئی پابندی عائد نہیں کی۔ علماء دین تبلیغ کیلئے کھڑے ہو گئے اور تقریر وتحریر سے رد عیسائیت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، بلکہ بے سروسامانی کے باوجود علماء دین کا پلہ بھاری رہا۔(۲)

اشاعت اسلام کے لیے علماء کی خدمات:

اور انگریز حکومت نے تبلیغ اسلام اور عیسائیت میں علماء پر کوئی پابندی نہیں لگائی جس کا نتیجہ یہ ہو کہ بحمدہ تعالیٰ ہندوستان میں دین اسلام محفوظ اور لاکھوں غیر مسلم حلقہ بگوش اسلام ہوئے اگر علماء دین ہندوستان میں دینی مدارس قائم نہ کرتے اور عیسائیوں سے مناظرے اور عیسائیت کا رد نہ کرتے تو پھر نا معلوم اسلام کا کیا حال ہوتا اور اس وقت مسلمانوں کی تعداد کتنی ہوتی، ہندوستان سے اسلامی حکومت کے خاتمہ کے بعد جب انگریزی دور حکومت شروع ہوا تو سرسید نے علی گڑھ کالج قائم کیا تاکہ مسلمان انگریزی زبان پڑھ کر موجودہ حکومت میں عہدے حاصل کرسکیں اور حضرت مولنا قاسم نانوتویؒ نے خالص دین کی تعلیم کیلئے دیوبند میں دارالعلوم قائم کیا اور اسکے قریب سہارنپور میں حضرت مولینا محمد مظہر نانوتوی نے مظاہر العلوم کے نام سے ایک دینی مدرسہ قائم کیا۔ ان حضرات نے دنیا سے قطع نظر کی اور حکومت کے عہدوں کو دل سے نکال دیا اور دینی تعلیم کو زندگی کا نصب العین بنالیا اور دین کے تحفظ کیلئے دینی مدارس قائم کیے۔

اگر اسلاف متقدمین میں حق کی حمایت میں سینہ سپر ہونے والون کی جماعت نظر آتی ہے تو بلاشبہ اسلاف متاخرین میں بھی جذبہ جانثاری اور ہمت بے پایاں کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہو نظر آتا ہے، اسلام کے فرزندوں میں اگر ایک دور بلال حبشیؓ اور خالد بن ولیدؓ کا گزرا۔ محمد بن قاسمؒ اور محمود غزنویؒ پیدا ہوئے غزالیؒ اور

رازیؒ نے جنم لیا تو اسی کے فرزندوں میں یہ لوگ بھی پیدا ہوئے جن کا تذکرہ مفتی محمد شفیعؒ صاحب دیوبندی اس طرح پیش کرتے ہیں۔

آج سے کم وبیش سو سال پہلے بھی ہندوستان پر عیسائی مشنریوں کا طوفان مسلط ہوا تھا، اس وقت یہ فتنہ آج سے کہیں زیادہ شدید تھا اور اسکو توپ اور بندوق کی پشت پناہی بھی حاصل تھی اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے اس فتنہ کی سرکوبی کیلئے علماء حق کی ایک بڑی جماعت کو کھڑا کر دیا تھا ۔جس نے اپنی جان و مال پر کھیل کر اس فتنہ کا مقابلہ کیا دلیل و حجت کے ہر میدان میں عیسائیت کو شکست فاش دیکر یہ ثابت کرایا کہ اسلام اور علماء اسلام وقت کے ہر چیلنج کو قبول کرنے کیلئے ہر وقت تیار رہتے ہیں ان علمائے حق میں حضرت مولنا رحمت اللہ کیرانویؒ متوفی ۱۳۰۸ھ جناب ڈاکٹر وزیر خاں صاحب مولنا سید آل حسن متوفی ۱۸۲۶ھ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی متوفی ۱۳۱۷ھ حضرت مولینا محمد قاسم نانوتوی ۱۲۹۷ھ ۱۸۷۹ھ مولانا اشرف الحق صاحب صدیقی ۱۳۵۲ھ مولانا محمد علی مونگیری متوفی ۱۳۶۳ھ مولنا سید امیر حسن مولانا سید عبدالسلام مولانا سید ابوالمنصو رناصر علی کے اسماگرامی بطور خاص قابل ذکر ہیں۔(۳)

مناظرین اسلام کی اس مستعدی نے ایک طرف اگر ہندوستان میں اسلام کی حفاظت کی تو دوسری طرف ہندوستان میں بھرپور طاقت مل جانے کے باوجود عیسائیت کے قدم اکھاڑ کر رکھدئے ۔اور بالاخر انگریز کو ہندوستان چھوڑ کر جانا پڑا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی ۱۸۵۷ سے پہلے بھی عیسائیت کی تبلیغ میں حصہ لیتی رہتی اور بعد میں کیونکہ حکومت ہی انکے ہاتھ میں آگئی تھی اس لیے جتنی بھی کوششیں ہوتی اور جو بھی طریقہ اختیار کیا جاتا وہ ممکن تھا۔مگر اسلام کے فرزندوں میں اگر ہمت نہیں ہاری تو ظاہر ہے کہ شکست سے پہلے تو کیسے ممکن تھا کہ مسلمان عیسائیوں کی بالادستی قبول کر لیتے ۔چناچہ الحمد اللہ مزکورہ علماء کرام نے ۱۸۵۷ سے قبل عیسائیوں کو ہر میدان میں ایسا ذلیل کیا کہ عوام کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہے ۔۱۰ اپریل ۱۸۵۴ کو مولانا رحمت اللہ کیرانوی کا پادری فنڈر سے

مناظرہ ہوااس میں فنڈر کو اس قدر شرمندگی ہوئی کہ اسکے بعد اس نے مولانا کا نام جہاں سنتا وہیں سے بھاگ جاتا۔ اس کے بعد ۱۸۹۱ء میں مولانا اشرف الحق نے جو مولانا رحمت اللہ کے شاگرد تھے لارڈ بشپ جے اے لیفرائے مشن کالج دہلی کو مناظرہ میں شکست فاش دیکر اسلام کی سربلندی کا پرچم لہرایا۔ اس دور کے بعد حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے اس کام کا بیڑا اٹھایا، اس بطل جلیل نے اگر ۱۸۵۷ میں اپنے پیرومرشد حضرت حاجی امداداللہ کے ہمراہ عیسائیت، یہودیت اور کفروشرک کے خلاف سیف اسنان سے جہاد کیا تو عمر کے آخری دور میں قلم اللسان کے ساتھ جہاد کا فریضہ بھی اس خوبی کے ساتھ ادا کیا۔ کہ آئندہ آنے والی نسلوں کیلئے ایک حجت اور دستاویز ہے حضرت نانوتویؒ ایک صاحب نسبت مرد قلندر تھے انہیں حق تعالٰی نے اصلاح وتبلیغ کیلئے مامور فرمایا تھا خود فرماتے ہیں ''کہ اس علم نے خراب کیا ورنہ اپنی وضع کو ایسا خاک میں ملاتا کہ کوئی بھی نہ جانتا'' چنانچہ اس علم کی خدمت نے ہی حضرت کی ذمہ داری لگادی تھی، اہل تشیع سے مباحثے ہوئے، دلائل سے لبریز خطوط لکھے گئے اہل حدیث حضرات کو ہر طرح کی فہمائش کی بریلوی مکتب فکر کے طبقہ کی اصلاح کیلئے سنت وبدعت کی حقیقت واضح فرمائی۔ اس کے بعد حضرت مولانا قاسم نانوتوی نے مندرجہ ذیل مناظرے کیے۔

(۱) قاضی پور کے شیعوں کیساتھ

(۲) تاراچند مقام عیسائیت کیساتھ

(۳) چنداپور ضلع شاہجہاں پور میں ہندوں کیساتھ ۱۲۹۳ھ

(۴) چنداپور ضلع شاہجہاں پور دوبارہ ہندوں کیساتھ ۱۲۹۴ھ

(۵) چنداپور ضلع شاہجہاں پور میں تیسری مرتبہ ہندوں کیساتھ ۱۲۹۵ھ میں

(۶) مناظرہ رڑکی علاقہ میں ہندوں کیساتھ ۱۲۹۵ھ۔ (۴)

قاضی پور کے شیعوں کیساتھ:

دیوان محمد یسٰین صاحب مرحوم نے فرمایا کہ قاضی پور میں حضرت نانوتویؒ تشریف لے گئے، تو عشرہ محرم تھا۔ روافض نے حضرت مولانا نانوتوی کو اپنی مجلس میں آنیکی دعوت کی حضرت نے فرمایا منظور ہے۔ مگر اس شرط سے کہ جب آپ لوگ مجلس میں کہہ سن چکیں گے تو ہم بھی کچھ کہیں، تو وہ اس پر آمادہ نہیں ہوئے اور وہیں کچھ مذہبی گفتگو کرتے رہے، ان روافض نے کہا اگر آپ بیداری مین ہم کو حضرت رسول مقبولؐ کی زیارت کرادیں اور حضورؐ اپنی زبان سے ارشاد فرمایں کہ آپ سچ کہ رہے ہیں تو ہم اہل سنت والجماعت میں داخل ہو جایئے گے فرمایا تم سب اس پر پختہ رہو تو میں بیداری میں زیارت کرانے کیلئے تیار ہوں۔ مگر یہ روافض کچھ کچے تھے۔ (۳) یعنی شیعہ اس بات پر تیار نہ ہوئے، اور راستہ فرار اختیار کیا۔

چنداپور میں مناظرہ:

ہندوستان میں عیسائیت کی وسیع پیانہ پر تبلیغ کو دیکھ کر ہندوؤں میں بھی یہ جرأت پیدا ہوگئی کہ وہ اپنے مذہب کا پرچار کریں اور عیسائیوں کی طرح وہ بھی مسلمانوں کے ساتھ مذہبی امور میں الجھتے رہیں چناچہ اس سلسلہ کی ایک کڑی یہ ہیکہ مشہور شہر شاہجانپور سے پانچ چھ میل کی مسافت پر ایک قصبہ تھا جس کا نام چنداپور تھا وہاں کے ایک ہندو رئیس منشی پیارے لال کبیر پنتھی نے ۱۲۹۲ھ/۶-۱۸۷ھ میں ایک مذہبی جلسہ بنام "میلہ خدا شناسی" مقرر کیا جس میں مسلمانوں، عیسائیوں اور ہندوؤں کا باہمی مباحثہ طے پایا اور تینوں فریق اس میں شریک ہوئے۔ مگر لالہ جی نے کمال ہوشیاری اور انتہائی چالاکی سے نہایت بے معنی اور مہمل لکھی ہوئی تقریریوں شروع کیں کہ میاں کبیر نے کنول کے پھول میں جنم لیا۔ اور ان کے چیتھ میں جاگتے سوتے سانس چلتا رہتا تھا، جس کو چیتاں اور پہلی کہنا زیادہ مناسب ہوگا اور اسی طرح اپنی اور اپنے ہم مذہبوں

کی جان چھڑائی اور اصل گفتگو عیسائیوں اور مسلمانوں میں ہی عیسائیوں کی طرف سے ان کے دیگر نامی گرامی پادریوں کے علاوہ پادری نولس انگلستانی بھی تھی جو بڑے لستان ،عمدہ مقرر اور چوٹی کے مناظر تھے پادری نولس کا یہ دعوائی تھا کہ مسیحی دین کے مقابلے میں محمدی دین کی کچھ حقیقت نہیں (العیاذ باللہ) اور اہل اسلام کیطرف سے جو حضرات اس موقع پر موجود تھے ان میں حضرت شیخ الہند محمود الحسن دیو بندی صاحب حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہی اور حضرت مولنا سید ابوالمنصور دہلوی امام فن مناظرہ اہل کتاب خصوصیات کے ساتھ نام قابل ذکر ہیں۔ان کے علاوہ دیگر حضرات علماء اور اہل دل اور دیندار مسلمانوں نے بھی حصہ لیا۔

پہلے دن تو اس مباحثہ میں متعدد حضرات نے حصہ لیا، اور پادری نولس کے مذموم دلائل کے جوابات دیتے رہے اور اپنے مذہب اسلام کا اثبات کرتے رہے مگر دوسرے دن مناظرہ میں حضرت مولنا محمد قاسم نانوتویؒ نے حصہ لیا اور ایسے زبردست دلائل اسلام کی حقانیت پر پیش کئے کہ مجمع داد تحسین دئے بغیر نہ رہ سکا اور دین مسیح کے منسوخ اور نا قابل اتباع ہونے پر ایسے ٹھوس براہین پیش کئے کہ پادری باہم کہتے تھے۔آج ہم مغلوب ہو گئے پادریوں کے مغرور سرنگوں ہو گئے اور اسلام کی حقانیت اور صداقت آشکارا ہوئی۔(۴)

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن　　　　پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

چندا پور شاہجہاں کا دوسرا مناظرہ:

گذشتہ سال کیطرح چندا پور ضلع شاہجہاں پور میں ۱۲۹۴ھ میں پھر جلسہ کا اہتمام ہوا چاند پور کے جلسہ کا نام ہر سال میلہ خدا شناسی ہی رکھا جاتا تھا ۔اس جلسہ میں بھی حکیم الاسلام مولنا محمد قاسم نانوتویؒ نے عجیب مسحور کن تقریر فرمائی یہ تقریر حجۃ الاسلام کے نام سے مطبع قاسمی میں چھپی ہے اس تقریر میں پادری حضرت نے ایک سوال کا بھی جواب نہ دے سکے اور راہ فرار اختیار کرلیا۔(۸)

چنداپور شاہجہاں کا تیسرا مناظرہ:

۱۲۹۵ھ میں پھر اس مقام پر مناظرہ ہوا اس کی تاریخ ۲۰ مارچ طے ہوئی گذشتہ سالوں کی مسلسل جد و جہد اور عیسائیوں کے لا جواب ہو چکنے کے باوجود کیونکہ کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا حضرت نانوتویؒ اور مولوی ابو النصور دہلویؒ نے ارادہ کیا کہ اس مرتبہ اسمیں شرکت نہ کی جائے۔ کیونکہ سوائے نشستند وگفتند و برخاستند کے کوئی فائدہ نہیں ہوگا، مگر ساتھ یہ خیال بھی آیا کہ اگر ہم لوگ شریک نہ ہوئے تو لوگ طرح طرح کے خیالات ذہن میں لائیں گے اور اہل اسلام کو سبکی ہوگی اس لیے دونوں حضرات بعض دوسرے رفقا کے ساتھ شاہجہان پور روانہ ہوئے، اور ۱۷ مارچ کو وہاں پر پہنچ گئے، ۱۸ کو آرام کیا، ۱۹ مارچ کو آخر شب میں اٹھ کر پیدل چاندا پور کیلئے روانہ ہوئے راستے مین ندی کے کنارے حضرت نانوتویؒ نے نوافل ادا کر کے خوب خشوع و خضوع سے دعا مانگی اور آگے روانہ ہو کر چاندا پور پہنچ گئے۔

شرائط مباحثہ طے کرنے کیلئے مسلمانوں میں سے مولانا محمد قاسم نانوتویؒ مولوی عبد الحمید اور پادریوں میں سے پادری نولس اور پادری وائز صاحباں اور ہنود میں سے پنڈت دینہ صاحب سرستی اور منشی اندر من منتخب ہوئے۔ اور موتی میاں مہتمم جلسہ بھی شریک ہوئے پچھلے سالوں کے جلسوں سے کیونکر پادری گھبرائے ہوئے تھے اس لئے اس مرتبہ ہندوں اور پادریوں نے ملی بھگت کر کے یہ طے کیا کہ ہر مقرر کی تقریر کا وقت صرف ۵ منٹ رکھا جاے ء۔ غالبا اس میں یہ چال پوشیدہ تھی کہ ہم اعتراض کریں گے اور مسلمان جواب دیں گے اور ظاہر ہے کہ ۵ منٹ میں اعتراض تو با آسانی ہوسکتا ہے مگر جواب دینے والا ۵ منٹ میں کیا جواب دے سکیگا، اس طرح مسلمان عاجز ہو کر شکست کھالیں گے لیکن علماء اسالم نے کہا کہ ہم اس سے کم وقت پر بھی تیار ہیں بالآخر یہ جلسہ شروع ہوا۔ سب سے پہلے منشی پیارے لال نے ایک کاغذ نکالا، جسمیں ۵ سوال تھے کہ ہماری طرف سے یہ سوال ہیں پہلے انکا جواب دیا جائے۔

(۱) دنیا کو پرمیشر نے کس چیز سے بنایا اور کس وقت اور کس واسطے؟

(۲) (پرمیشر) کی ذات محیط کل ہے یا نہیں؟

(۳) پرمیشر عادل ہے اور رحیم ہے دونوں کس طرح ہے؟

(۴) وید اور بائیبل اور قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے میں کیا فرق ہے؟

(۵) نجات کیا چیز ہے اور کس طرح حاصل ہوسکتی ہے۔

کیونکہ یہ سوالات بانی جلسہ کی طرف سے تھے اس لیے انکا جواب پنڈت عیسائی اور مسلمان سب کو دینا تھا، عیسائی تولیت ولعل کرتے رہے سب سے پہلے ان کے جوابات حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ نے دیئے اور ایسی تقریر فرمائی کہ سامعین پر ایک سکتہ کا عالم ہے ظاہر ہے کہ ۵ منٹ یا ۱۰ منٹ میں کتنا کچھ کہا جاسکتا ہے، مگر اس روز جلسہ میں حضرت نانوتویؒ نے توحید اور رسالت ضرورت نبوت وحی عصمت انبیاء معجزات انبیاء میں فرق غرض بنیادی مباحث پر تقریر فرما کر اسلام کی فتح ونصرت کا جھنڈا گاڑ دیا۔ (۹)

تیلی لنگی کی فتح:

اس مناظرے کی کامیابی کی سارے ہندوستان میں دھوم مچ گئی تیلی لنگی کی فتح ایک نعرہ حق بن گیا۔ اس مناظرے کے بارے میں قاری محمد طیبؒ نے اپنے والد صاحب کے حوالہ سے حضرت مولانا محمد یعقوبؒ کا ارشاد نقل فرمایا ہے۔ اب مجھے انکی وفات قریب معلوم ہوتی ہے کیونکہ حق تعالیٰ کو ان سے جو کام لینا تھا وہ پورا ہوچکا اور وہ یہ تھا کہ تمام مذاہب کے جتھے میں اسلام کی ایک منادی ہوجائے۔ اور خدا کی حجت اسکے بندوں پر پوری ہوجائے سو وہ اس میلہ خدا شناسی (مباحثہ شاہجہاں پور میں ہوچکی۔ چنانچہ زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ جمادی الاول ۱۲۹۷ھ میں حضرت نانوتوی کی وفات ہوئی۔ (۱۰)

مولانا محمد قاسم نانوتوی کی سادگی:

ویسے تو مولانا محمد قاسم نانوتویؒ عام حالات میں بھی بہت سادے رہتے تھے مگر اجتماعات کے موقع پر بھی اہتمام لباس نہیں ہوتا تھا بلکہ اسی سادہ لباس میں شرکت فرماتے تھے اسی شاہجہاں پور کے مناظرہ میں شرکت کا ایک نقشہ حضرت حکیم الامت مولنا اشرف علی تھانویؒ نے ایک وعظ میں بیان فرمایا تھا۔ فرماتے ہیں حضرت قاسم نانوتویؒ کی یہ حالت تھی کہ لباس ایسا پہنتے تھے جس سے کوئی نہ سمجھے کہ یہ عالم ہیں نہ عبا پہنتے ہیں نہ چوغہ نہ ململ پہنتے تھے نہ تن ریب بلکہ گاڑھا مارکین آپکا لباس تھا اور اس لباس سے آپ بڑے بڑے مجمعوں میں تشریف لے جاتے تھے مگر آپکے سامنے سارے قبا جبے والے دھرے دھرے رہ جاتے تھے۔ آپکا ہی نام چمکتا تھا اور کسی کو کوئی پوچھتا بھی نہ تھا۔ چناچہ مباحثہ شاہجہاں پور میں جو مخالفین اسلام کے مقابلہ میں بڑا عظیم الشان مناظرہ تھا، بڑے بڑے عباوالے موجود تھے اور حضرت نانوتوی اسی معمولی کرتے اور لنگی میں تھے مگر جب آپ نے تقریر کی ہے تو عوام پر اتنا اثر تھا کہ سہارنپور کے ہندو مہاجن اور بنئے یہ کہتے تھے کہ پتلی لنگی والا مولوی جیت گیا۔ ایسی تقریر کی کہ کسی کو اسکی بات کا جواب نہیں آیا تھا۔ (۱۱)

مولانا کی عاجزی:

حضرت کا معمول تھا کہ راستہ میں کسی کو اپنا نام نہیں بتاتے تھے بلکہ اپنا تاریخی نام جو قطعاً غیر معروف تھا وہ بتادیا کرتے تھے کہ میرا نام خورشید حسن ہے مقصد یہ تھا کہ لوگ آپ کو کوئی غیر معمولی آدمی سمجھیں اور اگر کبھی کوئی آپ کا وطن پوچھتا تو بتاتے کہ اللہ آباد۔ رفقاء نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ اللہ آباد تو آپ کا وطن نہیں پھر یہ بات کیسے سچ ہوگی۔ تو فوراً فرماتے بھائی ہر شہر خدا ہی کا آباد کیا ہوا ہے۔ مناظرہ میں شرکت کے وقت اپنے علم اور اپنی لیاقت پر قطعاً بھروسہ نہیں ہوتا تھا بلکہ ہر آن خدائے قادر کی قدرت پر نظر رہتی اس سے

دعائیں کرتے رہتے۔ اس مباحثہ شاہجہاں پور کا قصہ نقل کرتے ہوئے مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ فرماتے ہیں مولوی محمد قاسمؒ نے ندی پر استنجے سے فراغت حاصل کر کے وضو کی ااور نوافل ادا کئے اور نہایت خشوع وخضوع سے دعا مانگی غالباً وہ اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے ہوگی کیونکہ مولوی صاحب دہلی سے برابر یہی ہر شخص سے فرماتے تھے کہ اس بے نیاز سے دعا کرو کہ کلمہ حق غلب آے۔ (۱۲)

مناظرہ رڑکی:

۲۱ شعبان ۱۲۹۵ھ مطابق ۲۰ اگست ۱۸۷۸ پنڈت دیانند نے رڑکی میں آ کر سرِ بازار مذہب اسلام پر اعتراضات کئے اسی سال کے شروع میں مارچ میں شاہجہاں پور کے مشہور مناظرہ عیسائیوں سے ہو چکا تھا اب پنڈتوں کو خباثت سوجھی اور دوافروشوں کی طرح بازاروں میں مجمع لگا کر مذہب پر اعتراضات شروع کئے بعض احباب نے حضرت حجۃ الاسلام مولنا محمد قاسم نانوتویؒ سے درخوست کی کہ آپ تشریف لا کر اس کے جوابات دیں چنانچہ نانوتویؒ اپنے رفقا کو ساتھ لیکر تشریف لے گئے اس مناظرہ کا کچھ نقشہ برنگ حقائق و برنگ لطائف حضرت تھانویؒ نے پیش کیا وہ درج کرتا ہوں۔ فرمایا کہ مولنا محمد قاسم صاحب رڑکی دیننہ سے مناظرہ کے لیے گئے اور بھی چند آدمی ساتھ ہو گئے سنا ہے کہ مولانا ایک جگہ ٹھر گئے اور ساتھ والوں سے کہہ دیا کہ کھانا بازار میں کھا دیں۔

مجسٹریٹ کو خبر ہوئی تو اول وہ سمجھا کہ یہ بھی دعوت خور لے آئے ہوں گے مگر جب واقعی بات کی خبر ہوئی کہ وہ اس طرح کے لوگ ہیں تو اس کے دل میں بڑی قدر ہوئی اور اس نے مولانا کو بلایا اور اشتیاق ظاہر کیا مولانا کی عادت تھی کہ کبھی بڑے آدمی سے نہ ملتے تھے ایک دفعہ رام پور گئے نواب صاحب کو خبر ہوئی تو مولانا کو بلایا مگر مولانا نہیں گئے اور یہ حیلہ کیا کہ ہم دیہاتی لوگ آداب شاہی سے واقف نہیں خدا جانے کیا بے ادبی ہو جائے نواب صاحب نے کہا آپ کے لیے آداب وغیرہ سب معاف ہیں آپ تشریف لائے

ہم کو آپ سے ملنے کا اشتیاق ہے۔

مولانا نے جواب دیا کہ تعجب کی بات ہے کہ اشتیاق آپ کو ہو ملنے کا اور آئیں میں، غرض نہ گئے باوجود ایسی آزادی کے رڑکی میں مجسٹریٹ سے ملنے سے انکار نہیں کیا کیونکہ اس سے ملنے میں دینی مصلحت تھی، اس نے مولانا سے بارش کی کمی کی وجہ پوچھی تو مولانا نے دلائل عقلی سے ثابت کردیا کہ گناہ سبب ہے۔ کمی بارش کے وہ بہت ہی محضوظ ہوا۔

مولانا کے علم کا قائل ہوگیا اور بہت ہی اچھی طرح پیش آیا پھر مولانا سے رڑکی آنے کی وجہ پوچھی فرمایا دیانند سے مناظرہ کیلئے آیا ہوں، مگر وہ پہلے تو مناظرے کی دعوت دیتا پھرتا تھا اب جو میں آگیا تو پیچھے ہٹتا ہے مجسٹریٹ نے کہا ہم اس کو بلاتے ہیں چنانچہ بلایا اور پوچھا کیوں مناظرہ نہیں کرتے کہا فساد کا خوف ہے مجسٹریٹ نے کہا فساد کے ہم ذمہ دار ہیں، دیانہد نے کہا اس ارادہ سے نہیں آیا ہوں مولانا نے کہا ارادہ فعل اختیاری ہے اب کر لیجئے مگر وہ کبھی آمادہ نہ ہوا آخر بھاگ گیا۔ (۱۳)

مناظرہ علم میں ہوتا ہے جہل میں نہیں:

اس مناظرہ مین بھی حضرت کے ہمراہ کچھ رفقاء تھے امیر شاہ خاں جوان حضرات کے سچے شیدائی تھے اور انکی حکایت وقصے انہیں حرف بحرف ازبریاد تھے ان سے سنی ہوئی ایک حکایت حضرت تھانویؒ نے نقل کی ہے حضرت نانوتویؒ دیانند سے مناظرہ کیلئے رڑکی میں تشریف لائے تو علاوہ اور خدام کے منشی نیال احمد کو جو نہایت ذکی تھے دیانند کے پاس شرائط مناظرہ طے کرنے کیلئے بھیجا گیا۔ منشی صاحب اس کی قیام گاہ پر موجود تھے کہ کھانے کا وقت آگیا اور اس کیلئے کھانا لایا گیا کئی بڑی بڑی تھالیں چاولوں کی تھیں اور سیروں مٹھائی تھی، جسکو یہ کئی آدمیوں کا کھانا سمجھے مگر وہ اس اکیلے کیلئے آیا تھا اور اس تنہا نے سب تھالیں صاف کردیں۔ منشی صاحب نے اپنی ایک بے تکلف مجلس میں اس کا ذکر کرتے ہوئے بطور مزاح کہا کہ ہمارے مولانا سے علم

وفضل میں مناظرہ ہوا تو انشاءاللہ مولانا غالب آئیں گے، لیکن اگر کہیں کھانے میں مناظرہ کی ٹھن گئی تو کیا ہوگا (کیونکہ حضرت بہت کم کھاتے تھے) یہ مقولہ حضرت تک پہنچا تو منشی نیال احمد بلا لیے گئے حضرت نانوتویؒ گھر کی چوکھٹ پکڑے ہوئے تھے، کہ یہ حاضر ہوئے اور دل میں سمجھے ہوئے تھے کہ دیکھیے اب کیا سوال ہوگا اور کہیں وہی بات پہنچ گئی ہے تو دیکھیے کیسی ڈانٹ پڑتی ہے حضرت نے فرمایا منشی جی تم نے کیا کہا تھا تمھاری زبان سے سننا چاہتا ہوں، انہوں نے وہی مقولہ دبی زبان سے دہرایا۔ فرمایا کہ اس کے جواب دو ہیں، ایک یہ کہ اگر کھانے میں مناظرہ ہوا تو تم ساتھ ہو (اس کا جواب تم دو گے) اور دوسری بات جو حقیقت ہے وہ سنو تمھارے دل میں یہ سوال کیوں پیدا ہوا یہ سوال کیوں نہ آیا کہ اگر کھانا چھوڑنے اور فاقے میں مناظرہ ہوگا تو کون غالب آئیگا تم جانتے ہو کہ کھانا کس کی صفت ہے بہائم اور جانوروں کی اور نہ کھانا کس کی صفت ہے حق تعالیٰ کی اور ملائکہ کی تو تم مجھ سے مناظرہ جہالت میں کرانا چاہتے ہو مناظرہ علم میں ہوتا ہے یا جہل میں؟ اگر اس میں مناظرہ ہو تو کسی بھینسے یا ہاتھی کو لا کر دیانند کے مقابلہ میں کھڑا کر دینا کہ کون زیادہ کھاتا ہے۔ (۱۰)

مناظرہ سے پنڈت کا فرار:

اس مناظرہ کے لیے حضرت نانوتوی نے انتہائی کوشش کی کہ دیانند سرسوتی مناظرہ کیلئے آمادہ ہو جائے۔ لیکن وہ کسی طرح آمادہ نہ ہوا۔ اس مناظرہ کی اصل روداد اپنی تعبیر اور اپنے الفاظ کے بجائے خود حضرت نانوتویؒ کے قلم مبارک کی لکھی ہو، لکھی روداد پیش کرتے ہیں جس سے حضرت کی مسلسل جدوجہد اور فریق مخالف کیطرف سے حیلہ وحجت کی حقیقت سامنے آجاتی ہے فرمایا! بعد حمد وصلوٰۃ بندہ سراپا گناہ محمد قاسم ناظرین از راق کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ بارہ سو پچانوے ہجری آخری رجب میں پنڈت دیانند نے رڑکی میں آکر سرِ بازار مجمع عام میں مذہب پر اعتراض کئے حسب الطلب بعض احباب اور بتقاضائے غیرت اسلام یہ ننگ اہل اسلام بھی شروع شعبان میں وہاں پہنچا اور آرزوے مناظرہ میں سولہ سترہ روز وہاں ٹھہرا رہا

ہر چند چاہا کہ مجمع عام میں پنڈت جی سے اعتراض سنو اور بالمشافہ بعنایت خداوندی اسی وقت انکے جواب عرض کرونگا مگر پنڈت جی ایسے کاہے کو تھے جو میدان مناظرہ میں آتے جان چھڑانے کیلئے وہ داؤ کھیلے کہ کاہے کوسی کو سوجھتے ہیں۔ اعتراض وہ مجمع عام میں کیا پر مناظرہ میں اپنی قلعی کھلنے کا وقت آیا تو پچاس آدمیوں سے زیادہ پر راضی نہ تھے وجہ پوچھی تو اندیشہ فساد زیب زبان تھا۔ مگر نہ پہلے مناظروں کی نظیروں کا کچھ جواب نہ حسن انتظام سرکاری پر کچھ اعتراض ٹلانے کیلئے دعوائے بلا دلیل سے مطلب تھا، رمضان کی آمد آمد انکو بھی معلوم تھی کہ کچھ اور دن ٹلیں تو یہ لوگ خود ٹل جائیں گے اس لیے منتیں کیں غیرتیں دلائیں مگر وہاں وہ نہیں کی نہیں ہی رہی مجمع عام کی جا بدشواری دو سو تک آ گے۔ مگر اپنے مکان تنگ کے سوا اور کہیں راضی نہ ہوئے وقت صبح کے بدلے چھ بجے شام کے ٹھہرائی تھی وقت کی شکایت کی تو نو بجے تک کی اجازت لائے۔ مطلب یہ تھا، کہ ہماری فرودگاہ سے بلکہ شہر سے انکا مکان ڈیڑھ میل پر تھا، نو بجے فارغ ہو کر چلے تو دس بجے پہنچے ایک گھنٹہ میں نماز سے فارغ ہوئے، اس وقت نہ بازار کھلا ہوا جو کھانا مول لیجئے نہ خود پکانے کی ہمت جو یوں انتظام کیجئے، علاوہ بریں برسات کا موسم مینھ برس گیا تو اور بھی اللہ کی رحمت ہو گی غرض انکی یہ غرض تھی کہ یہ لوگ تنگ ہو کر چلے جائیں اور ہم بیٹھے ہوئے بغلیں بجائیں پھر اس پر تحریر و تقریر کی شاخ اور اوپر لگی ہوئی غرض کچھ تو بوجہ نماز مغرب وقت مذکورہ میں گنجائش کم تھی، رہی سہی اس تدبیر سے گذری مگر جب بنام خدا ہم نے ان سب باتوں کو سر رکھ لیا تو منجملہ ان شرائط کے ان کے مکان پر مناظرہ ہونے کا سرکار نے اڑا دیا۔ حکام وقت نے قطعاً ممانعت کر دی کہ سرحد چھاؤنی اور رڑکی میں مناظرہ نہ ہونے پائے، اور اس سے خارج ہو کر کچھ ممانعت نہیں، اس پر ہم نے میدان عیدگاہ وغیرہ میں پنڈت جی سے التماس قدم رنجہ فرمائی، کہا تو پنڈت جی کو اپنے دن نظر آئے اور سوائے انکار اور کچھ نظر نہ آیا۔ لاچار ہو کر ہم نے یہ چاہا کہ اپنے اعتراض ہی نہیچ دوتا کہ ہم ہی مجمع عام میں ان کے جواب سنا دیں۔ اور مرضی ہو تو آؤ مناظرہ تحریری ہی سہی مگر جواب تو درکنار پنڈت جی نے اپنی راہ لی شکرم میں بیٹھ یہ جادہ جا مجبور ہو کر یہ ٹھہرائی کہ جو ان کے اعتراض سننے والوں سے سنے ہیں

انکے جواب مجمع عام میں سنا دیں مگر چونکہ یہ بات ایک جلسہ میں ممکن نہ تھی، اور ہم کو دوبارہ توحید ورسالت وغیرہ؛ ضروریات دین واسلام سچا کچھا کہنا تھا، اور بوجہ ہجوم وعدر ہائش وخرابی راہ قرب رمضان شریف زیادہ ٹھہرنے کی گنجائش نہ تھی، ایک جلسہ میں تو ان تین اعتراضوں کے جواب سنائے جو سب میں مشہور تھے۔ اور دو جلسوں میں توحید وسنت کا ذکر کر کے شب سبت وسوم ماہ شعبان سے رڑکی روانہ ہوا اور ایک دن منگلور اور تین دن دیوبند ٹھہر کر ستائیسویں کو اس قصبہ دیرانہ میں پہنچا جس کو نانوتہ کہتے ہیں۔ اور اس خاکسار کا وطن بھی یہی ہے (۱۱) اس روداد سے یہ معلوم ہوگیا کہ رڑکی میں پنڈت صاحب صرف حضرت کا وجود دیکھ کر ہی حضرت کے جلال روحانی سے مغلوب ہو کر بھاگ گئے۔ اس کے بعد حضرت نے اس پنڈت کے تمام اعتر اضات کا جواب لکھ کر پیش کیا جو کتابی شکل میں کتب خانہ اعزازیہ دیوبند سے شائع ہوا ہے۔

آریہ کا فتنہ:

انگریز نے اقتدار اور حکومت کے بل بوتے پر اور پادری صاحبان نے حکومت برطانیہ ہی کے زیر سایہ رہ کر تبلیغ کے ذریعہ کس طرح مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈالا اور کیا کیا کوششیں اور کاوشیں کیں، یہ مصائب مسلمانوں کیلئے کیا کم تھے، مگر جب مصائب وآفات کے گھنگور بادل چھا جاتے ہیں اوان سے مصیبت کا صرف ایک یہ قطرہ نہیں ٹپکتا بلکہ ایسی موسلا دھار بارش ہوتی ہے کہ مشکلات کے سیلاب آمڈ آتے ہیں ایک طرف انگریز اور عیسائیوں کا عظیم فتنہ تھا، اور دوسری طرف انگریزوں کے چہیتے ہندؤں اور آریاؤں کا کرتا دھرتا سوامی دیانند سرسرتی جو اپنے منطقیانہ اور فلسفیانہ استدلات میں شہسوار تھا پورے ہندوستان میں لوگوں کو آریہ بنانے اور مسلمانوں کو مرتد کرنے کی (معاذ اللہ) مہم چلا رہا تھا، پورے ہندوستان میں لوگوں کو آریہ بنانے اور مسلمانوں کو زہر اگلتے سرسوتی کی حمایت اور دریدہ ذہنی کا اندازہ لگانا ہو تو اس کی کتاب ستیارتھ پرکاس کا چودھواں باب ملاحظہ کیجئے۔ جس میں اس نے خیال خویش قرآن کریم کی بسم اللہ سے لے

کر والناس تک تمام سورتوں پر اعتراضات کیے، اور انکی کمی اور خامی بتلائی ہے (العیاذ باللہ) سرسوتی مقام اسلام اور اسلامی عقائد پر خوب برستا تھا، اور اہل اسلام کو جواب کیلئے للکارتا تھا، چنانچہ اپنا تبلیغی دورہ کرتا ہوا ۱۲۹۵ھ اور ۱۸۷۲ء میں رڑکی جا پہنچا اور کئی دن تک وہاں قیام کر کے اسلام کے خلاف خوب زہر اگلتا رہا، چونکہ اس وقت وہاں کوئی ایسا مستند اور مناظر عالم نہ تھا جو اس کے فلسفیانہ اعتراضات کا جواب دے سکتا۔ اس لیے میدان کو خالی دیکھ کر اس کی ہمت اور دو چند ہوگئی حتی کہ سر بازار اس نے اسلام کے خلاف نازیبا اور واہی تباہی باتیں کہنا شروع کر دیں۔ ان دنوں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی جو پہلے ہی سے ضیق النفس کے موذی مرض سے دوچار تھے بخار اور کھانسی کے شدید مرض میں مبتلا تھے اور ان کی علالت کی خبریں باقاعدہ ان کے الستاذ و تلامذہ اور عقیدت مندوں کو پہنچتی رہتی تھیں سرسوتی کے کانوں میں بھی حجۃ الاسلام کی بیماری کی خبر پہنچ گئی تھی۔ جب رڑکی کے کچھ درد دل رکھنے والے اور غیرت مند مسلمانوں نے سرسوتی کا حسب استطاعت جواب دینا شروع کیا تو پنڈت نے یہ کہا کہ ہم تو جاہلوں سے گفتگو کرنے سے تو بالکل آمادہ نہیں ہیں، اپنے کسی بڑے مذہبی عالم کو بلاؤ تو ہم پھر گفتگو کریں گے پنڈت دیانند سرسوتی اس قسم کے مواقع پر اس قسم کے پوچ حیلے بہانوں سے جان چھڑایا کرتے تھے۔ اور حضرت نانوتویؒ کی علالت کی خبر سن کر اس سے پنڈت جی نے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کی کہ اگر مولوی قاسم آئیں گے تو پھر ہم لوگ گفتگو کریں گے پنڈت جی نے حالات سے بھانپ لیا کہ مولوی قاسم تو شدید علیل ہیں اس لیے وہ نہیں آئیں گے، لیکن لوگوں نے پنڈت جی سے سوال کیا کہ آپ مولوی قاسم سے مناظرہ کرنے میں کیوں مصر ہیں کسی اور سے کیوں نہیں کرتا۔ تو پنڈت جی نے جواب دیا کہ میں نے پورا یورپ پھرا اور اب پنجاب پھرا ہوں مجھے کوئی مولوی قاسم صاحب سے بڑا عالم نظر نہیں آیا، میں نے ہر شخص سے مولانا کی تعریف سنی ہے اور میں نے خود شاہجہاں کے جلسہ میں مولانا کی تقریر سنی ہے، تو میں اس نتیجے پر پہنچا کہ اگر آدمی کسی سے کوئی مناظرہ کرے تو کسی علم والے آدمی سے کرلے تاکہ کچھ فائدہ بھی حاصل ہو یہ ایک ہندو پنڈت کا مولانا قاسم نانوتویؒ کے

وسعت علم کے بارے میں اعتراف ہے۔ والفضل ما شہدت بہ الاعداء دارالعلوم کا دفاع عن الدین: پھر کفر کے تعاقب کا یہ سلسلہ آپ کے جانشینوں میں بھی نظر آتا ہے جنھوں نے ہر نئے اٹھنے والے باطل نظریہ کو دریا برد کیا۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ فرماتے ہیں۔ دارالعلوم کی جماعت اپنے مسلک کی ہمہ گیری کی وجہ سے ہر فتنہ کی مدافعت کیلئے سینہ سپر رہی خواہ وہ فتنہ نقل و روایت کی راہوں سے آیا ہو یا عقلیت پسندی کی بنیادوں سے اٹھا اس جماعت نے ہمیشہ اعلاء کلمۃ اللہ اور امر بالمعروف کا فرض ادا کیا۔ اور اصلوب اور اس رنگ میں جس رنگ ڈھنگ میں کسی دینی فتنہ نے سر اٹھایا (۱۶)

آخر میں دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ اس مرد حق پرست کی روحانی اولاد میں شامل فرمالے اور انکے مشن کو آگے پھیلانے کی توفیق عطا فرمائے۔
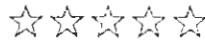
حواشی باب ششم

۱۔ کاندھلوی، حضرت مولانا ادریس، دستور اسلام ص ۱۰۹ مطبوعہ تعلیمی پریس لاہور

۲۔ عثمانی محمد تقی مولانا، بائبل سے قرآن تک کراچی دارالاشاعت ص ۱۸

۳۔ تھانوی اشرف علی مولانا ارواح ثلاثہ، لاہور ادارہ اسلامیات ص ۲۶۵

۴۔ نانوتوی محمد قاسم مولانا، میلہ خدا شناسی دیوبند مطبع قاسمی ص ۳۸

۵۔ تھانوی اشرف علی مولانا ارواح ثلاثہ لاہور ادارہ اسلامیات، ص ۲۳

۶۔ تھانوی اشرف علی مولانا الفاظ القرآن مطبوعہ اشرف العلوم گوجرانوالہ

۷۔ تھانوی اشرف علی مولانا قصص الاکابر لاہور کتب خانہ جمیلی، ص ۱۵۲

۸۔ نانوتوی محمد قاسم مولانا، مباحثہ شاہجہان پوری دیوبند مطبع قاسمی ص ۵

۹۔ نانوتوی محمد قاسم مباحثہ شاہجہان پور دیوبند مطبع قاسمی ص ۹

۱۰۔ تھانوی اشرف علی مولانا، ارواح ثلاثہ لاہور ادارہ اسلامیات ص ۲۳۶

۱۱۔ نانوتوی محمد قاسم مولانا رسالہ قبلہ نما دیوبند مطبع قاسمی ص ۲

۱۲۔ محمد طیب قاری تاریخ دارالعلوم دیوبند دیوبند مکتبہ قاسمیہ ص ۵۰

۱۳۔ نانوتوی محمد قاسم مولانا، میلہ خدا شناسی، دیوبند مطبع قاسمی ص ۶

۱۴۔ تھانوی اشرف علی مولانا، الفاظ القرآن کراچی، مکتبہ تھانوی، ص ۵

۱۵۔ نانوتوی محمد قاسم مولانا، میلہ خدا شناسی، دیوبند قاسم العلوم ص ۲

۱۶۔ محمد طیب قاری تاریخ دارالعلوم، دیوبند مطبع قاسمی ص ۵

اختتامیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اختتامیہ:

الحمد للہ آج میرا مقالہ،،مولانا محمد قاسم نانوتوی کی دینی وعلمی خدمات کا تحقیقی مطالعہ،، مکمل ہوگیا ہے میں اسکی ترتیب وتدوین اور تخریج سے فارغ ہوگیا ہوں۔ میں نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ کی زندگی کے تمام پہلوں پر اپنے اس مقالہ میں سیر حاصل بحث کرنے کی کوشش کی ہے اپنی بساط بھر معتمد ذرائع سے تمام معلومات کو اکٹھا کیا اور اسکو تحقیقی انداز میں ترتیب دیا ہے مولانا نانوتوی ایک ایسی ہمہ گیر شخصیت ہیں کہ ان کی زندگی کے تمام پہلوؤں کو تفصیل سے لکھنے کے لیے تو دفتر ناکافی ہیں البتہ ان کی دینی وعلمی خدمات کا ایک تحقیقی مطالعہ اگر کوئی کرنا چاہے تو اس کے لیے انشا اللہ یہ مقالہ مفید تر راہنمائی فراہم کرے گا۔ میں نے اپنے اس مقالہ کو ایک مقدمہ اور چھ ابواب میں تقسیم کر کے لکھا ہے۔ مقدمہ میں انتخاب موضوع کی ضرورت پر کلام کیا ہے۔

باب اول:

اس باب میں مولانا قاسم نانوتوی کے ہم عصر علماء کا مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے جن کے مطالعہ سے قاری کو مولانا کے ہم عصر علماء کے مقام ومرتبہ کے ساتھ ساتھ خود مولانا قاسم صاحب نانوتوی کے مرتبہ اور مقام کا بھی پتہ چلتا ہے۔

باب سوم:

اس باب میں مولانا قاسم نانوتوی کی چند تصانیف کا تعارف پیش کیا گیا ہے آپ کے خطوط، مضامین اور تصانیف کا ایک جدول بھی اس میں ذکر کیا ہے جس سے قاری مولانا نانوتوی کے علمی مقام سے آگاہی حاصل کرتا ہے۔

باب چہارم:

اس باب میں مولانا نانوتوی کے عظیم کارنامہ بنائے دارالعلوم کا تفصیل سے تذکرہ کیا گیا ہے اس باب کو چار فصول میں منقسم کیا گیا ہے۔ پہلی فصل میں قیام دارالعلوم اور اسکے پس منظر کو ذکر کیا ہے اور اس سلسلہ میں جو مشکلات پیش آئیں ان کا تذکرہ ہے۔

دوسری فصل میں دارالعلوم دیوبند میں پڑھائے جانے والے نصاب کو تفصیل سے ذکر کیا ہے دورہ حدیث کا نصاب دورہ تک پڑھائی جانے والی کتب کے نام اور درجہ حفظ وناظرہ اور ابتدائی اردو فارسی ریاضی وغیرہ کے نصاب کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

تیسری فصل میں دارالعلوم دیوبند کی علمی، سیاسی، فکری، اصلاحی خدمات کو تفصیل سے ذکر کیا ہے۔

چوتھی فصل میں اس بات کو ذکر کیا ہے کہ دارالعلوم دیوبند ایک ادارہ ہی نہیں بلکہ ایک تحریک ہے جس نے علمی شہ پاروں کے علاوہ تبلیغی اور جہادی میدانوں میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

باب پنجم:

اس باب میں مولانا قاسم نانوتوی کی خدمات تصوف پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

باب ششم:

اس باب میں مولانا قاسم نانوتوی کے ان مناظرات کوذکر کیا ہے۔ جو آپ نے شیعوں، عیسائیوں اور ہندوؤں سے وقتاً فوقتاً کیئے۔ اوران میں کامیابی حاصل کی۔

یہ میرے مقالہ کا آخری باب ہے اسکے بعد آخر میں مولانا کی تحریر کے چند عکس اور چند کتابوں کے ٹائیٹل کے عکس بھی دیئے گئے ہیں۔ سب سے آخر میں مراجع اور مصادر کی ایک فہرست کتابیات ذکر کی گئی ہے میں نے اپنے اس مقالہ میں ابواب کے تحت بعض جگہ فصول بھی قائم کی ہے۔ اسکی ہیرابندی کی ہے اورعنوانات لگائے ہیں تاکہ قاری کو تفہیم میں آسانی ہو۔ حوالہ جات کے لئے ایک باب میں مسلسل نمبر دیئے گئے ہیں اوران سب حوالہ جات کی تفصیل باب کے آخر میں نمبروں کی ترتیب پر دیدی گئی ہے۔

ہر باب کے آخر میں اسکے حوالہ ذکر کیے گئے ہیں آخر میں کتابیات کے عنوان سے مستقبل فہرست کتب دی گئی ہے۔ ابتداء میں ایک فہرست عنوانات بھی لگادی ہے ہر باب کولکھ کراسکے تحت اس میں مذکور عنوانات ذکر کردئے گئے ہیں۔ قرآنی آیات کے لیے عربی رسم استعمال کیا ہے۔ احادیث مبارکہ بھی عربی رسم الخط میں لکھی گئی ہیں۔ آخر میں اللہ تعالی سے میری دعا ہے کہ اللہ تعالی میری اس کاوش کوقبولیت عطا فرمائے اور میرے لئے اسکوذخیرہ آخرت بنائے۔ آمین

محمد اسعد تھانوی

عکس تحریر

كتابيات

کتابیات

(BIBLIOGRAPHY)

۱۔ القرآن الکریم

۲۔ ابن ماجہ ابوعبداللہ بن یزید الربعی القزوینی، سنن ابن ماجہ، کراچی قدیمی کتب خانہ ۱۴۰۷ھ

۳۔ ابن حجر الصمدین علی الباری شرح صحیح البخاری بیروت دارالمعرفہ س۔ن

۴۔ ابن ابی شیبہ ابوبکر عبداللہ بن محمد مصنف ابن ابی شیبہ کراچی ادارہ القرآن والعلوم الاسلامیہ ۱۴۰۶ھ

۵۔ ابن حجر احمد بن علی ھدایہ الساوی مقدمہ فتح الباری بیروت دارالمعرفہ س۔ن

۶۔ ابن کثیر اسماعیل القرشی تفسیر ابن کثیر لاہور امجد اکیڈمی ۱۴۰۳ھ

۷۔ ابوداؤد السجستانی سنن ابی داؤد کراچی نصیر محمد کتب خانہ ۱۳۶۹ھ

۸۔ اختر راہی پروفیسر، تذکرہ مصنفین درس نظامی لاہور مکتبہ رحمانیہ ۱۳۹۸ھ

۹۔ ارشد عبدالرشید۔ بیس بڑے مسلمان۔ لاہور مکتبہ رشیدیہ ۱۹۷۰ء

۱۰۔ اردو دائرہ المعارف الاسلامیہ پنجاب

۱۱۔ اردو دائرہ المعارف الاسلامیہ حیدر دکن

۱۲۔ اصغر حسین حیات شیخ الہند۔ لاہور ادارہ اسلامیات ۱۹۷۷ء

۱۳۔ اکبر شاہ بخاری۔ تحریک پاکستان اور علمائے دیوبند۔ کراچی ایچ۔ ایم سعید۔ س۔ن

۱۴۔ الہ آبادی۔ سید غیاث الدین۔ تذکرہ حکیم الامت اشرف علی تھانوی کراچی کتب خانہ فطبری ۱۴۰۴ھ۔

۱۵۔ انوارالحسن شیرکوٹی پروفیسر۔تحریک پاکستان اور علمائے دیوبند ایک تاریخی جائزہ س۔ن

۱۶۔ ابن البزار (الامام حافظ الدین) محمد بن محمد، البزازیہ علی ہامش الفتاوی الہندیہ ۹۰۶۔۹۵۴ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ

۱۷۔ ابن العربی، محمد بن عبداللہ، ۵۴۳ھ، احکام القرآن، مکتبہ السعادہ مصر ۱۳۱۹ھ

۱۸۔ ابن القیم، محمد بن ابی بکر الجوزیہ ۷۵۱ھ اعدام الموقعین، مصر ادارہ الطباعہ المنیریہ

۱۹۔ ابن الہمام، (الامام) کمال الدین محمد بن عبدالواحد السیواسی، فتح القدیر شرح الہدایہ، ۷۰۰۔۷۴۷ مکتبہ

۲۰۔ الحلوانی، ۱۴۰۳ھ المکتبہ الرشیدیہ کوئٹہ

۲۱۔ ابن رجب، ابوالفرج عبدالرحمٰن ۷۹۵ھ

۲۲۔ القواعد فی الفقہ الاسلامی، دارالمعرفہ، بیروت

۲۳۔ ابن سعد، محمد بن سعد ۲۳۰ھ طبقات، دار بیروت

۲۴۔ بیروت ۱۳۷۷ھ

۲۵۔ ابن قاضی بدرالدین جامع الفصولین اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن کراچی

۲۶۔ ابن قدامہ عبدالرحمٰن بن محمد شمس الدین بن قدامہ المقدسی ۶۸۶ھ الشرح الکبیر علی المغنی بیروت

دارالکتاب العربی

۲۷۔ ابن کثیر عمادالدین ابن کثیر التفسیر ابن کثیر ۷۹۳ھ لاہور

۲۸۔ ابوعذہ دکتور عبدالستار فتاوی الہیئہ الشرعیہ للبرکتہ الطبعتہ الاولی

۲۹۔ ابن یوسف امام ابویوسف یعقوب بن ابراہیم ۱۸۲ھ کتاب الخراج، القاہرہ، المطبعہ السلفیہ

۳۰۔ اتاسی محمد خالد الاتاسی شرح مجلہ الاحکام مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ ۱۴۰۳ھ

۳۱۔ ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد ربا اور ربت ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد۔

۳۲۔ افضانی (حضرت مولانا) شمس الحق سرمایہ دارانہ واشترا کی نظام کا اسلامی معاشی نظام سے موازنہ، من علماء القرآن الخامس عشر مکتبہ حکمت اسلامیہ

۳۳۔ ابزدوی (فخر اسلام) علی بن محمد اصول البزدوی مع اصول الکرفی نور محمد کتب خانہ کراچی

۳۴۔ الترمذی (بوعیسٰی) محمد بن عیسی بن سورہ جامع الترمذی

۳۵۔ التھانوی (حکیم الامت مولانا) اشرف علی، بیان القرآن ۱۲۸۰ھ ۱۳۶۲ ادارالاشاعت کراچی

۳۶۔ التھانوی (حکیم الامت مولانا) اشرف علی، امداد الفتاوی (ج:۳) مکتبہ دار العلوم کراچی

۳۷۔ الحرجانی، (السید) شریف علی بن محمد التعریفات تہران ۱۳۰۶

۳۸۔ الخوارزی (مولانا) جلال الدین السکرلانی، الکفایہ شرح الہدایہ مع فتح القدیر ۷۶۷ھ المکتبہ الرشید کوئٹہ

۳۹۔ الزرقاء، (الشیخ) احمد بن محمد بن ابراہیم، شرح القواعد الفقہیہ ایچ ایم سعاہیہ عیسی ۱۴۰۶ھ

۴۰۔ الزیلعی، (فخر الدقائق، ۷۰۸۱ھ مکتبہ امدادیہ ملتان

۴۱۔ الفقاوی الشرعیہ فی المسائل ال الاقتصادیہ بیت التمول الکوین ۱۹۸۵۔

۴۲۔ القرضاوی دکتور یوسف الحلال والحرام فی الاسلام

۴۳۔ القرطبی ابوالولید محمد بن احمد بن رشد القرطبی بدایۃ المجتہد ونہایۃ المتقصد مکتبہ الکلیۃ الازہرۃ ۱۳۸۶ھ

۴۴۔ القشیری، (ابوالحسن) مسلم بن الحجاج، صحیح مسلم مع الترقیم والتحقیق لفواد عبدالباقی ۸۰۷ھ دار الکتاب

بیروت

۴۵۔ المرغینانی، (شیخ الاسلام برہان الدین ابوالحسن) علی بن عبدالجلیل ابوبکر الرشدانی، الہدایۃ، مکتبہ امدادیہ، ملتان

۴۶۔ النبہانی، الشیخ تقی الدین، الشرکات فی الفقہ الاسلامی

۴۷۔ النووی، (الحافظ ابوزکریا) محی الدین بن شرف النووی شرح المہذب المسمی بالمجموع۔ دارالفکر، بیروت

۴۸۔ النووی، (الحافظ ابوزکریا) محی الدین بن شرف النووی، المنہاج مع مغنی المحتاج مطبعۃ العاصمۃ القاہرۃ ۱۹۷۶ء دار احیاء التراث، بیروت

۴۹۔ الہیثمی، (حافظ) نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمی، مجمع الزوائد ومنبع الفوائد دارالکتاب بیروت

۵۰۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (ج:۴)

۵۱۔ انصاری، الشیخ زکریا، اسنی المطالب عن روض الطالب

۵۲۔ احکام القرآن فی مسائل النعمان العثمانی احمد ظفر مولانا، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ کراتشی

۵۳۔ مجذوب الحسن عزیز خواجہ اشرف السوانح، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان اکتوبر ۱۹۸۵ء

۵۴۔ المجلۃ الشہریۃ البلاغ عثمانی تقی مولانا۔ مدیر ربیع الاول ۱۳۹۵ھ

۵۵۔ المجلۃ الھشریۃ الصیانۃ شیروانی احمد وکیل مولانا، جامعہ اشرفیہ لاہور شعبان ۱۴۱۵ھ

۵۶۔ المجلۃ الشہریۃ، الرشید، الرشید عبدا مولانا ۲۵ لوئر مال لاہور

۵۷۔ المراغی۔ احمد مصطفیٰ۔ تفسیر المراغی بیروت۔ لبنان دارالفکر

۵۸۔ انجحر ،شهاب الدین احمد بن علی بن محمد۔ فتح الباری بشرح البخاری۔ بیروت داراحیاء التراث العربی ۱۳۱۸ھ

۵۹۔ ابن حنبل ابوبکر احمد بن حنبل ،مسند الامام احمد بن حنبل بیروت ،لبنان ،دار صادر

۶۰۔ ابوداود، سلیمان بن اشعث ،سنن ابی داود کراتشی ،ایج ،ایم سعید کمپنی ،

۶۱۔ ابن ماجہ، ابوعبداللہ محمد بن یزید ،سنن ابن ماجہ کراتشی ،ایج ایم سعید کمپنی

۶۲۔ النسائی ،ابوعبدالرحمٰن احمد سعید ،سنن النسائی ،کراتشی ،قدیمی کتب خانہ

۶۳۔ النیسابوری ،مسلم بن الحجاج ،بن مسلم الجامع الصحیح ،کراتشی ایج ایم سعید کمپنی ۱۹۵۶ء

۶۴۔ الرویش ،احمد بن عبدالرزاق ،فتاوی اللجنۃ الدائمۃ داراولی النھی للنشر والتوزیع ۱۴۱۱ھ

۶۵۔ الزرکشی ،محمد بن عبداللہ ،البرہان فی علوم القرآن القاہرۃ ،داراحیاء الکتب العربیۃ ،۱۳۷۶ھ

۶۶۔ القلانسی ،ابوالعز محمد بن الحسین ،ارشاد المبتدی وتذکرۃ المنتھی فی القراءات العشر مکۃ المکرمۃ ،جامعۃ ام القری ۱۹۸۳م

۶۷۔ اعجاز الحق قدوسی ،تذکرۃ صوفیائے بنگال ،لاہور ۱۹۶۳ء

۶۸۔ امداد صابری ،فیضان رحمت مکۃ المکرمۃ ،المدرسۃ الصولتیۃ

۶۹۔ البرنی ضیاء الدین تاریخ فیروز شاہی کلکتہ ۱۸۶۲ م الجیلانی ،مناظر احسن ،ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت دہلی ،ندوۃ المصنفین ۱۹۴۴م

۷۰۔ السنجری امیر حسین ،فوائد الفواد دہلی ،اردو اکیڈمی ۱۹۹۱م

۷۱۔ الجامی ،ملا عبدالرحمٰن ،الفوائد الضیائیہ لشرح جامی ملتان ،قدیمی کتب خانہ س ن

۷۲۔ ابن الجزری، شمس الدین ابوالخیر محمد بن محمد

(۱) النشر فی القراءات العشر بیروت دار الکتب العلمیۃ س ن

(۲) منجد المقرئین بیروت دار الکتب العلمیۃ، ۱۹۸۰ء

(۳) غایۃ النھایۃ فی طبقات القراء ط بیروت دار الکتب العلمیۃ، ۱۹۸۰ء

۷۳۔ الداودی محمد بن علی بن احمد، طبقات المفسرین بیروت، دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۲۲ھ

۷۴۔ الزرکشی، بدر الدین محمد بن بھادر بن عبداللہ البحر المحیط فی اصول الفقہ ط۔ا بیروت دار الکتب العلمیۃ،

۲۰۰۰م/۱۴۲۱ھ

۷۵۔ الذیات، احمد حسن، تاریخ الادب العربی، کراچی، قدیمی کتب خانہ س ن

۷۶۔ السجستانی، عبداللہ بن سلیمان بن الاشعث۔ کتاب المصاحف، ط، ا۔ قطر: ادارۃ الشؤون الاسلامیۃ

۱۹۹۵ء/۱۴۱۵ھ

۷۷۔ السرخسی، امام شمس الائمۃ، الاصول، بیروت، دار الکتب العلمیۃ، س ن

۷۸۔ الشوکانی، علامہ محمد بن علی بن محمد، ارشاد الفحول فی علم الاصول ط، ا، بیروت دار احیاء التراث

العربی ۱۴۲۲ھ

۷۹۔ القزوینی، سید معز الدین محمد المھدی الحسینی،

۸۰۔ اسماء القبائل وانسابھا، ط، ا، بیروت دار الکتب العلمیۃ، ۲۰۰۰م

۸۱۔ النسفی، ابوالبرکات عبداللہ بن احمد بن محمود، تفسیر مدارک التنزیل لاہور: مکتبہ رحمانیہ س ن

۸۲۔ النیموی محمد بن علی، آثار السنن ملتان، مکتبہ امدادیہ س ن

۸۳۔ البرقوقی، عبدالرحمٰن شرح دیوان حسان بن ثابت بیروت، دارالاندلس، ط۳۳۳ ۱۹۸م

۸۴۔ التبریزی، محمد بن عبداللہ الخطیب مشکوۃ المصابیح لاہور: ملک سراج دین اینڈ سنز بدون تاریخ

۸۵۔ التفتازانی، سعدالدین مسعود مختصر المعانی، کراتشی، قدیم کتب خانہ س ن

۸۶۔ ابوتمام، حبیب بن اوس: دیوان الحماسۃ کراتشی میر محمد کتب خانہ، س ن

۸۷۔ ابن حاجب، جمال الدین عثمان الکافیۃ لاہور۔ادارہ اسلامیات ۱۴۰۹ھ

۸۸۔ الحاکم، ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ المستدرک علی الصحیحین، بیروت، دارالکتب العلمیۃ، ۱۴۱۱ھ

۸۹۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث السجستانی، سنن ابی داود کراتشی، ایچ ایم سعید کمپنی، ۱۴۰۸ھ

۹۰۔ الذھبی، محمد بن احمد بن عثمان، سیر اعلام النبلاء بیروت: موسسۃ الرسالۃ ۱۴۱۳ھ

۹۱۔ الزعبی، محمد عفیف (المرتب) دیوان الامام الشافعی بیروت، موسسۃ الزعبی، ۱۳۹۲ھ

۹۲۔ القناء احمد بن عماد بن شعیب متن الکافی مصر، شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ ۱۳۷۵ھ

۹۳۔ ابن ھشام ابومحمد عبدالملک السیرۃ النبویۃ ملتان، المکتبۃ الفاروقیۃ، ۱۹۷۷ء

۹۴۔ اختر راہی، پروفیسر تذکرہ مصنفین درس نظامی لاہور: مکتبہ رحمانیہ ۱۹۹۸ء

۹۵۔ الہ آبادی، سید غیاث الدین، تذکرہ حکیم الامت مولانا، اشرف علی تھانوی کراچی کتب خانہ مظہری ۱۴۰۴ھ

۹۶۔ اسلامیات ۱۴۱۹ھ۔ سیرت عثمانی ڈیرہ غازیخان مکتبہ عبیدیہ نقشبندیہ س ن

۹۷۔ ادارۃ اسلامیات ۱۴۰۶ھ۔ تذکرہ خلیل کراچی مکتبہ شیخ س ن

۹۸۔ الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی مطبعۃ حجازی بالقاھرۃ، ۱۳۶۰ھ

۹۹۔ الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ لابن حجر العسقلانی القاھرۃ ۱۳۵۸ھ

۱۰۰۔ انوار التنزیل واسرار التاویل للبیضاوی۔ اعجاز القرآن للباقلانی القاھرۃ ۱۳۴۹ھ

۱۰۱۔ البحر المحیط لابی حیان الاندلسی القاھرۃ ۱۳۰۸ھ مجلات

۱۰۲۔ البرھان فی علوم القرآن للزرکشی، القاھرۃ ۱۳۷۶ھ اربعۃ اجزاء

۱۰۳۔ الجامع الاحکام القرآن للقرطبی دار الکتب المصریۃ ۱۳۵۸ھ

۱۰۴۔ الشاطبیۃ (حرز الامانی ووجہ التھانی فی القراءات السبع الثانی) للشاطبی مصر ۱۲۸۶ھ

۱۰۵۔ الفتوحات المکیۃ لابن عربی بولاق ۱۲۲۹ھ

۱۰۶۔ بابرتی اکمل الدین محمد بن محمود ۷۸۶ھ شرح العنایۃ علی الھدایۃ کلکتہ بابو منشی رام ۱۲۴۷ھ

۱۰۷۔ بابرتی اکمل الدین محمد بن محمود العقد المنظم للاحکام فی ما یجری بین ایدیھم من العقود ۷۸۶ھ کوئٹہ

۱۰۸۔ برہان پوری علاؤ الدین علی المتقی بن حسام الدین الہندی برہان غفوری کنز الاعمال فی سنن الاقوال والافعال موسسۃ الرسالۃ

۱۰۹۔ بنوری محمد یوسف معارف السنن مکتبہ العربیہ الاسلامیہ کراچی

۱۱۰۔ بیہقی احمد بن حسین البیہقی ۴۵۸ھ السنن الکبری، دار الخلافہ مکتبہ الاسلامیہ ملتان نشر السنۃ بیہقی الجواہر النقی حاشیۃ البیہقی

۱۱۱۔ بہوتی منصور بن یونس ۱۰۵۱ھ کشاف القناع عن متن الاقناع عالم الکتب دار الفکر بیروت

۱۱۲۔ بغیۃ الوعاۃ للسیوطی القاھرۃ ۱۳۲۶ھ

۱۱۳۔ بیان اعجاز القرآن للخطابی دار المعارف القاھرۃ

۱۱۴۔ بخاری محمد بن اسماعیل الصحیح البخاری کراچی ایچ ایم سعید ۱۹۳۰ء

۱۱۵۔ بخاری اکبر شاہ اکابر علماء دیو بند لاہور ادارہ اسلامیات ۱۹۱۹ء

۱۱۶۔ بخاری اکبر شاہ سیرت عثمانی ڈیرہ غازی خان مکتبہ عبدیہ نقشبندیہ

۱۱۷۔ تفتازانی سعد الدین التفتازانی الشافعی التلویح

۱۱۸۔ تقی الدین ابوالحسن علی بن عبدالکافی فتاوی السبکی ۷۵۶ھ، دار احیاء التراث بیروت

۱۱۹۔ تاریخ اداب العرب للمصطفی صادق الرافعی القاہرہ ۱۳۵۹ھ

۱۲۰۔ تاریخ بغداد للخطیب البغدادی بمصر ۱۳۴۹ھ

۱۲۱۔ تاریخ مختصر الدول لابن العبری بیروت ۱۸۹۰م

۱۲۲۔ تاویلات القرآن س۔ن

۱۲۳۔ تاویل مشکل القرآن لابن قتیبہ القاہرۃ ۱۳۷۳ھ

۱۲۴۔ تفسیر الجلالین طبعہ بولاق ۱۲۸۰ھ

۱۲۵۔ تفسیر القاسمی س۔ن

۱۲۶۔ ترمذی عبدالشکور مفتی معارف مدنی لاہور جامعہ اشرفیہ ۲۰۰۲ء

۱۲۷۔ ترمذی عبدالشکور مفتی تذکرہ مدنی سندر لاہور ۲۰۰۱ء

۱۲۸۔ تفسیر المنار لسید محمد رشید رضا القاہرہ ۱۳۵۴ھ

۱۲۹۔ تفسیر ابن کثیر القاہرہ ۱۳۷۳ھ

۱۳۰۔ تفسیر القرطبی، القاہرہ س۔ن

۱۳۱۔ تفسیر القرآن الکریم لسید محمد رشید رضا بیروت س۔ن

۱۳۲۔ تہذیب التھذیب لابن حجر عسقلانی طبع حیدر آباد

۱۳۳۔ تفسیر الرازی القاھرہ ۱۳۲۱ھ

۱۳۴۔ تاریخ ادبیان مسلمانان پاک وہند پروفیسر عبد القیوم جامعہ پنجاب ۱۹۷۲م

۱۳۵۔ تاج الدین ڈاکٹر مقدمۃ الحدیث للشیخ ادریس کاندھلوی، مقالہ پی، ایچ، ڈی جامعہ پنجاب غیر مطبوعہ ۱۴۱۸ھ

۱۳۶۔ ترمذی عبد الشکور مفتی تذکرۃ الظفر لاہور، المطبع الاسلامی السعودی ۱۹۷۷ء

۱۳۷۔ ترمذی ابوعیسی محمد بن عیسی سنن الترمذی بیروت، دار احیاء التراث العربی۔س۔ن

۱۳۸۔ تھانوی اشرف علی مولانا بیان القرآن کراچی، دار الاشاعت س۔ن

۱۳۹۔ تھانوی محمد احمد، حافظ ضامن شہید جریدۃ الاشرف کراچی ایچ، ایم سعید س۔ن

۱۴۰۔ تھانوی جمیل احمد مفتی تعمیر پاکستان میں علماء کا کردار از تحریک پاکستان اور علمائے دیوبند کراچی، ایچ ایم سعید س۔ن

۱۴۱۔ تھانوی خلیل احمد تکمیل احکام القرآن لاہور، ادارہ اشرف التحقیق س۔ن

۱۴۲۔ جزائری عبد الرحمن الجزائری کتب الفقہ علی المذاہب الاربع لاہور۔

۱۴۳۔ جصاص احمد بن علی ۱۹۷۰ھ احکام القرآن مصر ۱۳۴۷ھ مطبعہ لاہور سھیل اکیڈمی۔

۱۴۴۔ جمیل احمد ظفر الدکتور النحو القرانی قواعد شواہد مکہ المکرمہ ۱۹۹۸ء۔

۱۴۵۔ جامع بیان العلم وفضلہ۔

۱۴۶۔ جلناز مرزا حیات امیر شریعت لاہور مکتبہ تبصرہ ۱۹۷۰ء۔

۱۴۷۔ جان محمد مخدوم ماثر العارفین کلیہ لاہور۔

۱۴۸۔ جیلانی مناظر احسن ہندوستان میں مسلمانوں نظام تعلیم و تربیت دہلی ندوہ المصنفین۔

۱۴۹۔ مصکفی محمد علاء الدین بن الشیخ علی الامام بجامع بنی امیہ الدر المنتقی فی شرح الملتقی ۷۴۳ھ مطبعہ آمرہ۔

۱۵۰۔ حافظ قری موسوعۃ اطراف الحدیث

۱۵۱۔ خطاب ابوعبداللہ محمد بن محمد ۹۵۴ھ تحریر الکلام فی مسائل الالتزام دار العرب الاسلامی بیروت۔

۱۵۲۔ حاجی خلیفہ مصطفیٰ بن عبداللہ کشف الظنون عن الصیام الکتب والفنون بغداد مکتبۃ المصنع ۱۹۴۲م۔

۱۵۳۔ حافظ احمد یار پروفیسر قرآن وسنت چند مباحث لاہور شیخ زید اسلامک سنٹر ۲۰۰۰ء۔

۱۵۴۔ حریری غلام احمد تاریخ التفسیر ومفسرین فیصل آباد ملک سنز ۱۹۹۶ء۔

۱۵۵۔ حسن ضیاء الدین عطر الدکتور الاحرف السبعۃ ط بیروت دار البشائر الاسلامیہ ۱۹۸۸ء۔

۱۵۶۔ حسین محمد سعید عبدالغنی ارشاد الساری ط بیروت دار الکتب العلمیۃ ۱۹۹۸ء۔

۱۵۷۔ داودی محمد بن علی احمد طبقات المفسرین بیروت، دار الکتب العلمیۃ، ۲۰۰۲ء

۱۵۸۔ دراسات فی فقہ اللغۃ لمولف ھذا الکتاب مطبعہ دمشق ۱۳۷۹ھ

۱۵۹۔ دارمی ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن سنن الدارمی ملتان نشر السنۃ۔ س۔ ن

۱۶۰۔ دریا آبادی مولانا اسلام المعارف گنج بخش روڈ لاہور ۱۹۷۶ء

۱۶۱۔ ڈپٹی نذیر احمد الحقوق والفرائض

۱۶۲۔ عبدالرشید پروفیسر ادیان مذاہب کا تقابلی مطالعہ طاہر سنز کراچی، ۱۹۸۵ء

۱۶۳۔ رازی امام محمد بن عمر رازی ۶۰۶ھ تفسیر کبیر ایران

۱۶۴۔ رستم باز سلیم رستم باز اللبانی شرح المجلہ بیروت دار التراث العربی

۱۶۵۔ رضوی میر مہدی حسین کلیس تاریخ حیدر آباد دکن لیس بمکتوب ۱۳۱۳ھ

۱۶۶۔ رسالۃ الشافعیہ فی اعجاز القرآن لعبد القاھر الجرجانی القاھرہ دار المعارف

۱۶۷۔ ریاض الصالحین لامام النیموی القاھرہ۔ س۔ ن

۱۶۸۔ رشید احمد تھانوی مولانا القصائد العربیہ جمیل احمد تھانوی مقالہ ایم اے عربی پنجاب یونیورسٹی، س۔ن

۱۶۹۔ سر سید احمد خاں سید احمد بن میر تقی ۱۸۹۸ء تفسیر القرآن سلسلہ تصانیف احمد لاہور

۱۷۰۔ سرخسی محمد بن احمد بن ابی سھل شمس الائمہ المبسوط للسرخسی ادارۃ القرآن کراچی

۱۷۱۔ سیوطی الامام جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر ۱۹۱۱ء الجامع الصغیر مصر ۱۳۹۸ھ

۱۷۲۔ سیوطی الامام جلال الدین الاشباہ والنظائر بتحقیق حامد الفقہی حلب مصر

۱۷۳۔ سرخسی امام شمس الائمہ الاصول بیروت دار الکتب العلمیہ

۱۷۴۔ سلیم اللہ خان شیخ الحدیث کشف الباری شرح الجامع للبخاری مکتبہ فاروقیہ ۲۰۰۲ء

۱۷۵۔ سیرۃ الرسول لابن ھشام القاھرۃ

۱۷۶۔ سید محمد میاں علمائے ہند کا شاندار ماضی لاہور مکتبہ محمودیہ ۱۹۵۷ء

۱۷۷۔ سرفراز مولانا صفدر عبارات اکابر مکتبہ صفدریہ گوجرانوالہ ۲۰۰۳ء

۱۷۸۔ شبلی نعمانی والسید سلمان ندوی سیرۃ النبی لاہور مطبعہ آرزیڈ ۱۴۰۸ھ

۱۷۹۔ شیرکوٹی انوار الحسن تجلیات عثمانی لاہور مکتبہ عثمانیہ ۱۹۵۸ء

۱۸۰۔ شوقانی محمد بن علی شوقانی ۱۲۵۵ھ نیل الاوطار مصر

۱۸۱۔ شامی محمد امین الشھیر ابن العابدین الشامی رد المختار علی الدر المختار ۱۸۲۷ء ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

۱۸۲۔ شزرات الضحک فی اخبار من الذھبی لابن العماد الحملی ۱۳۵۰ھ

۱۸۳۔ شوقانی محمد بن علی شوقانی ارشاد الفحول فی علم الاصول ط۔ ا بیروت دار احیاء التراث ۱۴۲۲ھ

۱۸۴۔ شافعی امام محمد بن ادریس کتاب الام دار المعرفۃ۔ س۔ ن

۱۸۵۔ شیخ محمد تھانوی تاریخ تھانہ بھون لاہور ماہنامہ الحسن اشاعت خاص ۲۲ ستمبر ۱۹۹۸ء

۱۸۶۔ شیروانی وکیل احمد مولانا اشرف المقالات لاہور مجلس صیانۃ المسلمین لاہور ۱۴۱۶ھ

۱۸۷۔ صبحی صالح الدکتور علوم القرآن مترجم اردو فیصل آباد ۱۹۷۸ء

۱۸۸۔ صدر الشریعہ عبید اللہ بن مسعود المحبوبی التوضیح شرح التنقیح ۱۴۰۳ھ

۱۸۹۔ صدیقی محمد میاں تذکرہ مولانا محمد ادریس کاندھلوی لاہور مکتبہ عثمانیہ ۱۴۹۶ھ

۱۹۰۔ طبقات المفسرین للسیوطی طبعا للیسد ۱۹۲۸۱م

۱۹۱۔ طبرانی سلمان احمد ۳۶۰ھ الجامع الکبیر ریاض دار السمیعی ۱۴۱۵ھ

۱۹۲۔ طحاوی سید احمد بن محمد بن اسماعیل حاشیہ طحاوی علی در المختار ایچ ایم سعید کمپنی کراچی

۱۹۳۔ طبری محمد بن جریر ۳۱۰ھ تفسیر بیروت دار الفکر ۱۴۰۵ھ

۱۹۴۔ عبد الرحمٰن بن ابی بکر ۱۹۱۱ھ لباب النقول مصر مصطفیٰ البابی الحلبی

۱۹۵۔ عثمانی مولانا جسٹس محمد تقی تکملہ فتح الملہم شرح صحیح مسلم مکتبہ دار العلوم کراچی

۱۹۶۔ عثمانی علامہ ظفر احمد اعلاء السنن ادارۃ القرآن کراچی

۱۹۷۔ عثمانی مولانا محمد تقی فقہی مقالات میمن اسلامی پبلیکیشنز کراچی

۱۹۸۔ عزیز الرحمٰن الدیوبندی (مفتی اعظم) عزیز الفتاویٰ دار الاشاعت کراچی

۱۹۹۔ علی حیدر درر الحکام شرح مجلت الاحکام بیروت دار الکتب العلمیہ

۲۰۰۔ علی سید محمد شاہد علمائے مظاہر العلوم کی علمی و تصنیفی خدمات اشاعت علوم سہارنپور یوپی

۲۰۱۔ عثمانی علامہ شبیر احمد تفسیر عثمانی لاہور مکتبہ رحمانیہ س۔ن

۲۰۲۔ عثمانی مولانا محمد مفتی تقی علوم القرآن کراچی مکتبہ دار العلوم کراچی

۲۰۳۔ عارفی عبد الحیٔ مولانا مآثر حکیم الامت کراچی ایچ ایم سعید ۱۴۰۰ھ

۲۰۴۔ عبد الماجد دریا آبادی حکیم الامت تھانہ بھون لاہور ماہنامہ الحسن ۱۹۹۸ء

۲۰۵۔ عبد اللہ گنگوہی مختصر تاریخ تھانہ بھون لاہور، ماہنامہ الحسن دسمبر ۱۹۹۸ء

۲۰۶۔ عثمانی اشرف محمود ایک قرن کا اختتام در مقالات قرآن لاہور ادارہ اشرف التحقیق ۱۴۲۳ھ

۲۰۷۔ غزالی امام محمد بن محمد الغزالی الوجیز بیروت دار المعرفۃ ۱۳۹۹ھ

۲۰۸۔ قاضی خان الامام فخر الدین الحسن بن منصور بقاضی خان ۵۹۲ھ

۲۰۹۔ نول کشور ہند

۲۱۰۔ قدوری احمد بن محمد القدوری ۴۲۸ھ متن الھدایۃ مکتبہ امدادیہ ملتان

۲۱۱۔ قرزاوی یوسف القرزاوی فقہ الزکوۃ بیروت موسسۃ الرسالہ

۲۱۲۔ قزوینی عبداللہ محمد بن یزید القزوینی ابن ماجہ مع التحقیق الترقیق للمحمد فواد عبد الباقی مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ

۲۱۳۔ قزوینی سید معز الدین محمد المھدی الحسینی اسماء القبائل وانسابھا، ط۔ا، بیروت دار الکتب العلمیہ ۲۰۰۰ء

۲۱۴۔ قمر احمد عثمانی، تذکرۃ الظفر کمالیہ مطبوعات علمی، ۱۹۷۷ء

۲۱۵۔ کاندھلوی، مولانا محمد ادریس معارف القرآن لاہور مکتبہ عثمانیہ س۔ن

۲۱۶۔ کاندھلوی مولانا محمد مالک منازل العرفان فی علوم القرآن لاہور ناشران قرآن لمیٹیڈ س، ن

۲۱۷۔ کشمیری محمد انور شاہ مولانا فیض الباری علی صحیح البخاری لاہور المطبعۃ الاسلامیہ السعودیہ ۱۳۵۵ھ

۲۱۸۔ لکھنوی مولانا فتح محمد لکھنوی عطر الھدایہ دیوبند مکتبہ نشر القرآن، س۔ن

۲۱۹۔ اللبدی محمد سمیر نجیب الدکتور اثر القرآن والقراءات فی اشعر العربی، ط۔ا۔کویت ۱۳۹۸ھ

۲۲۰۔ مالک امام بن انس الموطا جدہ دار الشروق ۱۴۰۵ھ

۲۲۱۔ محمد کفایت اللہ مفتی اعظم ہند کفایت المفتی

۲۲۲۔ مفتی محمد شفیع (مفتی اعظم پاکستان) امداد المفتیین مکتبہ دار العلوم کراچی

۲۲۳۔ مفتی محمد شفیع (مفتی اعظم پاکستان) معارف القرآن ادارۃ المعارف کراچی

۲۲۴۔ محمد دین کلیم القادری تذکرۃ المشائخ القادریہ لاہور المکتبہ نوریہ ۱۹۵۸ء

۲۲۵۔ مبارک غوری صفی الرحمن مولانا الرحیق المختوم، ط۔۶، لاہور المکتبۃ السلفیہ ۱۴۱۰ھ

۲۲۶۔ مسعودی انظر شاہ مولانا حیات کشمیری ملتان ادارہ تالیفات اشرفیہ ۱۴۱۸ھ

۲۲۷۔ مفتی عزیز الرحمٰن تذکرہ مشائخ دیوبند کراچی قرآن محل ۱۹۶۴ء

۲۲۸۔ منشی عبدالرحمٰن سیرت اشرف ملتان ادارہ تالیفات اشرفیہ ۱۴۱۸ھ

۲۲۹۔ مجذوب خواجہ عزیز الحسن کشکول مجذوب ملتان ادارہ تالیفات اشرفیہ ۱۴۱۰ھ

۲۳۰۔ میرٹھی عاشق الٰہی مولانا تذکرۃ الرشید لاہور ادارہ اسلامیات ۱۹۸۶ء

۲۳۱۔ مدنی حسین احمد الشیخ الکبیر نقش حیات خودنوشت کراچی دارالاشاعت، س۔ن

۲۳۲۔ مسلم بن حجاج النیشابوری القشیری صحیح مسلم بیروت، س۔ن

۲۳۳۔ میاں اصغر حسین سید تذکرۃ الخلیل مکتبۃ الشیخ، س۔ن

۲۳۴۔ ندوی عبدالسلام امام رازی لاہور، ادارہ سلامیات ۱۹۸۸ء

۲۳۵۔ ندوی عبداللہ عباس الدکتور عربی میں نعتیہ کلام کراتشی اردو اکادمی ۱۹۸۲ء

۲۳۶۔ نور احمد خاں تذکرۃ بہاؤ الدین زکریا الملتانی، لاہور علماء اکیڈمی

۲۳۷۔ نسائی احمد بن شعیب ابوعبدالرحمٰن النسائی حلب مکتبۃ المطبوعات الاسلامیہ ۱۴۰۶ھ

۲۳۸۔ نور الحسن راشد کاندھلوی، مدیر رسالہ احوال و آثار کاندھلہ سہ ماہی سوانح مولانا انعام الحسن

۲۳۹۔ نور الحسن راشدی کاندھلوی احوال و آثار و باقیات و متعلقات قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی مکتبہ سید احمد شہید ۲۰۰۰ء

۲۴۰۔ نانوتوی قاسم مولانا ھدیۃ الشیعہ دیوبند شیخ الہند اکیڈمی، س۔ن

۲۴۱۔ نانوتوی محمد قاسم مولانا اربعین دیوبند، س۔ن

۲۴۲۔ نمبر دارالعلوم دیوبند ماہنامہ الرشید ج معہ رشیدیہ ساہیوال فروری / مارچ ۱۹۷۶ء

۲۴۳۔ ندوی ابوالحسن علی السید سیرۃ احمد شہید لاہور القادر ناشران کتب اسلامی ۱۹۷۴ء

۲۴۴۔ ہاشمی محمد طفیل الدکتور امام ابوحنیفہ کی مجلس تدوین فقہ

The Religious and Educational Services of

MOULANA MUHAMMAD QASIM NANOTVI

Ph. D Thesis

SUPERVISER
Prof. Dr. Abdul Rashid

RESEARCHER
Muhammad Asad Thanvi

DEPARTMENT OF QURAN & SUNNAH

FACILITY OF ISLAMIC STUDIES
UNIVERSITY OF KARACHI

30 September, 2005

Preface: -

My Ph.D Thesis has a preface of six chapters, Conclusion and Bibliography.The abstract of the thesis is as under:

The 1st Chapter : Consists life of Moulana Muhammad Qasim Nanotvi which includes his preliminary education of Quran and Hadith, His teaching services,his services in Tasawwuf and his role in the struggle in independence.

The 2nd Chapter : relates to the contemporaries of Muhammad Qasim Nanotvi which includes Haji Imdad-ullha-Mohajir Makki, Moulana Rasheed Ahmed Gangoi, Moulana M. Mazhar Nanotvi and others.

The 3rd Chapter: Consist of introduction of Books written by Moulana Muhammad Qasim Nanotvi during his life time of 49 Years.

The 4th Chapter : Narrates the biggest role of Moulana Muhammad Qasim Nanotvi in establishing a renowned "DAR UL ULOOM" in Deobund.
The students graduated from Darool Uloom has and not only spread education of Quran and Hadith in the role continent but in the entire world including Europe, America, Africa,UK, Saudi Arabia, Canada, Japan, France, etc.

The 5th Chapter: Narrates the services of Moulana Muhammad Qasim Nanotvi in the feild of Taswwuf.

The 6th Chapter : Narrates the services of Moulana Muhammad Qasim Nanotvi in defending Islamic faith from offenders of Christianity, Hinduism Etc.

In the last, the complete Bibliography is given. I want to pay my sincere regards to my Patron Professor Dr Abdul Rashid, Dean faculty of Islamic studies University of Karachi who not only persuaded me to do this research work but also helped me a lot is fixing the chapters and sub chapters of this thesis. It was only his sincere attention that I was able to complete this thesis. Professor Dr.Abdul Rasheed had read the whole thesis and gave his suggestion on specific points, under whose guidance I had made several changes is the thesis. May Allah bless him and bestowed His rewards upon him; A'meen.

I also consider it my sincere duty to thank my younger brother Moulana Dr. Khalil Ahmed Thanvi, teacher Jamia Darul Uloom Islamia Lahore who, despite his preoccupation helped me in reaching original sources needed for the thesis and provided me better information. I pray to Almighty Allah that He may bestow His blessings upon him and improve further his academic education. A'meen. I also pay my sincere thanks to all Ulema and Librarians who helped me in completing this thesis.

May Allah Bestowed His blessings upon them; A'meen.

May Allah give recognition to this humble work; A'meen.

Muhammad Asad Thanvi

Candidate for Ph.D

Department of Quran & Sunnah

Faculty of Islamic Studies

University of Karchi.